U3430 P - Delta - 10 - K09

Title - BAHARISTAN (Part - 1 & 2)

Creator - Zafar Ali Khan.

Publisher - Urdu Academy Punjab (Lahore).

Date - 1937.

Pages - 828.

Subjects - Urdu Shayari - Kulliyaat - e - Dawaween

ظفر علی خان

سلطان الشعراء ظفر الملّت والدّین حضرت علامہ ظفر علی خان صاحب

کے

چالیس (۴۰) سالہ کلام کا مجموعہ

بہارستان

حصّہ اوّل و دوم

جسکو

مینجر دار الاشاعت بہارستان گجرات

فہرس

ز

ی

ب

ن

ف

قارئین کرام نوٹ فرمالیں

مولانا ظفر علی خان مدیر روزنامہ "زمیندار" کا بصیرت افروز کلام ہر مسلم نوجوان
کیلئے آبِ حیات کا حکم رکھتا ہے ۔ لہٰذا ہر ایک کا فرض ہے کہ اسے خود پڑھے
اور جتنا فائدہ اٹھا سکتا ہے اٹھائے ―

افسوس ہے کہ کاتب نے نہایت افسوسناک کتابت کی اغلاط کے باعث
سارا لطف کرکرا کر دیا ہے ― مولانا نے اپنے کلام کی طباعت اور
اشاعت کا اہتمام ایک دوسرے شخص کے سپرد کیا ہے جو ہر لحاظ
عمدہ اور دیدہ زیب ہوگا ― اگر کوئی صاحب پسند فرمائیں تو دوبارہ طبع
ہونے والے کلام کا ایک نسخہ بذریعہ [illegible] بک کرا سکتے ہیں

―――

تقریب

چکیدۂ قلم حسان الہند علامہ الطاف حسین صاحب حالی نور اللہ مرقدہٗ

اے مالکِ فخرِ زمیندار — اے نازشِ قوم و فخرِ اقران

اے روحِ رواں جمعِ احباب — اے چشم و چراغِ بزمِ اخوان

اے دین کے امتحاں میں جانباز — اے نصرتِ حق میں تیغِ عریاں

اے صدق و صفا کی زندہ تصویر — اے شیر دل اے ظفر علی خاں

قدرت نے بھرے تھے تجھ میں جو گن — جب تک وہ رہے نظر سے پنہاں

فوقیت و برتری پہ تیری — قائم کوئی ہو سکی نہ برہاں

ہر وقت کی تاک میں برابر — ہمت تری گن رہی تھی گھڑیاں

بلقان و طرابلس میں ناگاہ — اٹھا ستم و جفا کا طوفاں

ہمدردیِ اہلِ دیں نے آخر — جوہر ترے کر دیئے نمایاں

جمعیت و صبر کا سراسر | دامن ہوا چاک تا گریباں
پہلے وہ بشکل سیل آتش | دل میں تھے جو شرر تھے پنہاں
ڈالا یہ نئی پکار نے غل | جی اٹھے وہ مردے جو تھے بیجاں
جو دل غم قوم سے تھے بے حس | چلنے لگی اُن دلوں پہ چھریاں
وہ بن گئے آپ اپنے رہزن | جو مال کے اپنے تھے نگہباں
اسلام کی سمجھے اب صداقت | جو نام کے تھے فقط مسلماں
ہاں اس میں نہیں مبالغہ کچھ | سنتا بھی ہے اے ظفر علی خاں
نازاں ہے وہ درسگاہ تجھ پر | تعلیم پہ جس کی تو ہے نازاں
کاش ایسے جنے سدا وہ فرزند | جو قوم کے درد کے ہوں درماں
سوز غم دین حق سے جن کے | سینے ہوں کباب دل ہوں بریاں
جو ملک و وطن کے ہوں فدائی | جو قوم کے نام پہ ہوں قرباں
مشرق میں ہوں اُن کے دل بیچین | مغرب میں سنیں جو رنج اخواں
پنجاب کو تجھ پہ ہو اگر فخر | ہے اسکو یہ فخر و ناز شایاں

زندہ ہے وہ ملک اور ملت
ہوں زندہ دل ایسے جس میں انساں

رب العالمین

بنائے اپنی حکمت سے زمین و آسماں تو نے
دکھائے اپنی قدرت کے ہمیں کیا کیا نشاں تو نے

تری صنعت کے سانچے میں ڈھلا ہے پیکر ہستی
سمویا اپنے ہاتھوں سے مزاج جسم و جاں تو نے

نہیں موقوف خلاقی تری اس ایک دنیا پر
کئے ہیں ایسے ایسے سینکڑوں پیدا جہاں تو نے

ترے ادراک میں ہے عقل حیراں اور سرگرداں
ہمیں چکر میں ڈالا بخش کر وہم و گماں تو نے

بہار عارض گل سے لگا کر آگ گلشن میں
طیور صبح خواں کو کر دیا آتش بجاں تو نے

جوانی میں جسے بخشی دل آرائی و رعنائی
بڑھاپے میں اسی عارض پہ ڈالیں جھریاں تو نے

کسی کو تا کہ اپنی سربلندی پہ نہ غرہ ہو
ازل سے کی نگوں ساری نصیب آسماں تو نے

دلوں کو معرفت کے نور سے تو نے کیا روشن
دکھایا بے نشاں ہو کر ہمیں اپنا نشاں تو نے

نہ ہوتی گر خودی ہم میں تو جو تو تھا وہی ہم تھے
یہ پردہ کس لئے ڈالا ہے یارب درمیاں تو نے

بلا طاعت بھی ہم بندے ترے تھے پھر پرستش کی
ہمارے پاؤں میں کیوں ڈال دی ہیں بیڑیاں تو نے

کشائش عقدۂ زلف چلیپا کی جو مشکل تھی
لیا کیوں دل سے پھر دار و رسن کا امتحاں تو نے

ہم اب سمجھے کہ شاہنشاہ ملک لامکاں ہے تو
بنایا اک بشر کو سرور کون و مکاں تو نے

محمدؐ مصطفےٰ کی رحمۃ اللعالمینی سے
بڑھائی یا رب اپنے لطف اور احساں کی شاں تو نے

نمک پروردہ تیری شرم کی ہیں لغزشیں میری
گنہ بخشے ہیں میرے ہو کے اکثر مہرباں تو نے

حرم اور دیر میں بازار تیرا گرم رہتا ہے
ہر اک بستی میں کر رکھی ہے قائم اک دکاں تو نے

چلے ہم نقد عصیاں لے کے آمرزش کے سودے کو
کہ نرخ اس جنس کا کچھ بھی نہیں ہے کیا گراں تو نے

اثر تیری عطاؤں پر نہیں پڑتا خطاؤں کا
جسے پیدا کیا اس کو دیا ہے آب و ناں تو نے

دیا اپنے کرم سے ریزہ مور ناتواں کو بھی
لگائے گر سلیماں کیلئے نعمت کے خواں تو نے

ترے دربار سے مجھ کو بھی انعام کیا کم ہے
کیا اپنی ستائش میں مجھے رطب اللساں تو نے

مئے لا تقنطوا کے نشے میں سرشار رہنا ہو
سیہ مستوں کو بخشی ہے حیات جاوداں تو نے

خمستانِ ازل کا ساقی

پہنچتا ہے ہر اک میکش کے آگے دورِ جام اس کا
کسی کو تشنہ لب رکھتا نہیں ہے لطفِ عام اس کا

گواہی دے رہی ہے اس کی یکتائی پہ ذات اس کی
دوئی کے نقش سب جھوٹے ہیں سچا ایک نام اس کا

ہر اک ذرہ فضا کا داستاں اس کی سناتا ہے
ہر اک جھونکا ہوا کا آ کے دیتا ہے پیام اس کا

نظام اپنا لیے پھرتا ہے کیا خورشیدِ نور افشاں
ہزاروں ایسی دنیاؤں کو شامل ہے نظام اس کا

میں اس کو کعبہ و بت خانہ میں کیوں ڈھونڈنے نکلوں
مرے ٹوٹے ہوئے دل ہی کے اندر ہے مقام اس کا

سراپا معصیت میں ہوں سراپا مغفرت وہ ہے
خطا کوشی روش میری خطا پوشی ہے کام اس کا

مری افتادگی بھی میرے حق میں اُس کی رحمت تھی
کہ گرتے گرتے بھی مَیں نے لیا دامن ہے تھام اُس کا
وہ خود بھی بے نشاں ہے زخم بھی ہیں بے نشاں اُس کے
دیا ہے اُس نے جو چرکا نہیں ہے التیام اُس کا
عبودیت کو بھی کیا کیا مدارج اُس نے بخشے ہیں
جہاں میں بن کے آتا ہے رسُول اُس کا غلام اُس کا
ہوئی ختم اُس کی حجت اس زمیں کے بسنے والوں پہ
کہ پہنچا یا ہے ان سب تک محمدؐ نے کلام اُس کا
بجھانے ہی پہ ہے پھونکوں سے کافر اس کو رہ رہ کر
مگر نور اپنی ساعت پہ رہا ہو کر تمام اُس کا
نہ جا اُس کے تحمل پر کہ ہے بے ڈھب گرفت اُس کی
ڈر اُس کی دیر گیری سے کہ ہے سخت انتقام اُس کا

نوائے سروش

سپیدۂ دم کہ ہوائیں سحر بہ یک ساز انام
سنا سروش سے فَلْيَعْبُدُوا کا میں نے پیام

کیا خلوص سے میں نے جبینِ طاعت کو
رہینِ بارگہِ ذوالجلال والاکرام

ہوا میں صرفِ طوافِ حریمِ ذکرِ اللہ
نیاز و عجز و نیایش کا باندھ کر احرام

رواقِ دل میں ہوئی شمعِ معرفت روشن
چمک اٹھے مرے قصرِ شعور کے در و بام

دکھایا پیکِ نگہ نے سوادِ عالمِ نور
کہ اعتدال پہ تھا نفس اور اس کا قوام

خمارِ بادۂ پندار سر سے دور ہوا
مجھے مرے نظر آنے لگے عیوب تمام

نقابِ چہرۂ دل بیخودی نے اٹھا تھا
بنی تھی آئنۂ جاں لطافتِ اندام

قویٰ بھی میرے کام اپنا اپنا دینے لگے
کہ آ گیا تھا مرے بس میں نفسِ نافرجام

کھلا تھا مجھ پہ درِ سینۂ بینشِ ثانی
بسا تھا گلشنِ عرفاں کی بو سے میرا مشام

فضائے قدس میں تھا جمگھٹا فرشتوں کا
ٹُلے درست کیا جن کو میں نے جھک کے سلام

جلال و طنطنہ اس بزم کا بیاں کیا ہو
کہ زہرہ اس میں کنیزک تھی اور زحل تھا غلام

مئے الست کا محفل میں چل رہا تھا دور
چھلک رہی تھی صراحی چھلک رہا تھا جام

لکھا یہ تھا ابتدا میں توحید کا ۔ مٹایا روح کے نیرِ [illegible] جس نے زنگ ظلام

یہ نغمہ ہائے نشاط آفرین و شور انگیز ۔ سنے جو میں نے تو جاتا رہا مرا آرام

غریو و ولولۂ حمد حضرت باری ۔ مرے بھی دل میں بپا ہو گیا جوش تمام

کہیں گے اہل سخن جہل و عجب سے تعبیر ۔ قلم اٹھانے کا بھونڈے سے بھی جو ہوں میں نام

اس امتحاں میں کہ جس میں گئے ہوں توڑ قلم ۔ ظہیر و غالب و فیضی و سعدی و خیام

مگر یہ سوچ کے بڑھتا ہے حوصلہ دل کا ۔ یہاں تو ہے کف نیت میں ہر عمل کی زمام

یہ آستانہ ہے ایسا جہاں گڈریئے کو ۔ ملا ہے حضرت موسیٰ سے کچھ سوا انعام

ٹٹولتے ہیں یہاں حال گوشۂ دل ۔ یہاں نہیں ہے حکایات سے اور قال سے کام

عجب نہیں کہ شرف خلعت قبول کا پائے

مری یہ ہرزہ درائی مرا یہ سادہ کلام

حمد ذوالجلال

شہنشہوں کے شہنشہ خدایگان انام
خدائے جل و علا ذوالجلال والاکرام

ہر ایک چیز ہے ممکن مگر نہیں ممکن
کہ تیری حمد کا اک شمہ ہو سکے ارقام

جلیں قیاس کے پر قصد اگر کرے اس کا
تری صفات سے ہے اس قدر بعید افہام

طلوع صبح ازل سے ترا قدیم خلود
غروب شام ابد سے ترا مدید قیام

نہ جاننا ترا رکھتا ہے حکم جاننے کا
یقیں سے مرتبہ رکھتا سوا ہے یہ ابہام

بکبر شان تری کفر و بت پرستی ہے
نہ وجہ کبر و تفاخر ترے لئے اسلام

نہیں ہم اس کے ہیں قائل کہ لامکاں میں ہے تو
ہے اپنے بندوں کے ٹوٹے دلوں میں تیرا مقام

تری نظر میں ہیں شیخ اور برہمن یکساں
تری صلائے کرم ہے زمانہ کے لئے عام

بشر کو غرہ اگر ہے تری خلافت پہ
تو نحل کو بھی ہے وجہ شرف ترا الہام

مکیں ہے ایک مکاں ہیں کئی، الٰہی تو
خدا ہے اہل حرم کا تو اہل دیر کا رام

ہے جلوہ گاہ تری صنعتوں کا پردۂ ارض
کرشمہ ہے تری قدرت کا چرخ نیلی فام

نظر فلک پہ اگر ڈالئے ذرا تو ہمیں
دکھائے شعبدہ بازئ لیالی و ایام کام

نجوم اس سمر کی بے حساب ہیں فضا میں
شموس بازغہ کے زائد از شمار نظام

نہیں سمجھنے کی کوشش میں آج کے ہمارے
فلاسفہ بھی نہیں مثل عوام کالانعام

نگاہِ عقل ہوئی خیرہ جن کی عظمت سے
پہنچا خیال بھی جن کی حدود سے ناکام

قیاس کر لو اسی سے کہ خود وہ کیا ہوگا
مظاہر ایسے ہیں جس کے ہے جس کا ایسا کام

زمیں کے صحن پہ دوڑائیے اگر اُس کو
تو پھر بھی وہ تھم رہ جائے چل کے چند ہی گام

ادا شناس نے پوچھا ہے سچ کہ لالہ و گل
کہاں سے آئے ہیں کیا ہے نسیم کیا ہے غمام

حقیقتِ شکنِ زلفِ عنبریں کیا ہے
دیا ہے کیا نگہِ چشمِ سرمہ سا نے پیام

نتیجہ یہ کہ خدایا تری خدائی میں
سمندِ فکرِ رسا ہے مثل کرۂ خام

مجال چون و چرا کی تری حضوری میں
نہیں کسی کو وہ جاہل ہو یا کہ ہو علّام

ہو الاوّل و ہو الآخر

زباں ہے وقفِ ثنائے خدائے عزّ و جل — خدا ہی ہے جو یہ عقدہ ہو نورِ نطق سے حل

نہ نثر ہی کا سلیقہ نہ نظم ہی کا شعور — نہیں سنائیِ ثانی نہ ہمسرِ اخطل!

سخنوری سے نہیں ہے مجھے کوئی سروکار — نہ لکھ سکوں میں قصیدہ نہ کہہ سکوں میں غزل

خود اپنی قدر سے میں بے خبر نہیں کہ مجھے — ہے یاد اچھی طرح سے ایاز والی مثل

یہی سبب ہے کہ جب قصدِ حمد میں نے کیا — قلم گیا ہے ٹھہر اور زباں گئی ہے مچل

نرالی سب سے ہے لیکن یہ انجمن کہ یہاں — بھری سبوچۂ نیت میں ہے شرابِ عمل

پسند آئی ہے لکنت یہاں بسا اوقات — گیا ہے پاؤں فصاحت کا بار بار پھسل

اسی خیال سے تو بہرِ عرضِ سجدۂ شکر — سرِ روشِ خامہ اگر سر کے بل چلا ہے تو چل

خدائے واحد و قہار لاشریک لہ — ہو القدیر ہو الآخر و ہو الاوّل

ہے سورج اُس کی عنایت سے ذرّۂ ناچیز — ہے پربت اُس کی توجہ سے دانۂ خردل

قدم سے ہے متقدم اُسے حدوثِ وجود — ابد سے ہے متأخر اُسے مرورِ ازل

خدا کی ذات ہے دریا تو قطرہ کون و مکاں ۔۔۔ اگر ہے عین مفصل تو ہے اثر مجمل

چمک چمک کے شہادت خدا کی دیتے ہیں ۔۔۔ عطارد و قمر و شمس و مشتری و زحل

ازل کی صبح سے سب بے وقفہ چل رہے ہیں یونہی ۔۔۔ خدا کے ایک اشارہ پہ کائنات کی کل

نظام دہر میں تحریف ہو نہیں سکتی ۔۔۔ محال ہے کہ ہو اس قاعدہ میں رد و بدل

یہ منتہائے نظر نام ہے فلک جس کا ۔۔۔ ازل سے ڈالے ہے کاندھے پہ نیلگوں کمبل

یہ چشمہ نور کا کہتے ہیں آفتاب جسے ۔۔۔ ہمیشہ سے اسی انداز پر رہا ہے ابل

نشانیاں ہیں یہ ایسی کہ ذات باری کے ۔۔۔ ثبوت میں انہیں سمجھیں گے قول ہم فیصل

طلب کرے کوئی اس سے بھی گر زیادہ ثبوت ۔۔۔ تو ہم کہیں گے کہ اس کے حواس ہیں مختل

سراغ ڈھونڈنے اس کا چلی ہے عقل ضعیف ۔۔۔ یہ خوف ہے کہیں ایماں میں آ نہ جائے خلل

وجود علت اولی سے بحث تو جب ہو ۔۔۔ کہ ہو یہ عقل (جو معلول ہے) محیط علل

نہیں ہے ذات زبونی کش ثبوت صفات ۔۔۔ عرض کے رنگ سے خالی ہے جوہر اکمل

مذاق تلخی و شیرینی اعتباری ہے ۔۔۔ مریض کے لئے ہوتا ہے انگبیں حنظل

فروغ حسن سے اپنے جناب باری نے ۔۔۔ جلائی محفل ہستی میں روح کی مشعل

وہ روح جو ہوئی مجبور بھی مخیر بھی ۔۔۔ کبھی فلک پہ ہے جس کا کبھی زمیں پہ عمل

صعود میں ہوئی عرش بریں سے بھی اعلیٰ ۔۔۔ ہبوط میں ہوئی گاو زمیں سے بھی اسفل

اگر ہو خیر پہ مائل فرشتہ سے اشرف ۔۔۔ کرے جو شر سے گرایش تو ہو یہ سب سے ارذل

علو مرتبہ کو جس کے ناز ہے اس پہ — کہ زینت اس کی ہوئی ذات احمدِ مرسل

وہ ذات پاک نبی جو خلاصۂ مقدور — خدا کے بعد ہوئی کائنات میں افضل

بہار باغِ رسالت کی آمد آمد ہے — خدائے پاک کی رحمت کے چھائے ہیں بادل

عرب سے اٹھ کے زمانہ پہ یہ گھٹا برسی — درخت سبز ہوئے پھوٹنے لگی کونپل

جہان و اہل جہاں کی پلٹ گئی کایا — کھلا دریچۂ رحمت کھلے دلوں کے کنول

حضورِ سرورِ کون و مکاں کو لازم ہے — کہ دیجے نذر تحیات احسن و اکمل

بشر کہ اس کو خدا نے کہا ظلوم و جہول — بنا ہے ان کے تصدق میں اعلم و اعدل

نتیجہ تھا یہ رسولِ خدا کی غیرت کا — حرم سے چشم زدن میں اٹھا بتوں کا عمل

کرشمہ سنجِ محمد ہوئے تو ٹوٹ گیا — طلسم نائلہ جبت و نسر و لات و ہبل

بجا زمانہ میں نقارخانۂ وحدت کا — خدا کے نام سے گونجا سواد دشت و جبل

جہاں میں ملتِ بیضا کی روشنی پھیلی — نکال جس نے دیئے ساری ظلمتوں کے بل

نبی نے درسِ تمدن دیا زمانے کو — بتایا راز اخوت بشر کو سب سے پہل

علم محبت و اخلاق کا بلند ہوا — کیا رسول نے ملک نفاق مستاصل

عطا ہوئی ہمیں دنیا بھی دین کے ہمراہ — لگے تھے فقر کی ڈالی میں سلطنت کے پھل

وہ بخشوانے ہمیں آئیں گے قیامت میں — اگرچہ قابل بخشش نہیں ہمارے عمل

فقط یہ بات کہ ہم ان کے نام لیوا ہیں — کرے گی امت عاصی کی مشکلات کو حل

اپریل ۱۹۰۷ء

آوازۂ حق

(۱)

ہم کو دیا پیغام عرب نے ایک خدا اور ایک رسول
اب نہیں ایسی کوئی دعا جو آتے ہی لب پر ہو نہ قبول

نام ہے ایک اللہ کا سچا باقی باطل سب معبود
مختصر اس قصہ کو سمجھئے ناحق اس کو نہ دیجئے طول

اُس کے سمجھنے کے لئے دل میں ہونا چاہئے ذوق سلیم
اُس کی حقیقت وہ نہیں جس کو جان سکیں افہام و عقول

مجھ کو بتا دو کوئی خدارا قطرہ کہاں اور بحر کہاں
کب یہ سنا اور کیونکر یہ ہے ممکن بندے میں ہو خدا کا حلول

جس نے ہو الکل اُس کو بتایا اُس سے خدا بیزار ہوا
اِنَّ اللّٰہَ غَنِیٌّ عَنْکُمْ اَمْرُ اللّٰہِ ھُوَ الْمَفْعُوْل

مجلس کے آداب میں باقی عہد کہن کا رنگ نہیں
اب نہ وہ انداز ہی حسن اور نہ وہ طرز قال اقول

جیسے حکیم ہیں ویسی امت بئس الاشرف و المشرف
جیسی روح ہے ویسے فرشتے خبثی الفاضل المفضول

فلسفۂ اشراق یہی ہے اور ہے اس کی شرح یہی
آپ ہی خون شرع کریں اور آپ ہی کہلائیں مقتول

میرے قلم کے توڑنے والے وہ ہیں جنہیں ہے دعویٰ دیں
ساتھ ہی جن کی ہے یہ تمنا سیف ہند ہو مسلول

شان خدائے عز و جل ہے بن گئے وہ بھی جادہ شناس
جن کی روش ہے اوٹ پٹانگ اور جن کی روش ہے اول جلول

خانہ بر اندازان چمن سے ہم فقط اتنا پوچھتے ہیں
باغ میں صاحب رہنے بھی دینگے آپ کوئی پھل اور کوئی پھول

زاغ و زغن سے آپ کو الفت بلبل و قمری سے ہے عناد
سر دلبر جو گوہر ہے شکایت اس کی جگہ لیتا ہے ببول

ایک کبھی ہو ہی نہیں سکتے کور اور بینا ظل و حرور
کرتے ہیں جو قرآں کی تلاوت کیوں گئے وہ اس قول کو بھول

ٹھاٹھیں مار رہا ہے سمندر اور ہیں موجیں برقِ بلا
ہونے لگا ہے ساتھ ہی لیکن رحمتِ باری کا بھی نزول

دیر سے ہم ساحل پہ کھڑے تھے اور ہمہ تن تھے چشم براہ
دور سے اک کشتی نظر آئی اور بلند اس کا مستول

چھٹ گئے بادل گھٹ گیا طوفاں چھپ گئی ظلمت کٹ گئی رات
حاملِ زورق احمدؐ مرسل ملتِ بیضا ہے محمول

(۴)

منتظرانِ حق کے لئے پھر کحلِ بصر اسلام بنا
باغِ نبیؐ میں آگئی رونق دیدۂ نرگس ہے مکحول

نورِ امانت پھیل چلا ہے روشن ہوگئے دیر و حرم
اب وہی ہستی بن گئی مسلم کل تک تھی جو ظلوم جہول

فرش پہ ہے اسلام کا نقشہ عرش پہ ہے اسلام کا رنگ
شش جہت اس میں آگئے سارے دائرہ ہے یہ خوش طول

عیب کجا اسلام کہاں اس سیف میں زنگِ ظلام کہاں
عیب ہے مسلم میں تو یہی ہے انّ الصّارم فیہ فلول

یا تو قرآں کی کوئی آیت یا ہو نبی کی کوئی حدیث
بات اسی صورت میں بنے گی یا معقول ہو یا منقول

صبح کی ساعت آئی ہوئی ہے سجدے میں گر کر مانگ دعا
رحمت سر پہ آئی کھڑی ہے مسلم کیوں ہوتا ہے ملول

بگڑی ہوئی بن جائیگی تیری کام سنور جائینگے تیرے
مضطرب اتنا کس لئے تو ہے بیٹھ ہی جائیگی چول سے چول

دست سعادت کی بھی رسائی دیکھئے ہوتی ہے کہ نہیں
طرۂ اسلام آج بصیرت کو نظر آتا ہے مقتول

سب سے بڑا انعام یہی ہے خدمت دین کی ہو توفیق
کام مسلمانوں کے جو آیا بس وہی مسلم ہے مقبول

اک مسئلہ پر غور کیا کہ یہی ہے رازِ فوزِ عظیم
بن گئیں اس نکتہ کو سمجھ کر جنت کی خاتون بتولؓ

کام رکھ اپنے کام سے مسلم خود اللہ تعالیٰ ہے وکیل
مزد سے بالا ہو تری خدمت طاعت حق میں ہو مشغول

مجھ کو رسول اللہ کی الفت لطف خدا سے مل ہی گئی
اے دل ناداں اس سے زیادہ تجھ کو ہوس دولت کا حصول
نَاشِئَۃَ اللَّیل آج سے دیگا میری روح کو نشو و نما
اَقْوَمُ قِیلاً آج سے ہوگا میری اقامت کا معمول
دین بھی ہو جائے مجھے حاصل دنیا کی بھی مراد ملے
گوشۂ چشم عنایت مجھ پر ہو جو پیمبر کا مبذول
آنکھ اٹھا کر بھی نہ میں دیکھوں خیر کثیر کوثر کو
سرور عالم گر فرمالیں نذر مختصر میری قبول

۱۹۱۶ء

تمنّائیں

الٰہی برق غیرت کی تڑپ مجھ کو عطا کر دے
مجھ آتش زیر پا کو ساتھ ہی آتش نوا کر دے
میری تقریر سحر آلود میں کر وہ اثر پیدا
کہ اہل درد کے حلقوں میں اک محشر بپا کر دے
دیا ہے علم اگر تو نے تو ساتھ اسکے عمل بھی ہو
کہ شرح لَیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی کر دے
بتا دوں گا کہ خاک ہند یوں اکسیر بنتی ہے
میری پلکوں کو جاروب حریم مصطفٰے کر دے

تمہارا قافلہ کچھ لٹ چکا اور کچھ ہے لٹنے کو
رسول اللہ کو اس کی خبر باد صبا کر دے

جو مسلم ہے تو جان ناموس ملت پر فدا کر دے
خدا کا قرض اور اس کے نبی کا قرض ادا کر دے

بھری محفل میں لا سکتا نہ ہو گر کفر تاب اسکی
تو زندان ہی میں جا کر روشن ایمان کا دیا کر دے

شہادت کی تمنا ہو تو انگریزی حکومت پر
کسی مجلس کے اندر نکتہ چینی بر ملا کر دے

ضرورت ہے اب اس ایجاد کی دانائے مغرب کو
جو اہل ہند کے تن کو چولی سے جدا کر دے

نکل آنے کو ہے سورج کہ مشرق میں اجالا ہے
برس جانے کو ہے بادل کہ گلشن کو ہرا کر دے

قفس کی تیلیوں پر آشیاں کا کاٹ کر چکر
فلک سے گر پڑے بجلی کہ بلبل کو رہا کر دے

یہ ہے پہچان خاصان خدا کی ہر زمانے میں
کہ خوش ہو کر خدا ان کو گرفتار بلا کر دے

مقام حیرت

مرے کس کام میری دانش مشکلکشا آئی
سمجھ تیری ذرا مجھ کو نہ اے میرے خدا آئی

زمیں میں آسماں میں چاند میں سورج میں تاروں میں
نظر صوفی کو اور عارف کو شان کبریا آئی

مگر جب عقل نے چاہا کرے حل اس معمے کو
نعم کے ساتھ پیش اس کو ہمیشہ شق لا آئی

یہ وہ ہے جو در میخانۂ علم حصولی پہ
گئی اور بادۂ حکمت کے خم کے خم لنڈھا آئی

تصور میں بھی چھو سکتے نہ تھے ہم جس کے دامن کو
یہ کھول اُس دلربا کا عقدۂ بند قبا آئی

کبھی تاکا فلک اس نے کبھی چھانی زمیں اسنے
کبھی پہنچی ثریا پر کبھی سوئے ثریٰ آئی

کیا اس نے مسخر آب و خاک و باد و آتش کو
نظر چاروں طرف پھیلی ہوئی اس کی ضیا آئی

کیا یہ سب کچھ اس نے پر جو ڈھونڈا جا کے خالق کو
تو جو کچھ لے گئی ساتھ اس کو بھی گنوا آئی

چمکتا نیر اعظم نہ ہم پہ گر رسالت کا
خرد سے مرتبہ کچھ بھی نہ کم ہوتا جہالت کا

لیس کمثلہ شئ

وہ جس کی شان ہے لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَئ — چھپا بھی ہے تو سراپردۂ ظہور میں ہے
بہ رنگ دور قمر جلوہ اُس کی قدرت کا — کبھی سنین میں ہے اور کبھی شہور میں ہے
کبھی کبھی ہے وہ اوج شعیر پہ تاباں — کبھی کبھی وہ خراماں سواد بلور میں ہے
کہیں فسانہ وہ یعقوب کا ہے کنعاں میں — کہیں ترانہ وہ داؤد کا زبور میں ہے
شرار جستہ کی شکل اُس کے وہم کا پرتو — تڑپ رہا مری خاکستر شعور میں ہے

جو اُس کو صورت اصلی میں دیکھنا چاہو
محمدؐ عربی کی جبیں کے نور میں ہے

پردہ دارِ پردہ در

پردہ میں شان رہ نہ سکی مستتر تری — یارب ہر اک طرف ہے ضیا جلوہ گر تری

نازاں ہوں اپنے اس دلِ دیوانہ پر جسے — مل ہی گئی کسی نہ کسی ڈھب خبر تری

اس کشمکش میں دیکھئے ہو کامیاب کون — میرے گناہ ادھر ہیں تو رحمت اُدھر تری

آلودۂ عتاب سہی پر زہے نصیب — محفل میں مجھ پہ پڑ تو رہی ہے نظر تری

مجرم اگر ہوں میں تجھے تو بھی قصور وار
پہلے ہی دن سے کیوں ہے روش درگزر تری

فریاد

خدایا تیرے گھر کی خاک اڑائی جا رہی کیوں ہے
قیامت وقت سے پہلے ہی آئی جا رہی کیوں ہے

بجائی جا رہی ہے اینٹ سے کیوں اینٹ کعبہ کی
خلیل اللہ کی بنیاد ڈھائی جا رہی کیوں ہے

جہاں آٹھوں پہر توحید کا نقارہ بجتا تھا
وہاں تثلیث کی گھنٹی بجائی جا رہی کیوں ہے

حرم سے پاسبانی جس کی یارب تجھ پہ لازم ہے
فرشتوں کی محافظ فوج اٹھائی جا رہی کیوں ہے

اڑائے جا رہے ہیں کس لئے پرزے خلافت کے
رسول اللہ کی دولت لٹائی جا رہی کیوں ہے

گر اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَام آج بھی سچ ہے
تو پھر اسلام پر آفت یہ لائی جا رہی کیوں ہے

وہ تیغ اعدا کے سر پر جس کو بجلی بن کے گرنا تھا
ہماری گردنوں پر آزمائی جا رہی کیوں ہے

خدا کے نام پر مر مٹنے والوں کی صف ماتم
یلبارا اور سمرنا میں بچھائی جا رہی کیوں ہے

پرستش تیری اب بھی فرض ہے گر ابن آدم پر
رسول اللہ کی امت مٹائی جا رہی کیوں ہے

یہ مانا رحمتیں تیری ہیں شامل دشمنوں کو بھی
مگر یہ قوم یوں سر پر چڑھائی جا رہی کیوں ہے

پتنگ ابلیس کا تارا ہوا جاتا ہے گردوں کا
خدایا اس کو ڈور اتنی پلائی جا رہی کیوں ہے

تیری غیرت کی بجلی تلملاتی کیوں نہیں یارب
حریفوں کو جلال اپنا دکھاتی کیوں نہیں یارب

وسعتِ آرزو

خدا اسلام کی دولت اگر دے
تو دامن بھی فراخ اتنا ہی کر دے

اگر ذوقِ مئے آشامی دیا ہے
تو ساغر بادۂ یثرب سے بھر دے

بھرے سارے جہاں کا درد جس میں
اگر پہلو کو تکلیفِ جگر دے

غرض جو کچھ بھی دے اسلامیوں کو
بقدرِ رحمتِ خیر البشر دے

عجم جس کا ہو آنگن اور عرب چھت
مسلمانوں کے بسنے کو وہ گھر دے

میدانِ عرفات میں میری مُناجات

بدرگاہ باری عزّ اسمہ

تجھ پہ ابراہیموں کا حق ہے پہلے سے سوا
نار کو پھر نور کر گلخن کو پھر گلزار کر

صدقہ اپنی کارسازی کا بنا بگڑی مری
میں ہوں بے کار اے مرے مولا مجھے باکار کر

پھر لگایا ربّ میرے دل میں وہ اگلی سی لگن — میرے سر کو جذبۂ توحید سے سرشار کر

تلخیاں جتنی زمانہ کی ہیں سب سہنی سکھا — جانِ شیریں کو حریفِ لذتِ آزار کر

سینکڑوں طوفاں ہیں پنہاں جس کی اک اک موج میں — اُس سمندر سے مسلمانوں کا بیڑا پار کر

جو سزا چاہے ہمیں دے کہ تو مختار ہے — لیکن اپنوں کو نہ غیروں کی نظر میں خوار کر

ہند کو بھی اے خدا قیدِ غلامی سے چھڑا
اپنے گھر کا ہم کو بھی مالک بنا مختار کر

مکہ مکرمہ ۲۵ مئی ۱۹۲۸ء

کلام اللہ

اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی جس کی شان میں آیا ہے — رحمتِ عالم ہو کے اک اُمّی اس مکتوب کو لایا ہے

منکشف اُس نے کر دیے سارے علم الاسما کے رموز — جن کو سمجھ کر خاک کے آگے قدسی نے سر نیوڑایا ہے

جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اس کی بابت آتے ہی — کفر کے برج سر بفلک پر پرچمِ دیں لہرایا ہے

اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا کہکے دیا ہے حق کو فروغ — ٹوٹ کے بے افسوں منہ کے بل جس نے لات و ہبل کو گرایا ہے

بُت کی خدائی بگڑی یکسر ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْب — بال کس سے نقشۂ توحید اُس نے نیا کھچوایا ہے

موت سے اُس نے زیست نکالی زیست کو آب و رنگ دیا
قطرے سے قلزم تہ سے گلشن پیدا کر کے دکھایا ہے،

دامن صحرا پہ بھی گماں تھا آنکھ کو دامن گلچیں کا
سارے جہان پر اُس نے جب اپنا ابر کرم برسایا ہے

جن کے مقدر میں تھی غلامی اُس نے انہیں آزاد کیا
نوع بشر کی لوح جبیں سے اُس نے یہ داغ مٹایا ہے،

ابیض و اسود و احمر و اصفر عالی و دانی خورد و بزرگ
سب کا بنا کر ایک ہی کنبہ ایک ہی گھر میں بسایا ہے

سطوتِ سنجر حشمتِ خاقاں صولتِ بہمن دولتِ جم
ملتی ہے کیونکر اُس نے یہ نکتہ دیدہ وروں کو سمجھایا ہے،

خم فلاطوں خشک پڑا ہے ساغرِ جم میں بوند نہیں
تا بہ ابد وہ جام چلیگا اُس نے جسے چھلکایا ہے،

کون و مکاں سے آج تک اس کا جلوہ سمیٹا جا نہ سکا
اک فقط انساں ہی کا ہے سینہ جس میں نور سمایا ہے،

اشعار نعت

و

استغاثہ ببارگاہ شاہ کونین

عرضِ حال بدرگاہ رب العزۃ

بتوسط حضور خواجہ دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم

اے کہ ترا جمال ہے زینتِ محفلِ حیات
دونوں جہاں کی رونقیں ہیں ترے حسن کی زکوٰۃ

تیری جبیں سے آشکار پرتوِ ذات کا فروغ
اور ترے کوچہ کا غبار سرمۂ چشمِ کائنات

بارگاہِ الست سے بخش دیئے گئے تجھے
سب ملکی تصرفات سب فلکی تجلیات

چہرہ کشا کرم ترا آفاق سے تا بہ قیرواں
لطف ترا کرشمہ سنج کعبہ سے تا بہ سومنات

تیرے سلام کیلئے گلشنِ قدس کے طیور
گھوم رہے ہیں ڈال ڈال جھوم رہے ہیں پات پات

دیکھتے ہی ترا جلال کفر کی صف الٹ گئی
جھک گئی گردنِ ہبل ٹوٹ گیا طلسمِ لات

انگلی کے اک اشارہ سے تو نے معاً بدل دیئے
ذہن کے سب تصورات قلب کے سب تاثرات

چون و چگونہ و چرا تا بعجب و تا بکے
حل کئے ایک بات میں تو نے یہ سب تری نکات

غیر کو خویش کر دیا نیش میں نوش بھر دیا
پل میں درست کر دیئے بگڑے ہوئے تعلقات

کیا ہی وہ انقلاب تھا ڈھل گئے جب اک ساتھ
لندن و پیرس و دمشق پیکن و دلی و ہرات

از سرِ نو کیا گیا دودۂ آدم ارجمند
اٹھ گئی قید خون و رنگ مٹ گیا فرقِ نسل و ذات

شانِ خدائے پاک تھی بشریوں کی سادگی　　جس پہ نثار ہوگئے سب عجمی تکلفات

تیری ثنا میں تر زباں ہوگیا جو میری طرح　　اُس کے قلم میں آگئی شانِ روانیٔ فرات

پست و بلند کے لئے عام ہیں تیری رحمتیں　　عرش سے اور فرش سے تجھ پہ سلام اور صلوٰۃ

اے کہ روان و ان ترا در دیں ہے بسا ہوا　　کس کو ترے سوا سنائیں جا کے ہم اپنی مشکلات

سر پہ اندھیری رات ہے گھر گئی ہے بھنور میں ناؤ　　موج بلا ہے تاک میں دور ہے ساحلِ نجات

تھام کے پایۂ عرش کا کرو بہ ادب یہ التجا　　"اے کہ ہے مبدءِ فیوض ایک فقط تری ہی ذات

بندے بھلے ہوں یا بُرے تو تو ہے اے خدا کریم　　قطع ہو کیوں کریم کا سلسلۂ نوازشات

مورد لطف خاص پر کس لئے آج یہ عتاب

ہم سے پھرا ہوا ہے کیوں گوشۂ چشمِ التفات"

زندانِ فرنگ۔ گجرات پنجاب

۱۰ جون سنہ ۱۹۳۰ء

اِنَّکَ اَنْتَ الْاَعْلٰی

خدا کے گھر سے نکل گئے بُت حرم کی رونق ہوئی دوبالا
بدل گئے دن پلٹ گئی رُت نبیؐ نے امت کا نام اچھالا

ہوائے جب وَالضُّحٰی کی چھوٹی تو سب نے اُس کی بہا لوٹی
کرن قمرِ اللّیل کی جو پھوٹی تو سارے جگ میں ہوا اجالا

چلے ہیں مکے سے جب یہ کہنے کہا یہ صدیقؓ سے نبیؐ نے
کیا جو رخ ثور کا کسی نے تو مکڑیاں پور دیں گی جالا

سوادِ یثرب میں گھومتا ہوں نبیؐ کی دہلیز چومتا ہوں
شرابِ حق پی کے جھومتا ہوں رہے سلامت پلانے والا

عجم ہے میرا عرب ہے میرا جہاں میں جو کچھ ہے سب ہے میرا
اگر مسلمان لقب ہے میرا تو بول ہوگا میرا ہی بالا

فریاد بحضور سرورِ کونین

اے خاورِ حجاز کے رخشندہ آفتاب — صبحِ ازل ہے تیری تجلی سے فیضیاب
زینت ازل کی ہے تو، رونق ابد کی تو — دونوں میں جلوہ ریز ہے تیرا ہی رنگ و آب
چوما ہے قدسیوں نے ترے آستانہ کو — تھامی ہے آسمان نے جھک کر تری رکاب
شایاں ہے تجھ کو سرورِ کونین کا لقب — نازاں ہے تجھ پہ رحمتِ دارین کا خطاب
برسا ہے شرق و غرب پہ ابرِ کرم ترا — آدم کی نسل پر ترے احساں ہیں بے حساب
پیدا ہوئی نہ تیری مواخات کی نظیر — لایا نہ کوئی تیری مساوات کا جواب
خیر البشر ہے تو تو ہے خیر الامم وہ قوم — جس کو ہے تیری ذاتِ گرامی سے انتساب
مغرب کی دستبرد سے مشرق ہوا تباہ — ایماں کا خانہ کفر کے ہاتھوں ہوا خراب
صد ہا ترے غلام نصاریٰ کی قید میں — دن زندگی کے کاٹ رہے ہیں بصد عذاب
پھر بھی ہے اُن کو لاج ترے نام پاک کی — پروانۂ حُسن پہ تصدق ہیں شیخ و شاب
ہے ان کے ایک ہاتھ میں سیفِ ید اللّٰہی — اور دوسرے میں تیری اُتاری ہوئی کتاب
یوں کفر کے ہجوم پہ گرتے ہیں ٹوٹ کر — شیطان پر آسماں سے گرے جس طرح شہاب

چہرے پہ زخم کھائے مگر منہ نہ پھر سکا، گلگونہ غدار ہے اندیشۂ عقاب

باور نہ تجھ کو آئے تو ہندوستاں میں آ اور دیکھ لے الٹ کے ملیبار کا نقاب

اے قبلہ دو عالم و اے کعبہ دو کون تیری دعا ہے حضرت باری میں مستجاب

شربت کے سبز پردے سے باہر نکال کر وہ تو دعا کے ہاتھ بصد کرب و اضطراب

حق سے یہ عرض کر کہ ترے نا سزا غلام

عقبیٰ میں سرخ رو ہوں تو دنیا میں کامیاب

صلوا علیہ و آلہ

وہ شمع اُجالا جس نے کیا چالیس برس تک غاروں میں
اک روز جھلکنے والی تھی سب دنیا کے درباروں میں

گر ارض و سما کی محفل میں لولاک لما کا شور نہ ہو
یہ رنگ نہ ہو گلزاروں میں یہ نور نہ ہو سیاروں میں

جو فلسفیوں سے کھل نہ سکا اور نکتہ وروں سے حل نہ ہوا
وہ راز اک کملی والے نے بتلا دیا چند اشاروں میں

وہ جنس نہیں ایمان جسے لے آئیں دکان فلسفہ سے
ڈھونڈے سے ملیگی عاقل کو یہ قرآں کے سیپاروں میں

ہیں کرنیں ایک ہی مشعل کی بوبکر و عمر عثمان و علی
ہم مرتبہ ہیں یاران نبی کچھ فرق نہیں ان چاروں میں

اگست ۱۹۱۰ء

رحمۃ للعالمین

وہ اٹھا خاک بطحا سے سعادت کا امیں ہو کر
علم بردار حق بنکر سپہ سالار دیں ہو کر

عرب کیواسطے رحمت عجم کیواسطے رحمت
وہ آیا لیکن آیا رَحْمَۃٌ لِّلْعٰلَمِیْن ہو کر

خدا نے اُس کو اپنے حسن کے سانچے میں ڈھالا ہے
چھپا ہے اس کا گھر تو نور صبح اولیں ہو کر

خدا پر تھا یقیں پہلے ہی لیکن اُس کا احساں ہے
کہ آنکھوں میں یقیں پر نے رنگا عین الیقیں ہو کر

اسی کا بے حساب احسان ہے ہم پر کہ صدیوں تک
رہا ہندوستان اسلام کے زیر نگیں ہو کر

نہ نکلی کوئی بات اُسکی زباں سے تا دمِ آخر
نہ نکلی ہو جو زیب نطق جبریل امیں ہو کر

خدا کی شان سے رونق ہے موجودات عالم کی
وہ سب نبیوں کے بعد آیا مگر کیا کیا نہیں ہو کر

نمک پروردہ اسکی شرم کے ہیں سب نبی میرے
وہ شرم آئی جو عقبیٰ میں شفیع المذنبیں ہو کر

دائم باڑی مدراس
۳۰ اگست [illegible]

نورِ حقیقت

عبث ناز کرتے ہیں ہم ابتدا پر
ہمیں دیکھنا چاہئے انتہا کو

عمل گر یہی ہیں تو ہم حشر کے دن
دکھائیں گے منہ جاکے کیا مصطفےٰ کو

وہ نورِ حقیقت رسولِ خدا نے
منور کیا جس سے غارِ حرا کو

چمکتا ہوا سارے مشرق میں پھیلا
کیا روشن اُس نے تمام ایشیا کو

پھر اس نے کیا مغربی کشوروں میں
جدا نقشِ وَاللَّیْل سے وَالضُّحٰی کو

ضلالت کی شب ہای غاسق کی ظلمت
نہیں میٹ سکتی ہے اس انجلا کو

۱۴ اپریل ۱۹۲۸ء

شبِ معراج

عشق مہماں ہوا حسن کے گھر آج کی رات — جذبۂ دل ہے بآغوشِ اثر آج کی رات

بخت بیدار نے دی دولتِ سرمد کی نوید — کیوں نہ آنکھوں میں کٹے تا بسحر آج کی رات

اپنے اللہ سے ملنے کیلئے جاتا ہے — اپنے اللہ کا منظورِ نظر آج کی رات

ماہ و انجم نے سرِ راہ بچھا دیں آنکھیں — کیونکہ ہے ناقۂ اسریٰ کا سفر آج کی رات

کہکشاں جلوہ فشاں ہے کہ اسی رستہ سے — ہونے والا ہے محمدؐ کا گزر آج کی رات

چاند کیا چیز ہے سورج کی حقیقت کیا ہے — پرتوِ نور سے روشن ہے نظر آج کی رات

اٹھ گیا چہرۂ ہستی سے نقابِ اسرار — لائی ہے رازِ امانت کی خبر آج کی رات

مل گئی دونوں جہاں کے خزانوں کی کلید
اپنے معراج کو پہنچا ہے بشر آج کی رات

۲۴ فروری ۱۹۲۵ء

التجا بحضورِ سرورِ کائنات

جاگ اے یثرب کے میٹھی نیند کے ماتے کہ آج
لٹ رہا ہے آنکھوں آنکھوں میں تیری امت کا راج

سر چھپانے کا ٹھکانہ بھی انہیں ملتا نہیں!
جن کی ہیبت سے چکی ہے ایک عالم سے خراج

تیرے بچے ہو رہے ہیں ساری دنیا میں ذلیل
کیا نہیں اے قبلۂ عالم تجھے بچوں کی لاج

ہم ہیں ننگے سر اٹھا لے شانِ عرب آنِ عجم
اور پہنا دے ہمیں پھر سطوتِ کبریٰ کا تاج

تشنہ کام ابنِ خلافت کو خود اپنے ہاتھ سے
بھر کے وہ ساغر پلا دے انگبیں جس کا مزاج

اب دوا سے کام کچھ چلتا نہیں بیمار کا
اب تو ہے تیری دعا ہی تیری امت کا علاج

۲۲ اپریل سنہ ۱۹۲۰ء

نذرِ مختصر بحضورِ خواجہ دو جہان سرورِ کون و مکان

محمد مصطفٰے احمد مجتبٰی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم

اے کہ تیرا ظہور ہے وجہِ نمودِ کائنات — اے کہ ترا فسانہ ہے زینتِ محفلِ حیات

اے کہ ہیں تیری ذات میں جمع زمانہ کی صفات — سب ملکی تصرفات سب فلکی تجلیات

ہم سے پھرا ہوا ہے کیوں گوشۂ چشمِ التفات

بادۂ معرفت سے جب تو نے بھرا خمِ الست — بزم میں آ کے جھک پڑے سارے جہاں کے مے پرست

تھا یہ عجیب انتظام تھا یہ عجیب بند و بست — ہو گئے مست ہوشیار بن گئے ہوشیار مست

ہم سے پھرا ہوا ہے کیوں گوشۂ چشمِ التفات

تیرے غلام ہو گئے سارے جہاں کے شہریار — سرورِ کائنات تو اور وہ زمیں کے تاجدار

صبحِ ازل سے ڈھونڈتی تھی جسے چشمِ انتظار — تیرے قدم کے فیض سے باغ میں آئی وہ بہار

ہم سے پھرا ہوا ہے کیوں گوشۂ چشمِ التفات

شرق ہے تجھ سے مستفیض غرب ہے تجھ سے فیضیاب — دونوں جہاں کی رحمتیں ہو گئیں تیری ہم رکاب

جو ترے در کی خاک تھے ہو گئے آسماں جناب — لطف ترا ہے بے شمار فیض ترا ہے بے حساب

ہم سے پھرا ہوا ہے کیوں گوشۂ چشمِ التفات

تیرے نوال میں نہاں مبدءِ بحر کا مآل ؛   تیرے کمال سے عیاں شانِ خدائے ذوالجلال

قدرتھی ہے بے مثال درس ترا ہے لازوال   نورک فوق کل نور نبلک اصوب الاکمال

ہم سے پھرا ہوا ہے کیوں گوشۂ چشمِ التفات

خلق ہوئی تھی منیت تیرے قدوم کیلئے   وضع ہوئی تھی معرفت تیرے علوم کیلئے

فیض نہ تھا ترا فقط قوم ظلوم کے لئے   بلکہ ترا خصوص تھا وقف عموم کیلئے

ہم سے پھرا ہوا ہے کیوں گوشۂ چشمِ التفات

گردن خلق ایک ساتھ جھک گئی رب کے سامنے   چون و چرا نہ چل سکا اصل سبب کے سامنے

گرد ہوئی ہے کیمیا خاک عرب کے سامنے   تونے یہ گنج شائگاں رکھ دیا سب کے سامنے

ہم سے پھرا ہوا ہے کیوں گوشۂ چشمِ التفات

چین سے تا بہ اندلس بادہ فروش تو ہی تھا   بادہ کشوں کے واسطے چشمۂ نوش تو ہی تھا

شاہد علم و فضل کا حلقۂ گوش تو ہی تھا   سارے جہان کے لئے دیدۂ ہوش تو ہی تھا

ہم سے پھرا ہوا ہے کیوں گوشۂ چشمِ التفات

سارے جہاں کی حکمتیں تیرے کلام پر نثار   سارے جہاں کی دولتیں تیرے نظام پر نثار

ہم تیری ذات پر فدا ہم تیرے نام پر نثار   تیری گلی میں ہوں مقیم تیرے مقام پر نثار

ہم سے پھرا ہوا ہے کیوں گوشۂ چشمِ التفات

عرضداشت امّت بحضور سرورِ کون و مکاں

اے نشانِ حجّتِ حق مظہرِ شانِ جلیل — تو نے کی تکمیلِ آئینِ مسیحا و خلیل

اولیں برہاں تری فرزندِ آذر کی دعا — اور نویدِ ابنِ مریم دوسری تیری دلیل

نقطۂ پرکارِ عشقِ کبریا تیرا جمال — تجھ کو اُس سے ہے محبت کیونکہ وہ خود ہے جمیل

تیری چشمِ مست کا صدیقِ اکبرؓ ہے خراب — تیری تیغِ ناز کا فاروقِ اعظمؓ ہے قتیل

ختم تجھ پر ہو گیا انسانِ کامل کا لقب — لا نہیں سکتے زمین و آسماں تیرا عدیل

بن گیا قرآن کی ہر ہر سطر ہر ہر لفظ میں — نطق تیرا شانۂ زلفِ پیامِ جبرئیل

تیری روشن زندگی کے کارنامے بن گئے — اہلِ ایماں کے لئے ہر مرحلے میں سنگِ میل

کر دیا تو نے قوامِ دین و دنیا مستقل — آخرش رہبانیت کی جڑ میں ٹھونکی تو نے کیل

لفظِ جنت قیدِ معنی سے رہا ہوتا اگر — تیری رحمت اہلِ عالم کی نہ ہو جاتی کفیل

حشر کے دن جن کو ملتا ساغرِ آبِ حمیم — تو نے پلوایا انہیں جامِ شرابِ سلسبیل

قوم بھی سرمنزلِ ہستی میں ہے مانندِ فرد — عمر قسّامِ ازل نے دی ہے دونوں کو قلیل

دیکھتے دونوں ہیں بچپن اور جوانی کی بہار — عہد پیری کاٹ کر جاتے ہیں سرگرم رحیل
مصر و یوناں لد گئے، روما و بابل مٹ گئے — کم جیا کوئی کسی نے زندگی پائی طویل
یا محمد تیری امت مٹ نہیں سکتی مگر — ہو نہیں سکتا فنا جس طرح آب رود نیل
لوح ہستی سے نہ ہوگا محو نقش اسلام کا — متفق ہیں اس حقیقت پر زمانے کے عقیل
جلوہ گر پائے گا ہم کو نت نئے انداز سے — رنگ بدلے خواہ کتنے ہی کیوں چرخ بخیل
دولت اور اقبال کر سکتے نہیں ہم سے ابا — آیت استخلاف کی ہے اپنے دعوی کی دلیل
امتیاز ملت و مشرب یہاں جائز نہیں — ہے لگی سب کے لئے کوثر کے ساقی کی سبیل

ہم ترے احکام پر جب تک عمل کرتے رہے — ہم کو ڈھونڈے سے نہ ملتا تھا کہیں اپنا مثیل
پرچم اسلام اک عالم پہ لہراتا رہا — مشوروں میں ہم تھے اقوام عالم کے دخیل
سطوت اسلام کے ماتھے پہ پڑتا تھا بل — سرکشوں کو ایک ساعت کی نہ مل سکتی تھی ڈھیل
جب چمکتا تھا ہمارا خنجر خارا شگاف — فتح و نصرت کو نہ ہوتی تھی مجال قال و قیل
مشرق و مغرب کے دفتر کو الٹ دیتے تھے ہم — اور ہمارے فیصلہ کی ہو نہ سکتی تھی اپیل

چھوڑ دی ہے جب سے لیکن ملت بیضا کی راہ — ہم مسلماں ہو گئے دنیا کی قوموں میں ذلیل
ہم کو آج آنکھیں دکھاتے ہیں ہمارے ریزہ چیں — بن گئے شہباز کل تک جن کو ہم سمجھے تھے چیل

ہم میں جو مفلس ہیں وہ زندہ ہیں لیکن مردہ وار ہم میں جو منعم ہیں وہ یا تو ہیں مسرف یا بخیل
گر شرافت اور نجابت کا ہو معیار اتقا ہم مسلمانوں میں کم ہیں جو نہ نکلیں گے رذیل

کس لئے ہے ہم پہ یورش یوں ہی دورِ آسماں جس طرح کعبہ پہ چڑھ کر آئے تھے اصحابِ فیل
ہم ابابیلوں سے لیکن کس لئے مانگیں مدد جب کہ تو خود ہے ہماری فتح و نصرت کی دلیل
تکیہ جس طاقت پہ ہم کو ہے وہ ہے تیری دعا جو کہ ہے مقبول درگاہ خداوند جلیل
تیرے روحانی تصرف نے کیا ہے جس طرح تندرست اس کو جسے مغرب سمجھتا تھا علیل
درفشاں اے ابرِ رحمت ہند پر بھی ہو یونہی تا کہ ہوں سیراب اس کشور کے بھی زرع و نخیل
علم کا ہم کو ہو شوق اور ہو عمل کا ہم کو ذوق قرنِ اول کے ہوں پیدا ہم میں اخلاقِ جمیل
ہم بھلے ہیں یا برے ہیں تیرے آخر ہیں غلام ہم کو ہم چشموں میں اے آقا نہ ہونے دے ذلیل

اے شفیع المذنبیں اے رحمۃ للعالمیں
اَنتَ کہفی اَنتَ ہادی اَنتَ لی نعم الدلیل

یکم فروری ۱۹۱۵ء

اسلامیانِ ہند کی فریاد بارگاہِ سرورِ کائنات میں

اے کہ تری نمود ہے غازۂ رُخِ کائنات
جلوہ فشاں ہیں ہر طرف تیری ہی سب تجلیات

قصد یہ کر رہا ہوں میں نعت تری قلم کُشا
کوزہ میں بھر رہا ہوں میں بائیہ دجلہ و فرات

نور ترا نہ چھیرتا گر افقِ شہود کو
ختم نہ ہوتی آج تک تیرگیٔ شبِ حیات

فرش ہیں تیرے ہمسے عرش ہیں تیری زمزمے
بھیج رہی ہے کائنات تجھ پہ سلام اور صلوٰۃ

ہیں عرب و عجم ترے دونوں پہ ہیں کرم ترے
تجھ سے حرم کی آبرو تیرے قدم میں سومنات

بت شکنوں میں آ گئی آذریوں کی بت گری
کرنے لگے خدا پرست بندگیٔ منات و لات

بھولے تھے بندے نام حق تو نے دیا پیامِ حق
جوڑ دیئے قدیم کے ٹوٹے ہوئے تعلقات

وہم و گمان میں بھی تھا ہند کے آسمان تلے
عالمِ پیر کا نیا سلسلۂ تغیرات

آہ وہ عہد ہے کہاں جس میں ہمارے واسطے
روز تو روزِ عید تھا اور تھی شب شبِ برات

آہ وہ باغ کیا ہوا بارہ مہینے کی بہار
ملتی تھی جس میں ڈال ڈال ملتی تھی جس میں پات پات

مرکزِ ثقل سے ستونِ شرع مبیں کا ہٹ گیا
خطرہ میں آ کے پڑ گیا دینِ قویم کا ثبات

ایک طرف ہیں ذات کی زہر بھری عداوتیں
ایک طرف ہیں نسل کے قہر بھرے تعصبات

حکمت و علم کا مطلب دینے لگا مریض کو
بے خبری و جہل کے بوقلموں مرکبات

عالم دیں فروش نے صوفی مکر کوش نے
دام ریا بچھا دیا اوڑھ لی دلق سیّات

سب سے زیادہ مستحق تیری توجہات کے
ہم ہیں کہ ہم پہ آپڑیں سارے جہاں کی مشکلات

تیری نگاہ مہرباں ہم کو ذریعۂ فلاح
تیری دعائے مستجاب ہم کو وسیلۂ نجات

دور فتادہ ہی سہی تیرے مگر غلام ہیں
ہم سے پھرا ہوا ہے کیوں گوشۂ چشم التفات

۵؍جنوری سنہ ۱۹۲۷ء

نذرِ عقیدت

حضورِ آقائے دوجہاں کی جناب میں

اے کہ آرائش ہماری داستاں کی تجھ سے ہے
اے کہ افزایش ہماری عز و شاں کی تجھ سے ہے

ملت بیضا کی رونق تیرے دم سے برقرار
تمکنت اس بے تجمل کارواں کی تجھ سے ہے

تیرے آب و رنگ سے رنگیں ہے ایراں کا چمن
جلوہ ریزی گلشن ہندوستاں کی تجھ سے ہے

[illegible] کو تیری نسبت سے ہوا حاصل کمال
خوں فشانی اس کے عزم افگن سناں کی تجھ سے ہے

ہے خمیر مایہ حسن عرب تیرا جمال
دلربائی نجد کے بانکے جواں کی تجھ سے ہے

دولت اک تیری کنیز اقبال اک تیرا غلام
شان دارائی امان اللہ خاں کی تجھ سے ہے

سایہ پرور تیری رحمت کا حرم بھی دیر بھی
سود اور بہبود بہمان و فلاں کی تجھ سے ہے

کفر اگر پرچم کشا ہے اس کے ہم ہیں ذمہ دار
سربلندی دین قیم کے نشاں کی تجھ سے ہے

امت مرحوم کے درد جگر کے چارہ ساز
ساری تاثیر اس کی فریاد و فغاں کی تجھ سے ہے

ساری دنیا بن گئی ہنگامہ زار کشت و خوں
کچھ اگر امید ہے امن و اماں کی تجھ سے ہے

اس ورق پر پرتو افگن ہے ترا سحر حلال
اور بہار اس خامہ معجز بیاں کی تجھ سے ہے

لاہور۔ ۱۳ر جنوری ۱۹۲۷ء

جشن میلاد نبویؐ

محمد مصطفےٰ گنج سعادت کے امیں تم ہو
شفیع المذنبیں ہو رحمۃ للعالمیں تم ہو

ہوئی تکمیل دیں تم سے کہ ختم المرسلیں تم ہو
رسالت ہے اگر انگشتری اس کے نگیں تم ہو

نہ ہوتے تم تو عرش و فرش کا نقشہ نہ جم سکتا
یہ دنیا اعتباری تھی حقیقت آفریں تم ہو

ادا کر دیا تم نے خدا کو ذمہ داری سے
کہ ختم حجت حق کی نشانی بالیقیں تم ہو

نمکدان خوان ہستی کا تمہارا حسن دلکش ہے
خدا جس پہ ہوئے سو جاں سے شیدا وہ حسیں تم ہو

اگر پروردگار انس و جاں کو ہم نے پہچانا
بلا شبہ و بلا شک اس کی وجہ اولیں تم ہو

دل شکستہ کو بھی اپنے اوپہ ناز ہیں کیا کیا
یہ وہ آئینہ ہے جس کے سکندر بالیقیں تم ہو

تمہاری یاد ہو جس دل میں ایسے دل کا کیا کہنا
مکاں ہوگا عجب ہی شان کا جس کے مکیں تم ہو

ہوئی کافور ظلمت کفر کی جس کی شعاعوں سے
زمانہ پہ یہ روشن ہے کہ وہ مہر مبیں تم ہو

نشان اِنَّا فَتَحنَا کا نہ ہو کیوں آشکارا جب
علم بردار حق تم ہو سپہ سالار دیں تم ہو

خدا کیونکر نہ کھینچے معصیت پر مغفرت کا خط
مسلماں مذنبیں ہیں اور شفیع المذنبیں تم ہو

ہوا اسلام کا شرمندۂ احساں جہاں سارا
ہر اک اقلیم پر برسا گئے دُر ثمیں تم ہو

لقب خیر الامم جس کو دیا تاریخ عالم نے
اس امت کے نگہباں اس زمانہ میں تمہیں تم ہو

مسلمانو! خدا کا فضل اس سے بڑھ کے کیا ہوگا
رسول اللہ کا خرمن ہے جس کے خوشہ چیں تم ہو

تمہارا عُروَةُ الوُثقیٰ ہے وَاعتَصِمُوا بِحَبلِ اللّٰہ
پھر اس رسی کو یارو تھام لیتے کیوں نہیں تم ہو

یہ صدقہ ہے اسی ابر کرم کی درفشانی کا!
کہ اب تک صاحب اکلیل و اورنگ و نگیں تم ہو

تمہارا نام ہے اب بھی بڑا دنیا کے حلقوں میں
ابھی تک گلشن دولت کے سرو راستیں تم ہو

اخوت کا سبق تم کو پڑھایا ہے پیمبر نے
مگر دل میں لیے پھرتے نفاق و بغض و کیں تم ہو

بھرا زہر ہلاہل سے جگر اور دل ہیں سر تا سر
مگر ہنس ہنس کے ٹپکاتے زباں سے انگبیں تم ہو

سمجھ رکھا ہے حرمت کو مرادف تم نے ذلت کا
مگر بھر بھر کے اڑاتے جام آب آتشیں تم ہو

اتروا دیں گے ملا بوٹ دروازہ پہ مسجد کے
خدا کے گھر تک اس خدشہ سے آ سکتے نہیں تم ہو

پڑے پتلون میں سلوٹ مبادا کوئی جھکنے ہی
نہیں اس ڈر سے ہو سکتے شریک راکعیں تم ہو

پڑی ہیں مسجدیں ویران اور ہیں مدرسے سونے
قریب از علم دنیا ہو تو دور از علم دیں تم ہو

خدا سے لو لگاتے ہو تو اس کی بھی یہ حالت ہے
کہ وقف آرزوہائے وصال حور عیں تم ہو

نہیں القصہ اس قابل کہ بخشے جاؤ عقبیٰ میں
خدا سے سرخرو ہونا ہے جس لذیں تم ہو

نہ یہ امید بھی گر ہو کہ حضرت بخشوا لیں گے
تو مطلق شک نہیں اس میں کہ جمع خاسریں تم ہو

محمد کے تصدق میں تمہاری مغفرت ہوگی
اگر وابستۂ دامان ختم المرسلیں تم ہو

۱۴ مارچ سنہ ۱۹۱۱ء

صاحبِ قابَ قوسَین اَو اَدنیٰ

V. Good.

دل جس سے زندہ ہے وہ تمنا تمہی تو ہو
ہم جس میں بس رہے ہیں وہ دنیا تمہی تو ہو

پھوٹا جو سینۂ شبِ تارِ الست سے
اس نورِ اولین کا اجالا تمہی تو ہو

سب کچھ تمہارے واسطے پیدا کیا گیا
سب غایتوں کی غایتِ اولیٰ تمہی تو ہو

جلتے ہیں جبرئیلؑ کے پر جس مقام پر
اس کی حقیقتوں کے شناسا تمہی تو ہو

جو ماسوا کی حد سے بھی آگے گزر گیا
اے رہروِ جادۂ اسریٰ تمہی تو ہو

پیتے ہی جس کے زندگی جاوداں ملی
اس جانفزا زلال کے مینا تمہی تو ہو

اٹھ اٹھ کے لے رہا ہے جو پہلو میں چٹکیاں
وہ دردِ دل میں کر گئے پیدا تمہی تو ہو

دنیا میں رحمتِ دو جہاں اور کون ہے
جس کی نہیں نظیر وہ تنہا تمہی تو ہو

گرتے ہوؤں کو تھام لیا جس کے ہاتھ نے
اے تاجدارِ یثرب و بطحا تمہی تو ہو

بتیا بنائیں جا کے تمہارے سوا کسے
ہم بے کسانِ ہند کے ملجا تمہی تو ہو

عرش سے فرش تک حضور سرورِ کونین پر صلوٰۃ و سلام کی بارش

اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا

رونقِ بزمِ وجودِ آدم صلی اللہ علیہ وسلم
خواجۂ گیہاں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم

جادہ شناسِ منزلِ وحدت جلوہ نمائے راز حقیقت
ہادیِ اکبر مصلحِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم

خیرِ مجسّم فضلِ مجسّم صورتِ احساں پیکرِ رحمت
آیۂ لطفِ ربک الاکرم صلی اللہ علیہ وسلم

ہو گئی اُس پر ختمِ رسالت دیتے گئے ہیں جس کی شہادت
موسیٰ عمراں عیسیٰ مریم صلی اللہ علیہ وسلم

خیلِ ملک تھا اُس کے جلو میں یعنی فضا کا رخش تھا دیں
تا کہ جہاں ہو درہم برہم صلی اللہ علیہ وسلم

کہتے ہیں جس کو سطوت کبریٰ تھی وہ اک اُسکی مشق سیہ پا
گردن پھر قلب جس سے ہوئی خم صلی اللہ علیہ وسلم

تیغ بکف جب باندھ کے نکلے اُسکے قشون تاہ گھر سے
بجھ گئی یورپ میں ماتم صلی اللہ علیہ وسلم

ہے عرب اُس کا اور عجم اُس کا تھامے ہوئے ہیں ہم علم اُس کا
وہ ہے ہمارا اُس کے ہیں سب ہم صلی اللہ علیہ وسلم

وقت پہ دیکھا تشنہ لبوں کو ساغر کوثر بھی ہے ساقی
جس نے پلایا ہے انہیں زمزم صلی اللہ علیہ وسلم

جیت گئے اسلام کے غازی ہر گئی آخر کفر کی بازی
جھک نہ سکا توحید کا پرچم صلی اللہ علیہ وسلم

اُس کی غلامی نے ہمیں بخشا تاج سکندر فرۂ دارا
کوکبۂ کے مرتبۂ جم صلی اللہ علیہ وسلم

سب سے جب اونچا پایہ ہے اُس کا تنے سر پر سایہ ہی اُس کا
ملت بیضا پھر تجھے کیا غم صلی اللہ علیہ وسلم

عرش بریں سے فرش زمیں تک فرش زمیں سے عرش بریں تک
غلغلہ برپا ہے یہی پیہم صلی اللہ علیہ وسلم!

۲۸ جون ۱۹۴۸ء

انار

زمانے میں چمکا ہے نام محمدؐ ہوئی روکش صبح شام محمدؐ

نہ پہنچے وہاں جبرئیل امیں بھی بلند اس قدر ہے مقام محمدؐ

مرا منہ لیا چوم روح الامیں نے لیا میں نے جس وقت نام محمدؐ

پلایا ہے بھر بھر کے ساقی نے مجھ کو خدا کے خمستاں سے جام محمدؐ

فقط دو حقائق پہ دنیا ہے قائم بقائے خدا و دوام محمدؐ

یہ مجلس جہاں شور ہے وانکحوا کا نہیں ہے یہی ہے پیام محمدؐ

جواں دل ہیں اسواسطے کر رہے ہیں بڑھاپے میں شادی غلام محمدؐ

ہے مثنیٰ سے آئی ثلاث کی نوبت

کہ ان کو یہ ہے اذن عام محمدؐ

تاجدار عرب و عجم!

سخن آورم ز کمال او ز شکوه او ز جلال او
کہ نہ دیدہ چشم مثیل او نہ شنیدہ گوش مثال او

بلغ العلیٰ بکمالہٖ کشف الدجیٰ بجمالہٖ

حسنت جمیع خصالہٖ صلوا علیہ و آلہٖ

ز عرب چکیدہ ملاحتش ز عجم دمیدہ عذوبتش
نمکے کہ ریخت جمال او شکرے کہ بیخت مقال او

بلغ العلیٰ بکمالہٖ کشف الدجیٰ بجمالہٖ

حسنت جمیع خصالہٖ صلوا علیہ و آلہٖ

ہمہ کس فراخور خوئے خود ز نوال گرفتہ مقدرے
تو و لعل و گوہر و سیم و زر من و دست و دامن آل او

بلغ العلیٰ بکمالہٖ کشف الدجیٰ بجمالہٖ

حسنت جمیع خصالہٖ صلوا علیہ و آلہٖ

مفخرِ رسل

کہنے کو ہوں آج میں نعت رسولِ کریم / میری زباں کیوں نہ ہو رشکِ زبانِ کلیم

مایۂ نازش مجھے ہے میری فکرِ رسا / وجہ تفاخر مجھے ہے میری طبعِ سلیم

بسکہ ہے لب پر مرے مفخرِ رسل کی ثنا / عیسیٰ گردوں نشیں کا ہوں شریک و سہیم

اے شہِ ہر دو جہاں سرورِ کون و مکاں / تو ہے خدا کا حبیب تو ہے خدا کا ندیم

تو ہے شفیع مطاع تو ہے نبی کریم / تو ہے قسیم جسیم تو ہے نسیم و وسیم

تجھ سے ﷺ مزین ہوئی مسند پیغمبری / تجھ سے فروزاں ہوئی بزم الف لام میم

دیکھ کے تجھ کو گرے لات و ہبل سر کے بل / آتے ہی تیرے فرو ہو گئی نارِ جحیم

کون سی ایسی ہوئی اس میں تعجب کی بات / تیرے اشارے سے ہو گر مہ کامل دو نیم

تو نے تو زندہ کیا بات میں اس جسم کو / رہ گئی تھیں اک فقط جس کی عظام رمیم

جس کی رگ و پے میں تھا شرک سمایا ہوا / چھائی ہوئی جس پہ تھی ظلمتِ جہلِ سقیم

ہو گئے صحرا نشیں صاحبِ دیہیم و تاج / عامی و جاہل بنے تیری بدولت حکیم

دولت دنیا و دیں قوم کو دی ایک ساتھ / ہے تیری بخشش کثیر ہے ترا احسان عظیم

تو نے پلایا اُنہیں جامِ شرابِ طہور — جن کے مقدر میں تھی شورشِ آبِ حمیم

الغرض احسان تیرے قوم پہ ہیں بے شمار — اٹھ نہ سکے گا کبھی ہم سے یہ بارِ عظیم

جبکہ ہو تو ناخدا کشتیٔ اسلام کا — کیا اسے موجوں سے خوف کیا اسے طوفان سے بیم

تیری شفاعت کا گر ہم کو سہارا نہ ہو — رحم پہ غالب ہے عدل خدائے عظیم

شافعِ روزِ جزا تو نہ ہو گر کارساز — ہم کو میسر ہوں کب خلدِ بریں کے نعیم

خسرو و خاقاں کا فخر تیرے گدایانِ در — صاحبِ فوزِ عظیم تیری گلی کے مقیم

تو نے لگایا تھا جو گلشنِ قدس انتما — لاتی ہے اب تک نسیم اس سے اڑا کر شمیم

تو نے جلائی تھی جو مشعلِ عالم فروز — قوم کا اب تک بھی ہے اس سے منور حریم

بزم میں لیکن وہ رنگ اب نظر آتا نہیں — باغ میں باقی نہیں رونقِ عہدِ قدیم

ہے یہ دعا کا محل اے شہِ دنیا و دیں — عرض کر اللہ سے ہے جو خبیر و علیم

بخشے ہمارے گناہ ہم پہ کرے اپنا فضل — پھر ملے اسلام کو عظمتِ شانِ قدیم

قوم میں ہو اتفاق اور ہو پہلا سا جوش

ہمت ادھر ہو بلند عزم اُدھر ہو صمیم

اُمّت پر رسولؐ کا احسان

ہم خاک تھے بنا دیا اکسیر آپ نے — کتنا بڑا یہ آپ کا احسان ہو گیا

بھر کر دیا وہ جام جہاں میں حضورؐ نے — پی کر گدا بھی سکۂ سلطان ہو گیا

اسلام کا جو ذکر کیا تو نے ہم نشیں — بجلی گری وہ دل پہ کہ قربان ہو گیا

ہے اک نگار خانۂ حیرت یہ نامِ نبیؐ — جس کی نظر پڑی وہی حیران ہو گیا

مشرق اور مغرب منسلک اک سلک میں ہوئے
کتنا دراز رشتۂ قرآن ہو گیا

۱۶ دسمبر ۱۹۱۶ء

انتظارِ سحر

تجھے فکر کیوں ہے اے دل کہ یہ شب بسر بھی ہوگی
ہے ابھی اگر اندھیرا تو کبھی سحر بھی ہوگی

ہے اثر دوا میں پنہاں مگر اس کے ساتھ تجھ کو
اگر اعتقاد ہوگا تو وہ زود اثر بھی ہوگی

یہ سوادِ آفرینش ہے بقدرِ نورِ بینش
تری آنکھ اگر کھلے گی تو جہاں نگر بھی ہوگی

ہو بپا کہیں بھی طوفاں وہ یہی گماں کریں گے
کہ ضرور اس میں شامل مری چشمِ تر بھی ہوگی

ہے پھر ابرہہ کی کوشش کہ بنائے کعبہ ڈھادے
مگر اس میں ہم کو شک ہے کہ مہم یہ سر بھی ہوگی

اگر آج ہم پہ آئی شبِ غم پہاڑ بن کر
تو یہ رات یونہی بھاری کبھی آپ پر بھی ہوگی

عرب اور عجم کے تارے ہوئے آفتاب جس سے
کسی روز دیکھ لینا وہ نظر ادھر بھی ہوگی

عشق رسولؐ

پرستاران لات و عزیٰ نے مشکیں زید کی کس کر
جب اس اسلام کے شیدا کو مقتل کی طرف لائے

قریش اپنے جلے تن کے پھپھولے پھوڑنے نکلے
گھروں سے رقص بسمل کا تماشا دیکھنے آئے

جبین زید پر اس وقت وہ رونق برستی تھی
کہ صبح اولیں کے نور کی بارش بھی شرمائے

یہ اطمینان کامل دیکھ کر کفر اور جھلایا
دلوں کی تیرگی نے بڑھ کے داغ اور چمکائے

ابوسفیاں پکارا کیا یہی اچھا ہو محمدؐ کو
تمہارے بدلے اگر جلاد خاک و خوں میں تڑپائے

تڑپ اٹھتا ہوں جب مجھ کو وہ فقرے یاد آتے ہیں
بوقت ذبح اس عاشق نے جو اس طرح دہرائے

مجھے ناز اپنی قسمت پر ہو گر نام محمدؐ پر
یہ سر کٹ جائے اور تیرا سراپا اس کو ٹھکرائے

یہ سب کچھ ہے گوارا پر یہ دیکھا جا نہیں سکتا
کہ اُن کے پاؤں کے تلوے میں اک کانٹا بھی چبھ جائے

دفتر قادیاں

بنام آنکہ نامش احمد آمد — بنام آنکہ جانش کوثرستے
بنام آنکہ نقش انتسابش — نگار آرائی امروانثرستے
بنام آنکہ نسل دشمنانش — ہوالاقطع بہمزہ ابترستے
بنام آنکہ نعلین شریفش — کلاہ صد ہزار اسکندرستے
بنام آنکہ چینے از جبینش — رگ طاغوتیاں را خنجرستے
بنام آنکہ ما اسلامیاں را — بذاتش ناز و فخر بے مرستے
بگفتم صبحگاہاں ہوسیو را — بنہ ادر قادیاں یکے دفترستے
سماں پارینہ تقویمش شمارم — کہ بارش زینت پشت خرستے
بگوش ما رسد صوت حمیر — کہ بابائی توشاں را درستے
رسول اللہ پیکے ہست او را — بدیناں او نبی را مظہرستے
ظہور او شود ثابت ز قرآں — غلام احمد آب کوثرستے
تو خود انصاف دہ بارا چہ سود است — کہ اہل قادیاں را در سرستے

نہالے کاشتی در گلشن ما　　　کہ شاخش چوں صنوبر بے بر ستے

تمتع یافتیم از نص قرآں　　　کہ مارا فارقِ خیر و شر ستے

رسالت ختم شد بر مصطفائے

کہ مارا آخریں پیغمبر ستے

حجت حق کا اتمام

مصطفیٰ کو جب ملا پیغام اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ　　　گل ہمیشہ کے لئے شمعِ نبوت ہو گئی

آسماں نے حکم کا انعام حکمت کو دیا　　　حق کی حجت ختم ہو کر حق کی رحمت ہو گئی

مصطفیٰ ہیں گلشنِ توحید مسلم بوٹے گل　　　خود وہ ہیں خیر البشر خیر اُن کی امت ہو گئی

ماہِ نو کی کیا ضرورت بدرِ کامل کی شبیہ　　　جب کلام اللہ کی ایک ایک آیت ہو گئی

پھر یہ ہم سے پوچھتے ہیں آرہا ہے کیوں الہام

اللہ اللہ آپ لوگوں کی یہ حالت ہو گئی

۱۷ نومبر ۱۹۱۴ء

ماہ و پروین

خواجۂ ما محمدؐ عربی — نقش خاتم النبیین است

مصطفیٰؐ ماہ امتش پروین — ماہ رونق فزائے پروین است

عرب آغوش عالمے باشد — بستۂ دامنش دل و دین است

مسلم از سجدہ گنج ہا اندوخت — دولت او جبین سیمین است

نعمت حق بجا شد ارزانی — شرع ما را شعار و آئین است

ہست اسلام خوشتریں انجام — خنک آں کس کہ عاقبت بین است

بادہ اش تند و شکر افشاں ہم — شور در جاں فگند و شیرین است

جوش شد اندر خم حجاز ایں مے — جام ایں مے نگہ جہاں بین است

پارہ اش پرورد مراقش را — جرعہ اش ریزش لب چین است

تو زنیاں توقعے داری
گوہر ساز کان لیسین است

۱۸ نومبر ۱۹۱۷ء

صاحب معراج

لعلِ نگار کی طرح میری حدیث ہے لذیذ
گیسوئے یار کی طرح میرا فسانہ ہے دراز

چاہیئے اہلِ ذوق کو سوز کے ساتھ ساز بھی
نغمہ جو ہو تو جاں نواز نالہ جو ہو تو دل گداز

بادۂ اَسنُوا پیوں موت کے بعد میں جیوں
مطلعِ فجر کی طرح ہو مری زندگی دراز

جھوم کے پی رہا ہوں میں جامِ مُنِمُّ نُوْدِم
گھوم رہا ہے جام میں نشۂ بادۂ حجاز

دَعْوَۃَ لاداعِ ہوگئی در گہِ اِذَا دَعَانِ
یا کہ ہے خوابِ ناز میں چشمِ سیاہ نیم باز

دین تو ہم مصطفٰے رحمتِ عام ہوگیا
آتے ہی اُس کے اُٹھ گیا شاہ و گدا میں امتیاز

تاجوروں کے رشک کو خاکِ در بنی ہوئی
سرمۂ دیدۂ بلال غازۂ چہرۂ معاذ

جس کی تمہیں خبر نہیں شانِ رسول ہی تو تھی
جس نے زمین خشک میں آکے چلا دیئے جہاز

لائے براق جبرئیل کس لئے اُسکے واسطے
ہوتی تھی جس کی رات دن گنبدِ عرش پر نماز

۲۵ جنوری ۱۹۲۸ء

نویدِ مسیحؑ

دکھا رہی ہے دعائے خلیل اثر اپنا
ہیں جلوہ ریز نویدِ مسیحؑ کے انوار

جنابِ آمنہ کے پہلوئے مبارک سے
ہُوا ہے رحمتِ پروردگار کا اظہار

حضورِ سرورِ کون و مکاں ہوئے پیدا
پیمبری کے گلستاں میں آئی فصلِ بہار

جہان و اہلِ جہاں کی پلٹ گئی کایا
مٹائی مہرِ درخشاں نے ظلمتِ شبِ تار

بڑھی سیادتِ ایماں گھٹی ضلالتِ کفر
چھٹی سیاہیِ باطل پھٹا بدی کا غبار

کرشمہ سنج ہوا ساقیِ عرب ایسا
کہ شرق و غرب مئے حق سے ہو گئے سرشار

جنابِ ختمِ رسل پر ہزار بار درود
ہے جس سے عالمِ امکاں کی گرمیٔ بازار

اشعار در مدح

سلاطین اسلام

شہسوار نجد

جا کے صبا پیام دے نجد کے شہسوار کو
ہم بھی ہیں تیرے منتظر موڑ ادھر مہار کو

چھائی ہوئی ہے خامشی عالم حال و قال پر
شور بپا ہو ہر طرف زخمہ لگا دو تار کو

قافلہ بھی تسنیم [illegible] بیوں سے آملا
آنے نہیں لگی ہے دیر باغ میں نو بہار کو

ابن سعود کو ملا رتبۂ ید اللّٰہی!
تازہ بہانہ مل گیا رحمت کردگار کو

نجدیوں کی بزم میں [illegible] قفس بھی دی
مصطفوی چراغ نے لو بھی شرار کو

ساقی دلنواز نے خمکدۂ حجاز سے
دی ہے شراب خانہ ساز ہند کے بادہ خوار کو

کج نگہوں کی گم رہی سے تو گلہ فضول ہے
دیدۂ درد کو کیا کہیں خود جو سمجھے نار کو

موت کی جستجو نہیں مجھ کو تلاش زندگی
دیتا ہوں قبر کے عوض پرسہ میں ذوالفقار کو

۵ اکتوبر ۱۹۳۶ء

عہد سلف کی رونقیں

جگر اور دل ہی نہیں رہے کہ سموؤں ان کے گداز میں
نہ رہیں وہ پہلی سی لذتیں مری داستاں دراز میں

نہیں شکوہ مجھ کو نصیب سے گلہ ہے اگر تو نصیب سے
جو چھڑا رہا ہے حبیب سے مگر اس کی شرح ہے راز میں

کئی سو برس جو دبا رہا کہ عرب سے چھپا رہا
پھر ابھر رہا ہے تتار سے وہی فتنہ رنگ مجاز میں

کوئی ہے جو ترک کو جا کے دے یہ پیام مسلم ہند کا
کہ وہ لذتیں جو ہیں سوز میں کبھی آ سکیں نہیں ساز میں

نہ بچا فریب فرنگ سے کوئی تاجور کوئی باجور
مگر اک حرم کا وہ پاسباں جو ہے سر بسجدہ نماز میں

نہیں فیض ابن سعود کا یہ ہے لطف رب ودود کا
کہ سلف کے عہد کی رونقیں نظر آ رہی ہیں حجاز میں

۱۴ اپریل ۱۹۲۸ء

مستقبل حجاز

ممکن ہے مہر و مہ نہ رہیں آسمان پر — ممکن نہیں کہ حق نہ ہو جاری زبان پر

وہ فوج جبرئیلؑ تھے جس کی کمان پر — پہلا پڑاؤ اس کا پڑا تھا عسفان پر

پنہاں تھی جس میں دیدۂ ہرقل کی خیرگی — وہ تیغ تھی چڑھی ہوئی یثرب کی سان پر

واحسرتا بلند ہے طاغوت کا علم — اس عہد میں نبیؐ کے قدم کے نشان پر

کس وقت جا کے دیکھیے کھنچتا ہے خطِ نسخ — تثلیث کے عروج کی اس داستان پر

کس کو نہیں یہ علم کہ مستقبل حجاز — موقوف ہے حجاز کے امن و امان پر

توفیق اس کی دی گئی ابن سعود کو — روشن ہے یہ حقیقت کبریٰ جہان پر

محمل کو کر رہا تھا سبکسار یہ سعود — میں جا رہا تھا جدہ کو جب خیزران[۱] پر

اور آخری یہ شعر رقم کر رہا ہوں میں — بیٹھا ہوا شریف علی کے مکان پر

جدہ، یکم جنوری ۱۹۲۶ء

۱۔ اس دخانی جہاز کا نام جس پر میں جدہ کو گیا تھا سوار تھا

محی الملۃ والدین کی یادِ عزیز میں

مرا دامن بھرا ہے آج یاقوت و مرجاں سے
نہیں لایا انہیں لیکن میں لعل اور بدخشاں سے

نگہ پگھلا دیا ہے کر دیا ہے دل کو خوں میں نے
نکالے جب کہیں ہیں یہ تو اسیرِ معدنِ جاں سے

خدائے پاک بیشک نور ہے سات آسمانوں کا
ان آنکھوں نے مگر اس نور کو دیکھا ہے فاراں سے

چمن پیرائے امکاں گر نہ ذاتِ مصطفےٰ ہوتی
مشامِ جاں معنبر ہو نہ سکتا بوئے عرفاں سے

رسول اللہ کی امت ہے زینت ساری دنیا کی
تمدن کی بھری محفل کی رونق ہے مسلماں سے

ضیائے بزمِ گیتی ملتِ بیضا کے دم سے ہے
فروغِ ملتِ بیضا ہے عثماں علی خاں سے

۴ مئی سنہ ۱۹۳۰ء

آصف جاہ سابع اور سمرنا

اے کہ درد دل اسلام سے بیتاب ہے تو — جس کی تعبیر مری زیست ہے وہ خواب ہے تو

بجلی تیری بھی ہے رقص کناں میری طرح — گرچہ میں ذرہ ہوں اور مہر جہانتاب ہے تو

ہے کسی قوم کی آخر تجھے تڑپا ہی گئی — کیوں نہ ہو جوشش رگ دودۂ خطّاب ہے تو

اے گداز جگر خستۂ ارباب نظر — دل ملت ہے اگر کعبہ تو میزاب ہے تو

فرض اپنا یوں ہی عثمان علی خاں پہچان — اے کہ میرے لئے مستغنی از القاب ہے تو

اے سمرنا کی زمیں تجھ پہ خدا کی رحمت — خون اسلام کے چھڑکاؤ سے سیراب ہے تو

ارغواں پاش ترے فیض سے ہے دیدۂ تر — ریزش اشک کو سرمایۂ سیماب ہے تو

عرش تھرائے تو کیوں فرش لرز جائے نہ کیوں — آہ تیرا ہے تو گریۂ بیتاب ہے تو

آل عثمان کی عزت کی حفاظت کی طرف — کسی تیمور کی غیرت کی عناں تاب ہے تو

تختۂ یوناں کا الٹ کفر کے بیڑے کو ڈبو

جیسے خود خون کے سیلاب میں غرقاب ہے تو

آصف جاہ ہفتم کی مسند نشینی کی تاریخ

عروسِ بہاراں کی ہے آمد آمد — بصد دل ربائی بصد نازنینی

کھلے ہیں ریاحینِ اقبال و دولت — یہ خوشبو انہیں کی تو ہے بھینی بھینی

مسرت نے وہ رنگ بدلا جہاں کا — کہ زاہد بھی بھولا ہے خلوت گزینی

چھلکنے لگا ہے بلوریں پیالہ — چھلکنے لگی ہے صراحی چینی

لبھانے لگی نکتہ سنجوں کے دل کو — عروسِ معانی کی ناز آفرینی

اشارہ ہے جس کی رسیلی نظر کا — یہ صہبائے گلگوں تمہیں ہوگی پینی

اُدھر ہے شہنشاہ کی تاجپوشی — اِدھر ہے شہا تیری مسند نشینی

یہ ساعت جسے کہیے جانِ سعادت — زمانہ سے اقبال نے پھر سے چھینی

سکھائی ہے تاجِ دکن کو مقدر — ترے سر نے شاہا غرور آفرینی

قسم ہے تجھے تیری ظلِ الٰہی کی — ہے فخرِ سلاطیں تیری ہم نشینی

ترے عہدِ دولت میں ہم کو میسر — ہوئیں برکتیں دنیوی اور دینی

ہوئی مردمِ چشمِ دولت کو حاصل — ترے سرمۂ عدل سے دوربینی

جلالت کا مظہر طراز شاہی عقیدت کی پتلی مری کمترینی
جلوس نظام اور تاریخ میری کرے گا کوئی اس پہ کیا نکتہ چینی
دکن بلکہ ہندوستاں کی طرف سے
مبارک ہو تم کو یہ مسند نشینی

سنہ ۱۳۲۹ھ

لاہور ۲۴ ستمبر سنہ ۱۹۱۱ء

حضور نظام کی مساوات پسندی

شب معراج وہ شب ہے کہ کھولے رب اکبر نے رسول اللہ پر اسرار خلوۃ گاہ او ادنیٰ
یہ وہ شب ہے کہ پیغمبر کے سر پر اپنے ہاتھوں سے خدا نے فخر سے رکھا ہے تاج سطوت کبریٰ
یہ وہ شب ہے کہ روشن کر دیئے چودہ طبق اس نے تجلی بن گئی اس کی فروغ دیدۂ بینا
یہ وہ شب ہے کہ مسلم کو ملی دنیا بھی اور دیں بھی وہ تعبیر فتدلّٰی اور یہ تفسیر من الاولیٰ
یہ وہ شب ہے کہ اس کی روشنی سے جگمگا اٹھے در و بام و رواق و طاق قصر ملت بیضا
اسی دن مکہ مسجد میں جب اگلے دن نظام آئے تو قدوسی پکار اٹھے کہ سبحان الذی اسریٰ
فضا کو چیرتی نکلی جب ان کی برق پا موٹر تو نقشہ کھنچ گیا اسلام کے سیلاب اعظم کا

غبارِ راہ کیا تھا کہکشاں کی جلوہ ریزی تھی | گلی کوچوں پہ ہوتا تھا گمانِ سینۂ سینا

نظام الملک آصف جاہ مسجد میں ہوئے داخل | تو جھرمٹ میں ستاروں کے نظر لوگوں کو چاند آیا

ندیموں نے، کہ ایسی تھی نہیں آداب شاہی کی | کمر میں باندھنا چاہا ادب کی راہ سے پٹکا

وہ رمز آموزِ دیں جو جامعِ شرعِ پیمبر ہے | کلام اللہ کی آیات کا ست کھینچ کر بولا

یہ گھر اللہ کا ہے جس میں ہم تم سب برابر ہیں | یہ وہ دربار ہے جس میں گدا ہے شاہ کا ہمتا

کسی کو گر کسی پر کچھ فضیلت ہے تو اتنی ہے | کہ عِندَ اللهِ اَکرَم ہیں وہی جو ہم میں ہیں اتقیٰ

اُسی معبودِ برحق کو یہاں تعظیم کا حق ہے | خداوندانِ عالم کا یہاں سکہ نہیں چلتا

سنا جب ان حقائق کو تو مسلم وجد میں آئے

وَصَلَّی اللّٰہ عَلیٰ نُورٍ کزو شد نورہا پیدا

رجب ۱۳۳۶ھ

اعلیحضرت میر عثمان علی خاں کی شریعت نوازی

میں زمیں سے اڑتے اڑتے آسماں پہ آ گیا
حضرت شاہ دکن کے آستاں پر آ گیا

ماہ نو کرتا ہے جھک کر جنکو گردوں سے سلام
جن سے قائم ہے مسلمانوں کی دولت کا نظام

دل مسخر کر لئے ہیں جنکے لطف عام نے
گردنیں سب کی جھکی جاتی ہیں جن کے سامنے

جادہ ناشناسوں کی تادیب انکے دم ہی سے تو ہے
ملت بیضا کا نقش انکے قدم ہی سے تو ہے

کس قدر ہم پر ہے حق اس شاہ حق آگاہ کا
جو سبق ہم کو پڑھائے والسّبحانُ اللہ کا

حب ۱۳۳۶ھ

نذرِ عقیدت بحضور آصفِ ہفتم تاجدارِ دکن

شاہِ اسلام کے دربار میں دس سال کے بعد ... لعل لایا ہوں نہ یاقوت و گہر لایا ہوں

لعل و یاقوت و گہر کی نہیں اس گھر میں کمی ... نذر کے واسطے میں خونِ جگر لایا ہوں

میر عثمان علی خاں کی محبت والا ... اک دل تھا سو اسی جذبہ سے بھر لایا ہوں

عزتِ ملتِ بیضا کی حفاظت کے لئے ... اک اشارہ پہ جو کٹ جائے وہ سر لایا ہوں

خیلِ باطل کے مکاید کی ہزیمت کیلئے ... حق پرستوں کی دعاؤں کا اثر لایا ہوں

مرتعش جس سے ہوئے تھے کبھی بدر و حنین ... وہی پیغام میں بے خوف و خطر لایا ہوں

حاجتِ بالِ ہما کیا اُسے جس کی خاطر ... بالِ جبریلِ امیں کا میں چپو پر لایا ہوں

وہ دکن جس پہ ہیں سو جاں سے مسلماں قرباں

اُس کی آزادیٔ کامل کی خبر لایا ہوں

۱۹۳۷ء

میر عثمان علی خاں

ذکر آتا ہے جو عثمان علی خان تیرا
نام لیتے ہیں محبت سے مسلمان تیرا

ہے یہی رشتہ جسے کہتے ہیں تائید خدا
ہاتھ دولت کا ہے اور گوشۂ داماں تیرا

جان ہو بار چلی جائے مگر آن نہ جائے
اس قدر پختہ ہے اسلام پہ ایمان تیرا

زندہ یثرب کی روایات تیری ذات سے ہیں
بھول سکتی نہیں ملت کبھی احسان تیرا

بادشاہی میں فقیرانہ روش جس کی
ان کی فہرست کا دیباچہ میں عنوان تیرا

تیرے خرقہ میں لگے دیکھے ہیں میں نے پیوند
گرچہ جم سے نہیں کم کچھ بھی ہے سامان تیرا

تیری دہلیز کو یہ [illegible] سزاوار نہیں
تجھ کو شایاں ہے کہ انگریز ہو دربان تیرا

پاسباں جبکہ ہے اسلام کے ناموس کا تو
کس لئے پھر نہ ہو اللہ نگہباں تیرا

---

۲۹ اگست ۱۹۲۹ء

آصفجاہ ہفتم کی یادیں

وصلا نہیں ہے گل و لالہ کا غبار ابھی
برس کچھ اور بھی ابر نو بہار ابھی

زبان حال سے کہتا ہے قصر زار ابھی
ہیں عنکبوت کے گھر میں بہت سے تار ابھی

نہ سمجھ گئے ہی باقی رہے نہ رو بیناف
مٹے گئیں یورپ کے [illegible] نامدار ابھی

کیا جنہوں نے محمد کے نام کو رسوا
وہ ہونے والے ہیں خود بھی ذلیل و خوار ابھی

بدل چکا ہے بدلتا ہے اور بدلے گا
بہت سے رنگ یہ چرخ ستیزہ کار ابھی

[illegible] نہیں کہ بیدار ہونے والا ہے
نئی ادا سے کوئی فتنہ تتار ابھی

نقاب الٹ کے تجلی دکھانے والا ہو
سواد مشرق وسطیٰ کا شہسوار ابھی

بہار سر پہ ہے اے پنجۂ جنوں پھر کیوں
کیا نہ تو نے گریباں کو تار تار ابھی

نہیں کرشمۂ ساقی کی اس میں کچھ تقصیر
کچھ اہل بزم جو بیٹھے ہیں ہوشیار ابھی

نگاہ ناز سے کیا شکوہ بوالہوس کو اگر
نہیں ہوا یہ ناوک جگر کے پار ابھی

ہے اس پہ حیف جو کہلائے مصطفےٰ کا غلام
گمنہ خلافت پہ ہوشیار ابھی

اگرچہ جنگ سے انگریز بھی چراتے ہیں
نہیں ہے صلح کا لیکن کچھ اعتبار ابھی

کہاں ہے امن ہو قائم کہ لارڈ کرزن پہ — نہیں ہوئی ہے حقیقت یہ آشکار ابھی

کہ بجند و د کو چمک کر کیا تھا جس نے دو نیم — نہیں گری ہے وہ شمشیر آبدار ابھی

کمی نہیں اسد اللہیوں کی دنیا میں — اور ان کی تیغ ہے ہمرنگ ذو الفقار ابھی

زمانہ جس کی تجلی سے جگمگا اٹھا — ہے جلوہ ریز وہ خورشید زرنگار ابھی

محمدؐ عربی کے جلال کا پرتو — ہے شکل غازی اعظم سے آشکار ابھی

جناب حضرت عبد المجید خاں کیلئے — کھنچا ہوا ہے وہ افسر رباحصار ابھی

ہے محاصرہ کھنسہ سے چھڑانے کو — پڑا ہے لشکر اسلام بے شمار ابھی

خدا بھی زندہ ہے اس کا کلام بھی زندہ — اساس سطوت کبریٰ ہے استوار ابھی

حیات و بہ شہادت کے ساتھ ملتی ہے — فنا کی امت بقا کی ہے رازدار ابھی

دکن کے باغ میں چھائی ہوئی تھی خاموشی — سنا ہے میں نے نغمۂ ہزار ابھی

یہ نغمہ موسم گل کی کہیں نہ ہو تمہید — میرے قفس کی فضا کو ہے جس کا بار ابھی

خدا کا سایہ ہے سر پہ ترے آصف ہفتم — کہ تو ہے ہند میں ملت کا افتخار ابھی

چھپا اس کی شہ بال تیرے راز نور دروں — ہے جس سے سینۂ اسلام داغدار ابھی

۱؎ یہ کہہ رہی ہے پلٹ کر نگاہ یار ابھی — زمانہ اور بھی بدلے گا اک بار ابھی

(میر عثمان علی خاں)

ہے یہ بھی رحمت پروردگار عالمیاں! کہ ہیں زمانہ میں تجھ جیسے تاجدار ابھی

ہیں تر زبان تری تعریف میں ضرور انگریز دبائے بیٹھے ہیں ظالم مگر ہزار ابھی

دکن بھی دولت کابل کی طرح ہو آزاد

بڑھے کچھ اور بھی اسلام کا وقار ابھی

نظام دولت آصفیہ اپنے مرکز پر!

خبر آئی کہ دہلی سے نظام آتا ہے فصل گل کا چمنستان کو پیام آتا ہے

جس کے اک جرعہ میں جھلکے دو جہاں مبیش میکشو مژدہ کہ جم لیکے وہ جام آتا ہے

مسند دولت و اقبال کو خالی کر دو آج محفل میں محمدؐ کا غلام آتا ہے

اس پہ سو جان سے مسلمان نہ کیوں ہو قرباں کہ وہ ہر وقت میں اسلام کے کام آتا ہے

چاند جھکتا ہے بصد عجز سلامی کیلئے میر عثمان علی خاں کا جو نام آتا ہے

دیکھنا یہ ہے خورشید جہاں انگلیس

پیشوائی کے لئے کب لب بام آتا ہے

۷ نومبر ۱۹۲۸ء

ترانۂ تہنیت عید صیام

بملازمان آصف جاہ ہفتم تاجدار دکن

عجم کا فخر تو ہے نازشِ ہندوستاں تو ہے
ہمارے مشرقی خمخانہ کی مہر و نشاں تو ہے

سر آرائے دہلی ہے ابھی تک ملتِ بیضا
کہ اب تک یادگارِ دولتِ شاہِ جہاں تو ہے

ابھی تک تازہ ہے افسانہ عالمگیرِ اعظم کا
اور اس افسانۂ رنگیں کی سرخی بیگماں تو ہے

ودیعت تیری فطرت میں ہوئی گنجینہ افشانی
گہر خیزی میں دریا ہے تو زرریزی میں کاں تو ہے

کبھی چھایا فلسطیں پہ کبھی برسا سمرنا میں
وہ نیسانِ کرم تو ہے وہ ابرِ دُرفشاں تو ہے

تجھے دیکھا تو گویا دیکھ لی رحمت پیمبر کی
خدا ہو مہرباں تجھ پہ کہ ہم پہ مہرباں تو ہے

جزاک اللہ رونق تجھ سے قائم ہے شریعت کی
حماک اللہ ناموسِ نبی کا پاسباں تو ہے

نہ سنگِ راہ کا کھٹکا نہ خوفِ دوریِ منزل
ہیں بے غم قافلے والے کہ میرِ کارواں تو ہے

مبارک ہو یہ عید اے خسروِ گردوں حشم تجھ کو
مسلماں ہیں اگر انجم تو ماہِ آسماں تو ہے

نگاہیں ڈھونڈتی ہیں تجھ کو اور تیری نوازش کو
خدا وہ دن کرے ہم بھی وہاں پہنچیں جہاں تو ہے

سر ایرا آجائے قبضہ میں وہاں بھی ہو تری شاہی
دکن کا جس طرح اس وقت عثماں حکمراں تو ہے

دہلی میں تاجدار دکن کی آمد

کبھی المانیہ تھا جنکے پشتینی حریفوں میں
دکن اس وقت تک ہے اُنکے تاریخی حلیفوں میں

اگر آڑے نہ آتی ہمت آصفجاہ ہفتم کی
قوی جنکے ہیں بازو جا ملے ہوتے ضعیفوں میں

مگر یا للعجب! جب ساعت آئی حق شناسی کی
مٹا حق کا نشاں منت گزاری کے صحیفوں میں

یکایک ہز مجسٹی بن گئے نیپال کے راجہ
اور اس پر تھیلیاں بھی دی گئیں انکو وظیفوں میں

دکن نے اپنا حق مانگا تو لندن سے جواب آیا
کہ احساں کی جزا احساں نہیں ہوتی شریفوں میں

مدد دیتا ہے جو انگریز کو منت ہے خدا اُس کی
یہ نکتہ آپ کو ہم نے سمجھایا ہے لطیفوں میں

نواسنجان دہلی کو صلائے عام دیتا ہوں
کہ داد فکر دیں ان قافیوں میں ان ردیفوں میں

لاہور
۲۵ اکتوبر ۱۹۲۸ء

مژدۂ بہار

بہار مژدہ یہ لے کر دکن میں آئی ہے ‏— کہ پھر وہ گھومتی پھرتی چمن میں آئی ہے

گھٹا مدینہ سے پھر اٹھ رہی ہے رحمت کی ‏— برس برس کے ہمارے وطن میں آئی ہے

وہ شمع حق جو کبھی زینتِ شبستاں تھی ‏— چھلکنے کے لئے پھر انجمن میں آئی ہے

وہ موج لائی ہے موتی جو سات دریا کے ‏— جنابِ آصفِ ہفتم کے من میں آئی ہے

زباں پہ نام تمہارا ہی آ گیا ہوگا ‏— وگرنہ کیوں یہ حلاوت سخن میں آئی ہے

گرہ پڑی ہے پھر اسلام تیرے ابرو میں ‏— قیامت آج پھر اس کے شکن میں آئی ہے

بلاکشانِ ازل مژدہ ہو کہ گردنِ حق ‏— پھر آج حصۂ دار و رسن میں آئی ہے

وفا کی شان ہماری روش سے پیدا تھی ‏— جفا کی آن تمہارے چلن میں آئی ہے

جنابِ مالوی و لاجپت کی شانِ جلال ‏— بدل کے روپ نیا سنگٹھن میں آئی ہے

معاملہ ہے مرے خامہ کو ضیا میں سے

صبا حدیقۂ سرو و سمن میں آئی ہے

۵ مارچ ۱۹۲۵ء

خیابانِ فارس

اشاعت خیابان فارس جسکو اعلیحضرت خسرو دکن نے شرف منظوری عطا فرما کر دو ہزار سات سو پچاس روپے کی رقم مترجم کو عطا فرمائی۔

میں آتا ہوں پھر شاہ کے آستاں پر
بصد شوق ہوتا ہوں جبہ فرسا

میں پھر اپنی قسمت پہ ہوتا ہوں نازاں
کہ ہوتا ہے پھر بخت بیدار میرا

میں پھر کھٹکھٹاتا ہوں باب اجابت
اثر رہنما بن گیا ہے دعا کا

تصدق ہے امید پھر آرزو پر
پھر اترانی پھرتی ہے میری تمنا

دعائیں یہ نکلیں جو بن کر ہوں آنکھیں
نگہباں ہو حبِ شاہ بینائیوں کا

ہو تیری نعمتیں ساری دنیا کی حاصل
ہمیں تیرے عہد ہمایوں میں شاہا

ملی تجھ سے توقیر عزت و شہرت دکن کی
ترے ہم ہیں خادم تو آقا ہمارا

وفا اور عقیدت ہے آئیں ہمارا
کرم اور احسان شیوہ ہے تیرا

تجھے تاجداری دکن کی مبارک
دکن کو مبارک ہو سردار تجھ سا

اجازت اگر پیر و مرشد کی پائے
ادب سے ہو کچھ بہتریں عرض میرا

مگر کھا کے شہ کا نمک دوسروں سے | کروں استعانت یہ مجھ سے نہ ہوگا
غلامان درگاہ شاہی سے مجھ کو | اگر مرحمت ہو چھپائی کا خرچہ
تو اردو کے زیور سے آراستہ ہو | وہ نسخہ کہ ہے یادگار زمانہ !!!
کف جود و ایثار شاہ دکن سے | جسے چاہیے ابر آذار کہنا !

یقین مجھ کو واثق ہے امید کامل
کہ جو میں نے مانگا ہے مجھ کو ملے گا

اپریل ۱۹۰۲ء

قصیدہ

بحضور مہر سپہر جہانداری و صدر صفۂ تاجداری سرتاج خواتین ہند نواب سلطان جہان بیگم جی سی آئی ای والیہ بھوپال دام اقبالہا۔
یہ قصیدہ ۲۵ اکتوبر ۱۹۰۰ء کی صبح کو حضور ممدوحہ کے سامنے پڑھا گیا۔

جلوہ افروز جہاں ہے تری دولت کا جمال | اس جمال نظر افروز پہ ہو نازاں بھوپال
ہفت اقلیم کا چہرہ ہے اگر کشور ہند | تو بلا شبہ ہے اس روئے دلآرام کا خال
کیجیے خوبی کو تیری غازۂ روئے مقصود | رکھیے رونق کو تیری سرمۂ چشم آمال

دیکھے اک گلشنِ جاں بخش سے تشبیہ تجھے ... آئی ہوگی نظر آفاق میں کم جس کی مثال
سرو و شمشاد ہیں جس باغ کے علم و دانش ... جس چمن کے سمن و لالہ ہیں فضل اور کمال
سبزہ و گل کو جہاں جود و کرم کہتے ہیں ... لطف و احسان ہیں جہاں بادِ صبا اور شمال
مدرسے ہیں ترے آباد مساجد معمور ... دین و دنیا کی ترقی پہ روش ہے تری دال
یہ تو سب کچھ ہے مگر ہے تجھے اسکی بھی خبر ... کس کا شرمندۂ احساں ہے ترا جاہ و جلال
کس کی انگشت کی زینت ہوئی خاتم تیری ... کون ہے جس نے جڑا اس میں نگینِ اقبال
کون ہے جس کی بدولت نظر آیا تبسم کو ... کہ ہوا روکشِ کلکتہ و پیرس بھوپال
وہ فلک قدر ہے اس بزم کی وجہِ رونق ... جس کے اقبال کے سورج کو نہیں خوفِ زوال
وہ بہارِ صدر چمن بند ہے اس گلشن کا ... نہیں پامالِ خزاں جس کے گلستاں کے نہال
کوکبِ تاجِ جہانبانی و عالی نسبی ... صاحبِ تاج و نگیں اسمِ امرازی بال
عہدِ فرخندۂ سلطان جہاں بیگم میں ... سب ہے سر افراز اگر عیش تو غم ہے پامال
اے بہاری ملک سایۂ خدا کا تجھ پہ سدا ... رحمتیں خاص خدا کی ہوں ترے شاملِ حال
ذاتِ اطہر ہے تری مظہرِ شانِ عظمت ... نامِ اقدس ہے ترا مصدرِ آنِ اجلال
دانش آموزِ قضا ہے ترا حکمِ محکم ... بینش افروزِ خرد ہے تری عقلِ فعال
بسکہ خورشید نشاں ہے تری شان و شوکت ... نہیں منت کشِ پیکار کشائیِ خیال
جی سی ایس آئی کو سمجھیں گے بصیرت والے ... تیرے القاب کی تفصیل کا ادنیٰ اجمال

قدردانی ہے تری شہرۂ اطراف جہاں — آستانہ ہے ترا کعبۂ ارباب کمال

ہیرا پرواز سخن ناسخ نطق اقراں — تیرا انداز کرم ماحیِ آئین سوال

بھرے جائیں گے مرے منہ میں ضرور آج گوہر — گھر میں رانی کے نہیں موتیوں کا ہرگز کال

نکتہ چیں ہوتے ہیں جو ہند کی خاتونوں پر — نہیں سمجھتے مگر پیش نظر تیری مثال

ملک اور قوم پہ احسان ہیں بے حد تیرے — ہو زباں تیری ثنا گر نہیں اس کی یہ مجال

ہے تو عقل و خرد سے تیری محفل روشن — دولت فضل و ہنر سے ترا گھر مالا مال

تو نے تعلیم کی ڈالی ہے بنائے محکم — تجھ کو ہے طبقۂ نسواں کی ترقی کا خیال

مائیں تعلیم کے زیور سے اگر عاری ہیں — تربیت پا نہیں سکتے کبھی اچھی اطفال

طعنہ زن ہوگا زمانہ کوئی دن جاتا ہے — ایسی ماؤں کا نہیں دودھ بھی بچوں کو حلال

مرد لیکن یہ اگر چاہیں کہ نسواں کو نہ پڑھائیں — ایں خیال است جنوں است محال است و محال

مسئلہ مشکل و پیچیدہ ہے یہ کچھ ایسا ہے — کرے گی اسے حل تیری ہی عقل حلّال

صد وسی سال رہے ملک پہ سایہ تیرا

ہوں ترے تابع فرماں شب و روز مہ و سال

دکن کا قومی ترانہ

جلی محفل جہاں ہیں شمع شعور ۔   ہُوا جس سے پیدا ارادت کا نور
دکن بن گیا غیرت اوج طور !   ہُوا سایۂ حق کا جس پہ ظہور

سلامت رہیں بندگان حضور

فلک پایہ ہے آستان حضور   ہے لطف خدا سائبان حضور
سکندر سے ملتی ہے آن حضور   نہیں بلکہ بڑھ کر ہے شان حضور
نوا سنج ہیں مدح خوان حضور   کہ پامال ہوں دشمنان حضور

سلامت رہیں بندگان حضور

پڑا شمس کا ماند سارا نظام   ہُوا جلوہ گر جب ہمارا نظام
رعایا کی آنکھوں کا تارا نظام   ہمیں دل سے اور جان سے پیارا نظام
سکندر نظام اور دارا نظام   غرض خسروی کا سہارا نظام

سلامت رہیں بندگان حضور

خدا نے دیا ہم کو وہ تاجدار   کرم اور شفقت ہے جس کا شعار

ہوا اُس سے قائم ہمارا وقار — وہ آیا تو آئی چمن میں بہار
رعایا ہے سو جان سے اُس پہ نثار — نکلتی ہے دل سے دعا بار بار

سلامت رہیں بندگانِ حضور

یہ سب ہے حاصل داستانِ دکن — کہ آصف ہے صاحب قِرانِ دکن
ہوئے جب سے تم حکمرانِ دکن — دوبالا ہوئی عز و شانِ دکن
دکن جسم ہے تم ہو جانِ دکن — نہیں بلکہ روحِ روانِ دکن

سلامت رہیں بندگانِ حضور

ترے عدل کی گرم بازاریاں — مٹا دیں گی ساری جفاکاریاں
ترے ہاتھ سے رکیں گہرباریاں — تو دامن کو پیش آئیں دشواریاں
کریں گی ہماری وفاداریاں — ترے قصرِ دولت پہ گلکاریاں

سلامت رہیں بندگانِ حضور

حقیقت ہے آئینہ دارِ مجاز — خدا کی طرح تم بھی ہو بے نیاز
گر بے نیازی پہ ہو کارساز — لقب ہے تمہارا رعایا نواز
ہمیں ہے تمہاری حکومت پہ ناز — اگر تم ہو محمود ہم ہیں ایاز

سلامت رہیں بندگانِ حضور

یہ بزمِ جہاں جب تک آباد ہو — شہا تو ہو اور حیدرآباد ہو

نئی شان اگر کوئی ایجاد ہو — تری شوکت و فر نیا ایزاد ہو

قضا کا ترے حکم پہ صاد ہو — بقا تیری دولت کی ہمزاد ہو!

سلامت رہیں بندگان حضور

میکدۂ دکن

عمر حیات ہوئے یا علی امام ہوئے — سبو کی نرگس مستانہ کے غلام ہوئے

علی امام ہیں اور جعفر پلائیں — دکن کے میکدہ میں یہ جلوہ جام ہوئے

بہار ہیں چمن مصطفیٰ کی عثمانی — کہ ان کے خون سے گلرنگ بام و شام ہوئے

ہوئے وہ قدس میں جو زینت حرم کے بچے — ہمارے قتل کے کیا کیا نہ انتظام ہوئے

ہماری آنکھ میں نور آئے کیوں نہ آپ سے آپ

کہ شمع محفل خیر الوریٰ سے نظام ہوئے

ا جون ۱۹۲۰

تقریب سی و چہارم سالگرہ

اعلیٰ حضرت حضور نظام بہ تتبع ذوق دہلوی

مئے عرفان سے جب تک روح کا لبریز ساغر ہو — طراز صفحۂ توحید تا اللّٰہ اکبر ہو

یم الہام میں کشتئ قرآں تا شناور ہو — کلف ایماں میں جب تک گوہر دین پیمبر ہو

الٰہی سایۂ آصف جاہ کا ہم سب کے سر پر ہو

وفا پرور ہوں ہم سب بندہ وہ بندہ پرور ہو

ہے طرۂ تاج گلستاں تیری شوکت حشمت — ہے وجہ افتخار سلطنت تیری دولت و طاقت

معین دین پیغمبر ہے تیری صولت و شوکت — نہیں گردوں فرازوں کو تری نعمت سے کچھ نسبت

(حاشیہ: ہے طرۂ تاج انگلستان کا علم تیری شوکت ہے)

~~نہیں ہے جا اگر جمشید دربان تیرے در پر ہو~~ نہیں ہے جا اگر جمشید درباں تیرے در پر ہو

سکندر بس کہتے ہیں ترا ادنیٰ سا چاکر ہو

کرے طے دور میں جو فضا کا مرحلہ جب تک — ہو فنا ت جہاں کا خورد بینِ تجربہ جب تک

(حاشیہ: تجربہ)

نئے انداز دکھلائے عروس تجربہ جب تک — رہے دنیا میں علم فن کا باقی شغلہ جب تک

ترے علم و ہنر کی قدر سو فیض گستر ہو — ترا طفل دبستاں شاہ افلاطون سو سر ہو

ہے جب تک تمدن سایہ افگن نوعِ انساں پر ہو جب تک لمعہ افگن پرتوِ تہذیب دوراں پر

فضا جب تک ہے باغِ ترقی کی خیاباں پر زمیں کے تختہ کا ہو پاؤں ناگردون گرداں پر

مبارک بادشاہا تجھ کو یہ اورنگ و افسر ہو

دکن تیرے زماں میں نہال رشکِ ہفت کشور ہو

ہے جب تک آسماں پر برق خاطف میں درخشانی ہے جب تک ابر کا زہرہ گرج سے رعد کے پانی

پہاڑوں میں ہے جب تک زلزلہ اور آتش فشانی ہے جب تک بحر میں طوفان اور دریا میں طغیانی

ترا دشمن وبالِ آفات کے صدمہ سے جانبر ہو

بچے ان سے تو اس کا سر تری تیغِ دو پیکر ہو

گماں ہو نرگسِ شہلا پہ جب تک چشمِ فتاں کا مشابہ سنبلِ رعنا ہو جب تک زلفِ پیچاں کا

حمائل ہو رخِ دلدار جب تک ماہِ تاباں کا قدِ جاناں پہ ہو اطلاق جب تک سروِ بستاں کا

عروسِ طبعِ روشن تیری رشکِ مہرِ انور ہو

حسینانِ معانی میں نہ اس کا کوئی ہمسر ہو

ہے جب تک مرتب چرخ پر بزمِ مہ و پرویں ہو جب تک غازۂ چہرۂ نگارِ بہار گل و نسریں

رخِ دلدار پر بل کھاتے ہیں جب تک گیسوئے مشکیں ہو جب تک دخترِ رز کے لئے نقدِ خرد کابیں

تری نسل ہو آباد اور ترا گلشن ثمرور ہو

ترا ساقی سے ہے قائم نہ خالی تیرا ساغر ہو

بہاراں دل میں جب تک جوش ہے جب تک جوانی ہے
تعشق میں نیاز اور ناز ہوتا داستانی ہے

دل و دیدہ کی وہ حالت ہوتا سوز نہانی ہے
ہوں جیسے مچھلیاں خشکی میں اور آنکھوں میں پانی ہے

تمنا ہے تصدق سب سراپا بادشاہ پہ ہو
الٰہی اس پہ کہیں دل ہو کہیں جان ہو کہیں سر ہو

گل افشاں باغباں ہر جا یہ جب تک ہے گلشن
رہے ہے تیغ انجم سے یہ گرد دل کا تا دامن

زمیں میں نقرہ و زر کا رہے موجود تا معدن
در و مرجان کا جب تک بحر میں قائم رہے مخزن

ترے فیض و کرم کا شہرہ کان لعل و گوہر ہو
ترے جود و سخا کا قطرہ بحر قلزم سا سمندر ہو

نہ کیونکر ناز ہو شاہا ہمیں تیری حکومت پر
کب آ سکتا ہے حرف ایسے تدبر اور سیاست پر

ہے تیری سلطنت مبنی اصول عدل و نصفت پر
بنظر ہے رعیت کو ترے لطف و عنایت پر

قصیدہ در مدح آصف جاہ سادس

کیوں نظر آ رہا ہے آج رنگ چمن کھلا ہوا
کس لئے ہے بلبلوں میں آج جوش طرب بھرا ہوا

کون ہے جس کے واسطے چشم براہ خلق ہے
کون ہے جس کا انتظار حوصلہ آزما ہوا

کون ہے جس کا شیدا بنا ہے ہر اک دل
کس کے لئے نگاہ کا دامن فرش پا ہوا

نقد ارادت لئے آج ہم آئے ہیں کس کو نذر
کس پہ نثار ہونے کو حوصلہ ہے تلا ہوا

آئے وہ کس کے تاجدار باغ میں آ گئی بہار
شکر خدائے کردگار نخل امل ہرا ہوا

از سر نو ہوا دکن زندہ ترے زمانہ میں
تو نے جلا دیا وہ چراغ پہلے جو تھا بجھا ہوا

پہلے جہاں تھے خار زار لالہ و گل وہاں ہیں اب
پہلے جو دشت تھا ہے اب صحن چمن بنا ہوا

بخشے تجھے وہ دور ہما نیک پے و خجستہ فال
جس نے ہمیں بنا دیا راستہ علم کیا ہوا

آصف آسماں جناب سے نہیں ہم کو نسبت
بلکہ قریں آفتاب ذرہ تا نیر ہوا

لاکھوں کروڑوں جان نثار ہیں ترے گرد حلقہ زن
ہر طرف اختروں سے ہو جیسے قمر گھرا ہوا

اس کو بھی کیا نصیب تھی تیری سی شان خسروی
نام تو جم کا قصوں میں اپنا بھی ہے سنا ہوا

تیرا وہ سینہ شہا جام جہاں نما کہیں
خلق کی حالتوں کا حال جس سے نہیں چھپا ہوا

تیری نظر وہ کیمیا ہے جسے ڈھونڈتے ہیں ہم — اٹھی اُدھر نگہ تیری بخت ادھر رسا ہوا

کیوں نہ غرض کے نقطے سے اپنی لغات [illegible] — فضل خدا سے ہے بہت ہم کو نزار دیا ہوا

اڑ گئے بجھ کے دھوئیں ہو گیا ابر آب آب — جلوہ فروش حسب کرم بادشہا ترا ہوا

(سبحان اللہ)

ان کو دماغ نکہت نسترن و سمن کہاں — جن کے لئے حضور کا لطف شمیم سا ہوا

جب تک اٹھیں اور دعا میں ہو معاملہ ہے — چشم تیری پھری ہوئی رنگ تیرا جا ہوا

صفحۂ دہر پر ترے دشمن بد نہاد کا
حرف غلط کی طرح سے نام مٹا ہوا

فروری ۱۹۰۷ء

آصف جاہ ہفتم اور جامعۂ اسلامیہ علیگڑھ

پس از سی روزہ عید آمد تعالی اللہ چہ عیدستے
کہ عشرت را کلید ستہ و دولت را نویدستے

ہمانا شاہدستے تاشد ملیح و چابک و رعنا
کہ در بر عالمش در حالت مستی کشیدستے

غلط نبود اگر نامیدمش آں قطرۂ شبنم
کہ در ایام گل وقت سحر از گل چکیدستے

بہ مسند میر عثمان علی جلوہ آرا شد
جہانتاب آفتابے در دکن دیگر دمیدستے

نظام الملک آصف جاہ ہفتم سایۂ یزداں
کہ لیلش لیلۃ القدر است و روزش روز عیدستے

گہر پاش است و زرپاش است دست او بہ بذل آید
بعہد جود او رنگ از رخ حاجت پریدستے

نگاہش گر بہ یونیورسٹی افتد عجب نبود
کہ وقت چارسنہ گیری ز شاہنشہ رسیدستے

بتقریب مراجعت اعلیحضرت آصفجاہ سادس از سفر دہلی

اس قدر فکر کے دریا میں ہے کیوں طغیانی — کیوں ہے سیلاب مضامین میں یہ بے پایانی
کس لئے شہپر اندیشہ ہے اس درجہ بلند — توسن وہم میں اس درجہ ہے کیوں جولانی
جوہر طبع کے آگے ہے ثریا کیوں ماند — پھیرتا آب سخن نور پہ ہے کیوں پانی
نثر انجم یہ ہے کس واسطے یوں چشمک زن — گوہر نظم میں اس درجہ ہے کیوں غلطانی
عقل سے مسئلہ جس وقت یہ پوچھا میں نے — بولی اے غوطہ زن لجۂ سرگردانی
آج دہلی سے پلٹتا ہے دکن کو وہ شاہ — جو کہ دولت میں ہے جمشید و فریدوں ثانی
ہے شجاعت میں جو یکتا ہے تہور میں فرد — شیر کا زہرہ مقابل میں ہے جس کے پانی
سچی عظمت کا دیا تمغہ خدا نے جس کو — جس پہ ہے سایہ فگن موہبت یزدانی
طبع وقاد ہے جسکی ہے نویں جسکی رائے — جس کی ہمت کی بلندی ہے فلک سے عالی
غیر ممکن ہے کہ گر مل کے کریں صبح و مسا — اس کی درگاہ پہ اسکندر و جم دربانی
آج اس خسرو ذیشاں کی ہے آمد آمد — جو کہ ہے مہبط فضل و کرم ربانی
موجزن ایک نقطہ تجھ ہی میں یہ جوش نہیں — مطلع دہر اسی واسطے ہے نورانی

باد پیری میں یہ نہیں یوں ہی نرالا جوبن — بے سبب کاہکشاں کی نہیں یہ افشانی

مست بے وجہ نہیں کرتی مشام جاں کو — نکہت یاسمن و بوئے خوش ریحانی

ہے ابھی واسطہ زور دل پہ طبیعت تیری — ورنہ ظاہر تھی تری بے سر و سامانی

یہی باعث ہے کہ آراستہ ہے آج سخن — طوطئ طبع تیری ہو شکر افشانی

ہے قلم آج ترا رشک عصائے موسیٰ — لحن داؤد کی غیرت تری خوش الحانی

نقش ہے آج ترا رشک نگار ارژنگ — اور تحریر تری غیرت نقش مانی

آج وہ ساعت فرخ ہے کہ نئے ہیا ہو ذرا — تجھ پہ گر رشک کریں انوری و خاقانی

عقل سے سن کے حقیقت یہ تمام اور کمال — بات جی میں یہی میں نے وہیں اپنے ٹھانی

کہ الاپوں وہی سُر اس نے جسے چھیڑا تھا — تا ہو اس کام کی مشکل میں سب مجھے آسانی

تجھ پہ نازاں ہے دکن خسرو دین شوکت — ہند کو فخر ہے تجھ پر کہ ہے تو لاثانی

ہند میں عظمت اسلام کی منزل کیلئے — ذات اقدس پہ تیری ختم ہے پشتیبانی

خون بہانے کو ہے تیار رعایا کیلئے تیری — ٹپکے جس جا ترا شاہا عرق پیشانی

دیکھتا تیغ و یمین کو ہے کال آنکھ سے تو — تیرا مذہب ہے اگر کوئی تو ہے یزدانی

عہد محبوب علی خاں کا ہے ایسا جس میں — عیش ہے زندہ جاوید تو غم ہے فانی

اب بھی قسمت ہو اگر یہ سر بد خواہ و دشمن — فلک پیر تو اس کی ہے بڑی نادانی

اے دکن ہر ایک یہ ہے تو شاد و خوش — نام اوا نے خود حبل متین سے والی

ہز امپیریل میجسٹی اور ہز میجسٹی

اے شہنشاہ آفتاب رکاب — اے جہاندار آسماں درگاہ
آصف مدظلہ العالے — جس پہ نازاں ہے مسند اور کلاہ
جو کہ چشم و چراغ مشرق ہے — جس پہ دنیا کی پڑ رہی ہے نگاہ
وہ تجھے وجہ قوت بازو — تو اُسے موجب فزونی جاہ
ایک سورج تو دوسرا ہے چاند — چرخ دولت کے تم ہو مہر اور ماہ
ہے یہ تیری دلیل رفعت شاں — کہ شہنشاہ تو ہو وہ ہو شاہ
چال وہ چل شہنشاہا کہ بڑھے — یورپ اور ایشیا میں رسم و راہ
چوم لے ایشیا قدم تیرے — دیں تجھے ہم دعائیں شام و پگاہ

تو ہز امپیریل میجسٹی ہے
ہز میجسٹی نہ کیوں ہو آصف جاہ

---

۲۲ ستمبر ۱۹۱۱ء

آموں کا شکریہ

بھیجے ہیں مجھ کو آم جلالت مآب نے
ذرّے کو سرفراز کیا آفتاب نے

ساقی ہے بادشاہ گدا ہے قدح بدست
کچھ آج ہی تو لطف دیا ہے شراب نے

غالب سے میں نے عالم اشراق میں کہا
تعریف کی ہے آم کی اچھی جناب نے

کثرت ہو اور مٹھاس ہی گر وصف آم کا
اس وصف میں تو نام اچھالا ہے راب نے

پھر کیوں نہ شیرہ پیجیے اور رس ہی کھائیے
جس کے مزے بہائے ہیں کولھو کی داب نے

کہنے لگے سمجھتے ہیں کیا آپ آم اسے
ترکیب جس کو دی ہو نبات اور گلاب نے

میں نے کہا ہے آم وہی جو لطیف ہوں
چھانٹا ہو ان کو پھر نظر انتخاب نے

اور انتخاب بھی ہو حضور نظام کا
شرما دیا ہے چاند کو جن کی رکاب نے

کھائی ہیں میں نے قاشیں ان آموں کی کاٹ کر
پالا تھا شہد ناب کو کوثر کے آب نے

یہ آم وہ ہیں جن کی لطافت مذاق میں
گھولی ہے حور عین کے دہن کے لعاب نے

حسرت سے میرزا نے یہ میرا بیاں سنا
خاموش کر دیا انہیں میرے جواب نے

۱۷ جون سنہ ۱۹۲۰ء

سفینۂ امّت

خزاں رسیدہ چمن کو طیور زمزمہ سنج
نوید آمدِ فصلِ بہار دیتے ہیں

زمانہ قید کا برطانیہ کے زندانی
مصیبتوں میں خوشی سے گزار دیتے ہیں

وہاں بڑھی ہوئی جتنی ہے منزلت جسکی
یہاں ابھی قدر اس کو فشار دیتے ہیں

نبیؐ جہاز سے طوفاں میں اپنی امت کو
کنارہ پر بسلامت اتار دیتے ہیں

دکن ہے جو سلامت یہی غنیمت ہے
وہ کب نظام کو واپس بہار دیتے ہیں

خطاب به مسافر اروپا

ترا چوں خلق گوید صاحب تاج و نگین استی
همیں یک حرف برخوانم امیر المسلمین استی

امان الله اسمے بود و تو او را مسمّائے
همانا دولت إنّا عرضنا را امین استی

سرت گردم بکام اندر ترا نوش است و نیشی هم
سم استی دشمناں را دوستاں را انگبین استی

نه تنها کابل از وارائیت بر خویش مے بالد
که فخر جمع اسلام از مراقش تا به چین استی

مرال از گوشهٔ خاطر شتربانانِ بطحا را
اگر بر پشت قلزم بسته زینِ آهنین استی

لاہور ۱۳ دسمبر ۱۹۲۷ء

اعلیٰ حضرت امیر امان اللہ خاں

امان اللہ خاں برائے دادن جاں خود در راہِ اسلام ہمیشہ حاضر است

خدا ہی دے سکے گا اجر امان اللہ خاں تجھ کو
بنایا جس نے ناموس نبیؐ کا پاسباں تجھ کو

رسولؐ اللہ خود آ کر تری عزت بڑھاویں گے
کہ ذلت ملّتِ بیضا کی گزری ہے گراں تجھ کو

دکھا دے چیر کر اسلامیوں کا سینہ یورپ کو
یہ منصب سونپتا ہے کشورِ ہندوستاں تجھ کو

خلافت کی حمایت میں ہمارا نامہ بر ہو جا
بناتے ہیں مسلمانانِ ہند اپنی زباں تجھ کو

نثارِ اسلام پر ہونے کو تو ہر وقت حاضر ہے
مسلماں دیں اور دنیا میں دیکھیں کامراں تجھ کو

---

۲۵ اپریل سنہ ۱۹۳۰ء

نقشِ عید برنگِ امیّد

یہ عید ہو ہر ایک مسلماں کو مبارک
اور کشورِ اسلام کے سلطاں کو مبارک

نکلی ہوئیں اسلامیوں کے دل سے دعائیں
ناموسِ خلافت کے نگہباں کو مبارک

قفقاز و اناطولیہ سے تا بہ سمرقند
یہ وقت ہو ہر صاحبِ ایماں کو مبارک

ہو خسروِ کابل کیلئے صبح یہ مسعود
اور حضرت عثمان علی خاں کو مبارک

یہ عید تو اک زندگیٔ نو کی ہے تمہید
وہ زندگیٔ نو ہو مسلماں کو مبارک

مستقبلِ اسلام ہے ماضی سے ہویدا
اس آئینہ کی سیر ہو دوراں کو مبارک

آتیکو ہے جو فصلِ بہار اپنے چمن میں
سرو و سمن و سنبل و ریحاں کو مبارک

دنیا کی فضا جس سے ہے اب بھی مترنم
وہ نغمہ ہو مجھ جیسے غزل خواں کو مبارک

میں راہ سپرِ کعبہ ہوا ہوں مگر اے کاش
تلوے ہوں مرے خارِ مغیلاں کو مبارک

اے سید عالی گہر اے فاتحِ مظلوم
ہوں پاؤں ترے حلقۂ جولاں کو مبارک

غافل ہے فَرَقْنَا بِکُمُ الْبَحْرَ سے فرعون
یا رب یہ ندا موسیٔ عمراں کو مبارک

ہندی کیلئے شیوۂ ظفر کا بھی ہے محمود
طرزی کی اگر طرز ہے افغاں کو مبارک

غازی امان اللہ خاں کے مشکوئے معلی میں مولود مسعود کا تولد

ایسے مولود ہوا کرتے ہیں کم تر پیدا — جن کی تعظیم کو ہو فتنۂ محشر پیدا

گرچہ معمورۂ قندھار امرکوٹ نہیں — گھر ہمایوں کے ہوا ہے مگر اکبر پیدا

باپ ہے مہر منیر اور ثریا ماں ہے — کیوں نہ مولود بھی ہو ماہ منور پیدا

اس کے اقبال کا نقارہ بجے عالم میں — اس کی دولت سے ہوں دارا و سکندر پیدا

اس پہ اللہ کا اور اس کے نبی کا سایہ
اس کی تائید کو ہوں غیب سے لشکر پیدا

---

۲۳ جنوری ۱۹۲۹ء

الوداع

از نهاد مشرق آهی جسته مانند شرار — برق غیرت شد امان الله خان نامیدش

تا به دهلی از بنارس تاخت بر دلهای خلق — تاجدار کشور هندوستان نامیدش

آمد اندر دل به آئینی که محشر خواندش — رفت از پهلو به تمکینی که جان نامیدش

از جبینش آشکارا شان تسلیم و رضا — کاروان سالار ابراهیمیان نامیدش

باش تا بینی که تیغش بازگردد بی نیام
منکران را حجت آخر زمان نامیدش

---

۲۸ مئی ۱۹۲۹ء

غازی امان اللہ خاں

غمِ امت میں ہے چشمِ پیمبر اشکبار اب بھی
گہر ریزی میں ہے مصروف ابرِ نوبہار اب بھی

ہوا ہے دامنِ گل چیں ہی کوتہ ورنہ گلشن میں
وہی ہیں لالہ و گل اور وہی اُن کی بہار اب بھی

دلِ وحشی سے اس پھندے میں الجھا ہی نہیں جاتا
ہے برہم ورنہ پہلے کی طرح زلفِ نگار اب بھی

اگر پہلو میں دل ہو اور تڑپ اسلام کی دل میں
برس سکتا ہے ابرِ رحمتِ پروردگار اب بھی

سلیقہ مے کشی کا ہو تو کر سکتی ہے محفل میں
نگاہِ لطفِ ساقی تشنگی کا اعتبار اب بھی

گر اپنے خون سے کر سکتا ہو تو اس کی حنابندی
عروسِ ملک ہو سکتی ہے تجھ سے ہمکنار اب بھی

فضائے بدر پیدا کر فرشتے تیری نصرت کو
اتر سکتے ہیں گردوں سے قطار اندر قطار اب بھی

اچھالی جس نے ہر طوفاں میں کشتی اہلِ ایماں کی
مسلمانوں کا بیڑا کر وہی سکتا ہے پار اب بھی

وہی ہے رشتہ جس نے ترک کا افغان سے جوڑا
وہی ہے اُن کے اعدا کو جو کر سکتا ہے خوار اب بھی

وہی ہے جس کے لطفِ خاص کے وہ بندے صدقے میں
اخوت ہے مسلمانانِ عالم کا شعار اب بھی

مسلمانوں کی پھر منظور تھی اس کو سرفرازی
خدا نے کر دیا پیدا امان اللہ خاں غازی

۱۹۲۳ء

افق پہ ہلال عید دیکھ کر

غازی امان اللہ خاں کی دعا

شکر تیرا لطف ہے وجہ نمود کائنات
اے کہ شامل رحمتیں تیری ہیں خاص و عام کو

شکر کہ تیرے نور نے گلزار کائنات روشن کیا
قصر گیتی کے در و دیوار و سقف و بام کو

اے کہ خلاق شہی نازاں ہے جس کی ذات پر
جس نے بخشی ہے بقا اور حیات اقوام کو

بخش پھر سے ناتوانوں کو توانائی وہی
جس نے دنیا میں کیا تھا سربلند اقوام کو

رو چکا ہے نام عالم میں مسلماں کا بہت
اپنی یکتائی کا صدقہ پھر اچھال اسلام کو

جو چلا آتا ہے شب ہیں ابھی تک سحر نہیں
پھر اسی تجلی سے منور کر ہماری شام کو

عید کا یہ چاند لایا ہے نوید فتح بھی
تاکہ اس کی روشنی میں گردش ایام کو

کشور ہندوستاں کے سر پہ رکھ عزت کا تاج
تاکہ آزادی ملے مصر و عراق و شام کو

ایشیا کو نشۂ توحید سے مسرور کر
تاکہ ہم پہنچائیں یورپ تک ترے پیغام کو

"نیرنگ خیال"
لاہور

عید نمبر
۱۹۲۹ء

[illegible]

تاجدارِ افغانستان امان اللہ خان غازی سے خطاب

اعلیٰ حضرت کے عزم یورپ کی تقریب پر

اے سایۂ جلال خداوند کائنات
ہیں جمع تیری ذات میں اسلام کی صفات

مغرب کے حلقہ حلقہ میں رخشاں ترا فروغ
مشرق کے ذرہ ذرہ میں تیری تجلیات

ہیں زندہ تجھ سے غزنویوں کی روائتیں
اب تک ہے جن سے لرزہ براندام سومنات

کابل میں تیرے طنطنۂ خسروانہ سے
حل ہو رہی ہیں ملت بیضا کی مشکلات

ہندوستان کو بھی تری ہمت بلند
دیتی ہے درس نکتۂ آزادیٔ حیات

یورپ کی سیر کے لئے جا اور خوشی سے جا
اور جاتے جاتے سن لے ہماری بھی ایک بات

وقت سحر قریب ہے پھٹنے لگی ہے پو
اور ختم ہونے کو ہے سیہ بختیوں کی رات

کر جا کے تو ہبوں پہ کا علم بلند
دیں کا جو ہو حلیف ملا اس کو اپنے سات

اس چشم جادوانہ کی افسوں گری سے بچ
اب تک نہ جس سے بابلیوں کو ملی نجات

اسلام رکھ کے ہار دے باقی ہر ایک نرد
پھر تیری جیت ہے ز قبیل مسلمات

شاہا دو رخ بدہ و دل آرام را مدہ
فیل و پیادہ پیش کن و اسپ کشت مات

اسلام کا مہر درخشاں غازی امان اللہ خاں

امان اللہ خاں فخرِ سلاطینِ زماں تو ہے
کہ ناموسِ رسولِ ہاشمی کا پاسباں تو ہے

تری دہلیز کو آکر فرشتے چوم لیتے ہیں
کہ خاکِ آستانِ سرورِ کون و مکاں تو ہے

مسلمانوں کی دنیا پر اگر ہے نوح کا طوفاں
تو طوفاں میں بہ رنگِ موج گوناگوں نشاں تو ہے

ہمارے دردِ دل کی شرح تیری نطق نے کر دی
ہمیں کیا ڈر ہو جب ہم بے زبانوں کی زباں تو ہے

ترا نور ایشیا کو مطلعِ انوار کر دے گا
چراغِ ایزد افروز امان اللہ خاں تو ہے

عدو خاں چارہ گر ہے آپ محمل کی گرانی کا
نہیں کچھ کارواں کو غم کہ میرِ کارواں تو ہے

نہیں برطانیہ کو خوف کچھ بھی امن کا جب تک
رفیقِ تاجدارِ کشورِ ہندوستاں تو ہے

امان اللہ خان غازی رب کعبہ کے آستانہ پر

اے کہ از خطہ روما بحجاز آمدہٗ جاں فدائے تو کہ اسلام نواز آمدہٗ

بر در کعبہ خروشے است کہ صد قافلہ جاں ہمہ تن بت شکنے کرد بہ رہ ناز آمدہٗ

سینہ ہا مال تو شد در رہ ایماں با ثبت پیچ ہا مال بپیچ رگِ سینہ بنیاز آمدہٗ

سایہ رحمت سالار دو عالم بسرت کہ بہ درگہش از راہ دراز آمدہٗ

وقت آن است کہ از نازِ تو گیرند خاک بطون

کہ جبیں سودہ بدرگاہ نیاز آمدہٗ

---

۲۵ اپریل ۱۹۳۱ء

غازی امان اللہ خاں

بھری محفل میں پھر اپنی دلِ آزاد ستاں کہیے
پھر اپنے بخت کو اور اپنی دولت کو جواں کہیے

کہاں تک شکوۂ بے مہریٔ دورِ فلک لکھیے
کہاں تک قصۂ بیدادِ ابنائے زماں کہیے

پھر اک نامہ لکھیے ملتِ بیضا کی شوکت کو
اور اس کے زندہ پیکر کو امان اللہ خاں کہیے

جسے لکھیں کبھی اورنگ زیب اس دورِ فرخ کا
جسے اپنے زمانہ کا کبھی الپ ارسلاں کہیے

مسلمانانِ مشرق کی نگاہیں اس سے قائم ہیں
اسے ہندوستاں کے بے زبانوں کی زباں کہیے

لگائے چار چاند اسلام کو اس کی جوہر بینی نے
اسے شرعِ نبی کی آبرو کا پاسباں کہیے

پھر علم و حکمت سے اگر معمورہ کابل
تو اس کو ماہ کہیے مہر کہیے خاوراں کہیے

مسلماں آج بھی ہیں زندہ جس کا نام لے لے کے
اسے اس سطوتِ کبریٰ کی رفعت کا نشاں کہیے

بنایا کفر کو جس نے خس و خاشاک کی صورت
اسے دینِ حجازی کی رگوں میں سیلِ رواں کہیے

کبھی محمودِ غزنی کو جس بجلی نے تڑپایا
وہ چشمک زن ہے خیبر کے سوا اور اب کہاں کہیے

لاہور ۲۵ فروری ۱۹۲۷ء

نوید غیب

اڑتی سی اک خبر ابھی آئی ہے غیب سے
دار الامان میں ایک نئے انقلاب کی

کابل کی خاک لا نہیں سکتی زیادہ تاب
موجودہ دور کے ستم بے حساب کی

یا رب ہو قطع سلسلہ ظالم کے جبر کا
شام و سحر دعا ہے یہ اک شیخ و شاب کی

پیاسے جو تھے وہ تا بہ سر آب آ گئے
اور جاننے لگے ہیں حقیقت سراب کی

یاد آ رہی ہے ہر دل احسان شناس کو
آج اپنے تاجدار ثریا جناب کی

ہوتا ہے پھر بلند امان اللہی علم
دیتی ہے جس کو بوسہ کرن آفتاب کی

---

۲۰ مارچ ۱۹۳۱ء

ڈوبے ہوئے بیڑے کے اچھلنے کی تمنا

امان اللہ خاں بد دل نہ ہو وہ دن بھی آتا ہے
کہ پھر چل کر تری دولت ترے گھر سر کے بل آئے

ترا صبر آسماں سے کھینچ لائے حق کی رحمت کو
اور اس رحمت کا چشمہ تیرے قدموں میں ابل آئے

پھریرا تیرا پھر لہرائے قندھار اور غزنی پر
ترے قبضہ میں کابل آئے اور ساتھ اس کے بل آئے

چمک جائے لئے جلوے پھر تیرا اقبال مشرق میں
یہ سورج جب حجابات پردۂ شب سے نکل آئے

مشقت در گوارا ہو نہیں سکتا ترا جانا
نظام ایشیا میں جب کہ جاتے ہی خلل آئے

ہنوز بن نا امیدی کی گھڑی ہی یہ بیک لیکن
عجب کیا ہے کہ یہ بیڑا غرق ہو کر پھر اچھل آئے

کہ ہم نے انقلاب چرخ گرداں یوں بھی دیکھے ہیں

---

۱۵ جون ۱۹۲۹ء

کابل کے گدھے

ہوا کرتے ہیں پیدا رات دن ستّوں کے گھر بچے
مگر ہر روز امان اللہ خاں پیدا نہیں ہوتے

بہت سے تاجدار اب بھی نظر آتے ہیں دنیا میں
مگر اس شان کے صاحب قِراں پیدا نہیں ہوتے

رقیب رو سیہ جس سے سر اپنا رات دن پھوڑے
بآسانی وہ سنگ آستاں پیدا نہیں ہوتے

وہ جب ہو جو دبے تم ہی تو کس منہ سے یہ کہتے ہو
کہ ناموس نبی کے پاسباں پیدا نہیں ہوتے

نشاں اپنا مٹایا آپ اور اس پر یہ شکوہ ہے
مسلمانوں کی عزت کے نشاں پیدا نہیں ہوتے

گدھوں کی آج کل کابل میں ہے ایسی فراوانی
گماں ہونے لگا انساں یہاں پیدا نہیں ہوتے

۱۸ جنوری ۱۹۲۹ء

اورنگ زیب کی زنار سوزیوں کا افسانہ

کہتے ہیں کھانا نہ کھاتا تھا کبھی اورنگ زیب
بتکدے جس وقت تک دو چار ڈھا لیتا نہ تھا

تکیے سے سر کو لگا کر وہ نہ بیٹھا تھا کبھی
مندروں کی مسجدیں جب تک بنا لیتا نہ تھا

بات تک کرنی اسے دشوار تھی دربار میں
کلمہ جب تک بت پرستوں کو پڑھا لیتا نہ تھا

لوٹتا رہتا تھا انگاروں پہ اگلی صبح تک
آگ میں زنار اگر دن بھر جلا لیتا نہ تھا

تیغ کو رکھتا تھا عریاں ہاتھ میں جس وقت تک
ہندؤں کے خوں سے پیاس اسکی بجھا لیتا نہ تھا

کوئی دن ایسا نہیں گذرا ہے اسکے عہد میں
جب وہ گنتی کلمہ گویوں کی بڑھا لیتا نہ تھا

گر یہ سچ ہے پھر یہ سب ہندو کہاں سے آ گئے
ہوں گے تارے ٹوٹ کر جو آسماں سے آ گئے

لا اله الا الله محمد رسول الله

بنظر انور ملازمان صدر صفه شهریاری و مهر سپهر تاجداری خاقان ابن الخاقان سلطان بن سلطان
شهنشاه بحر و بر خادم الحرمین الشریفین امیر المؤمنین خلیفة المسلمین اعلیحضرت سکندر شوکت
سلیمان حشمت محمد خان خامس مد ظله العالی خلد الله ملکه و افاض علی العالمین بره و احسانه

بسلطان مع از غلامانش همین یک التجا باشد — که مادر پای او پیشیم و او در چشم ما باشد

خلافت مدعا جوید که ما از آنِ سلطانیم — الوہیت ہمی گوید که او از آن ما باشد

مسلمانان عالم را مثال اختران بینیم — محمد خامس اندر اختران بدر الدجی باشد

ز دست رفت اگر رومیلیا دل بد مکن شاها — بدست آوری ملکی که با حبش آسیا باشد

مسخر کشور دل را نمود اقبال سلطانی — همی نازیم جانها را که بر رایت فدا باشد

بیک جنبش گر ابرو بیت اشارت می کند ما را — ز مشرق تا به مغرب صد قیامت رونما باشد

هلال از بدر شد کامید بخشش لازم بود ما را — خوش آن کاهش که صد افزونیش اندر قفا باشد

مدد اسے دشمنانِ ملتِ بیضا ازاں ساعت — کہ در دستِ امیر والسئے مصطفیٰ باشد

حدیث انتم الاعلون از یادم نخواہد رفت — محال است ایں کہ مغلوبِ امتِ خیر الوری باشد

اگر خونش حیاتِ تازہ بخشد جسمِ مذہب را — بخون غلطیدنِ ملت بکیشش مدعا باشد

پیامِ الفت از دہلی بہ استنبول آوردم
مثالِ بوئے گل ہستم کہ بر دوشِ صبا باشد

قسطنطنیہ ۲۲ رجب ۱۳۳۱ھ

غازی محمد عبدالکریم قاید مجاہدین ریف

اے کہ کھینچے ہوئے اسلام کی صمصام ہو تو
آج کل سب سے بڑا غازیٔ اسلام ہے تو

اپنے اوپر تجھے ہسپانیہ کرتا ہے قیاس
یعنی کہتا ہے کہ خورشید لب بام ہے تو

تیری ہیبت سے ہوا لرزہ بر اندام فرانس
اس کی سطوت کے لیے موت کا پیغام ہے تو

مصطفیٰ مشرق ادنیٰ میں ہے جس پہ نازاں
کر رہا مغرب اقصیٰ میں وہی کام ہے تو

خالد و طارق و محمود تھے جس سے سرشار
اسی صہبا کا چھلکتا ہوا اک جام ہے تو

پھر زمانہ کو دکھا شوکت اسلاف کا رنگ
اے کہ کھینچے ہوئے اسلام کی صمصام ہو تو

---

۶ مئی سنہ ۱۹۲۶ء

اسلامی روایات

کہہ دو یہ سر آغا سے کہ توحید کے فرزند — خود اپنے خلف سے طلب امداد کریں گے

ہرگز نہ گداؤں کے سے جائیں گے لندن — ترک آج سے یہ شیوۂ معتاد کریں گے

تثلیث کے گھر میں اور لندن جا کے شکایت کریں — مظلوم جب اللہ سے فریاد کریں گے

اسلام کے دربار سے جو فیصلہ ہوگا

انگلینڈ اسی فیصلے پر صاد کریں گے

فرزندانِ سرحد

ملک الموت کو خاطر میں نہ لانے والے
گولیاں تانے ہوئے سینوں پہ کھانے والے

قبر تک جبر کو سہتے ہوئے جانے والے
صبر کا معجزہ دنیا کو دکھانے والے

رنگ اسلام کا محفل میں جمانے والے
اپنے ہی خون شہادت میں نہانے والے

اپنے اقبال کا نقارہ بجانے والے
ناچ طاغوت کو تگنی کا نچانے والے

دل کی بستی کو محبت سے بسانے والے
شیخ کا جوڑ برہمن سے ملانے والے

ہندوؤں کے لئے گھر بار لٹانے والے
شیوۂ ایثار زمانہ کو دکھانے والے

کشورِ ہند کو آزاد کرانے والے
نام مشرق سے غلامی کا مٹانے والے

جانتے بھی ہو کہ کس خاک سے اٹھی ہے یہ قوم
جس کے گن گاتے ہیں اور گائیں گے گانے والے

فخر ہے صوبۂ سرحد کو کہ اس کے ذرے
ہیں خمیر اس کی شجاعت کا اٹھانے والے

دنگ ہیں دیکھ کے اس قوم کے یہ رنگ ڈھنگ
ناحق الجھنے اور اس سے ٹکرانے والے

سجن فرنگ، گجرات پنجاب

پیغامِ بقا

مے گُشو! مژدہ! کہ یثرب کی شرابِ گلرنگ
ہو کے کشمیر کی بھٹی سے کشید آتی ہے

منتظر حلقۂ توحید تھا جس ساعت کا
خوش ہو لاہور کہ ساعت وہ سعید آتی ہے

اسی خطے سے جو کل تک تھا غلامی کا نقیب
آج آزادیِ کامل کی نوید آتی ہے

قاصدِ احرار کا چنیوٹ گیا خط لیکر
کاغذِ سرخ پہ اس خط کی رسید آتی ہے

کچھ بھی تو ملتِ بیضا کو کفن کا نہ رہا
ہے کہ پیغامِ بقا نعشِ شہید آتی ہے

لاہور ۳ نومبر ۱۹۳۱ء

قدول باغی فتنہ

فرماتے ہیں امام شریعت ہمارے کے ‏ — تقلید شیوۂ حسن سمجھا کرو
مانا انہوں نے کو نہ کا جس طرح اقتدار ‏ — تم بھی قدول باغیوں کی اقتدا کرو
شرعاً اگر روا تھی امامت یزید کی ‏ — پھر کیوں نہ آج بھی وہی سنت ادا کرو
امت کو افتراق سے جس نے بچا لیا ‏ — اس اسوۂ حسن کا وظیفہ پڑھا کرو
جب جاہلوں سے عہد برا تم نہ ہو سکے ‏ — پھر مصلحت یہ ہے کہ انہیں کا کہا کرو
ان سب کے رہنما کی قیادت کرو قبول ‏ — اس وقت کے امام کا جھنڈا کھڑا کرو
اس ملک کی نجات محمد علی سے ہے ‏ — جو راہ وہ دکھائے اسی پر چلا کرو
ازبسکہ تم ہو فن سیاست سے نابلد ‏ — درس اس کے سب نکات کا اس سے لیا کرو
اس در کے آستانہ پہ لے جائے گر تمہیں ‏ — اس کا طواف شوق سے بے شک کیا کرو
گر عالمان دین کو سنائے وہ ٹیڑھیاں ‏ — ان پہ گمان خلق رسول خدا کرو
القصہ عافیت ہے اسی میں کہ آج کل ‏ — جو کچھ کہے یہ جاہل عالم نما کرو
حق میں نہیں ہے تاب کہ ہو خنجر آزما ‏ — باطل کا حکم ہے کہ بھی سے دبا کرو

تلقین کی ہے حضرت سجاد نے یہی — یعنی یاد واقعۂ کربلا کرو

سہمے ہوئے ہو کیوں سفہا کی پکار سے — آزادیٔ ضمیر کا غوغا بپا کرو

ان کا علم گرا ہے اگر کانپور میں — دہلی میں سر بلند تم اپنا لوا کرو

سر سے کفن لپیٹ لو اور اپنی جان کو — ناموس شرع مصطفوی پہ فدا کرو

جب پڑ رہی ہے زد علما کے وقار پر — لازم نہ تھا مظاہرہ اس عجز کا کرو

کچھ بھی نہیں ہے فائدہ اس سعد و شین سے
نسبت تمہیں جو حسن سے ہے ہم کو حسین سے

---

۲۲ دسمبر ۱۹۲۹ء

سنت اسلاف

کلکتے میں ناچی ہیں کراچی کی بلائیں
معشوقۂ لندن کی ہیں یہ تازہ ادائیں

خیبر کو ہلا دیں گی ملیبار سے اک روز
پنجاب سے اٹھی ہیں جو گھنگھور گھٹائیں

اسلاف کی سنت کو کریں تازہ مسلماں
اور خون شہادت کے سمندر میں نہائیں

زنجیر کی جھنکار سے زنداں کو ہلا کر
ان کو بھی جو فرزند ہیں دیوانہ بنائیں

اسلام اور ایمان کی پہلی ہے یہی شرط
میدان میں کفن سر سے لپیٹے ہوئے آئیں

سر پہلے ہتھیلی پہ ہو پھر نوک سناں پر
نظارہ پھر اک بار یہ دنیا کو دکھائیں

بیداد کی لعنت سے کریں پاک وطن کو
آفاق سے آثار غلامی کے مٹائیں

ہے جن کے سلاطین کا اقوام میں شہرہ
پرچم وہی آزادیٔ کامل کا اڑائیں

انجمن اصلاح تمدن حیدرآباد کا سالانہ جلسہ ۱۹۰۳ء

عندلیب زار کو تسکین گلبن چاہیے
قوم کو تہذیب و اصلاح تمدن چاہیے

نغمۂ دوشینہ آہ دل وارستہ تھا
چھیڑنی اب ہم کو شور افگن کوئی دھن چاہیے

اے خدا اب قوم عاجز ہے پئے سنگ بلا ہی کیلئے
تجھ کو بہر دفع اک نیا سنگ فلاخن چاہیے

چاہیے پیہم کو شوق و ذوق درس علم و فضل
ہم کو سائنس کی رٹوں رٹوں اور تن تن چاہیے

چاہیے غیروں کو ہمت اور ہمیں دوں ہمتی
استقامت ان کو اور ہم کو تلوّن چاہیے

گھر میں کھانے کو نہ ہو شادی بیاہوں میں مگر
قرض ہی لے لے کے پیسا تا ہمیں پن چاہیے

کچھ نہ ہم سمجھے کہ کیا ہیں معنی لاتسرفوا
صرف ہی اپنی حکایت کا تقابن چاہیے

ہم زنکبت میں گھر رکھتا کہاں تک آسمان
آخر اس کی کوئی حد تباون چاہیے

عزم کر بیٹھے ہیں جب آ پہنچا ان وقت
قوم کو اک بزم اصلاح تمدن چاہیے

اس نے ٹھیرایا ہے مقصد اپنا اصلاح رسوم
عقدہ سمجھیں ہیں تو کھلنا اس کو ناخن چاہیے

سرپرست اس انجمن کے کرنل افسر جنگ ہیں
تجھ کو بھی اے سلطنت مشق تعاون چاہیے

وقت آپہنچا کہ ہو مسدود باب اختلاط
جڑ میں ملک بنیاد ہی رسموں کی اب کن چاہیے

شکیں جس سے ہفت عظمیٰ کے ہو اوچھا — نقل اسپ شہسوار عرصۂ کن چاہیے
قوم میں پیدا ہو جس سے جوہر مردانگی — ہم کو تفریح ایسی اور ایسا تفنن چاہیے

قوم وہ اچھی ہے جس کی ہوں اچھی تمام
ہر سبب قوم میں ہونا یہی گُن چاہیے

ہرمزان

وہ تیغ جس کی چمک برق طور کے مانند — بنی تھی روشنی دیدۂ جہاں کے لئے
چلائی سعد نے جب قادسیہ میں آکر — تو قدسیوں نے قدم آکے تیغ راں کے لئے
اس ایک فتح نے ایران کر لیا تسخیر — رہی نہ کوئی کمی دودۂ کیاں کے لئے
مقاومت کے دکھلائے عدو نے گر جوہر — یہ فخر وقت تھا بازوے ہرمزان کے لئے
گئی عجم کی غنیمت مدینہ کو جس وقت — کہ تھا وہ منتظر اس گنج شائگاں کے لئے
تو ہرمزان کے بارہ میں سعد نے لکھا — بلایہ ایک ہے اسلامیوں کی جان کے لئے

ہوا جناب عمرؓ کا یہ فیصلہ اس پر | سزائے موت ہے اس دشمن اماں کے لئے
ہرمزاں نے کہا پہلے قتل سے پانی | پلاؤ مجھ کو خداوند انس و جاں کے لئے
دیا گیا جب اُسے آبخورہ پانی کا | تامل اُس نے کیا شائد امتحاں کے لئے
تشفی اُس کو جناب عمرؓ نے دی اس طرح | زباں ہے قول کو اور قول ہے زباں کے لئے
نہ تیرے حلق سے جب تک اُترے یہ پانی | حرام قتل ہے تیرا نجیب دوراں کے لئے
پٹک کر اُس نے پیالہ کہا کہ خوف سے اب | ملی نجات مجھے عمر جاوداں کے لئے
اماں مل گئی مجھ کو ہے فرض عہد کا پاس | حریم احمدؐ مرسل کے پاسباں کے لئے

فدا یہ جان گرامی ہو دین احمدؐ پر
بنا ہے آج سے اسلام ہرمزاں کے لئے

---

۱۰ دسمبر ۱۹۱۶ء

اسلام بہ کورئ بخت اوہام

اَلشَّمْسُ وَالْقَمَرُ آيَتَانِ مِنْ آيَاتِ اللّٰہِ لَا تَنْكَسِفَانِ لِمَوْتِ اَحَدٍ

مصطفےٰ جب خاک میں بیٹے کو آئے سونپ کر / شکستہ شکستہ تھا کلیجہ پارہ پارہ تھا جگر

کہہ رہی تھی شان رسالت یہ وہ وقت صبر ہے / گرچہ تھا دل کا تقاضا رو دیجے جی کھول کر

تھے صحابہ بھی شریک اس غم میں پیغمبر کے ساتھ / سب کے دل اس صدمۂ جانکاہ سے تھے پُر اثر

اتفاقاً آفتاب اس دن گہن میں آگیا / ظلمتستان بن گیا سب سے نیلا سپہر

اک صحابی نے کہا از رہِ عقیدت یہ کہ آج / سوگوار اس غم میں سورج بھی ہے یا خیر البشر"

جو جواب اس بات کا اس کو پیمبر نے دیا / آبِ زر سے ہے منقش صفحۂ تاریخ پر

کیا تعلق آدمی کے غم سے سورج کو بھلا
اک نشان قدرت حق ہے کسوف اے بے خبر"

یکم [illegible] ۱۹۱۴ء

فسطاط

مصر کا عمرو بن العاص نے جب قصد کیا
نصرتِ حق کا ملک لائے فلک سے پیغام

فوج کے قلب میں ہے جلوہ فگن تائید فوج
یا ہے جھرمٹ میں ستاروں کے گھرا ماہِ تمام

جبھی آتی ہے ستارہ عسکر کی تدبیر
چومتی جاتی ہے تقدیر کا لب اسلام

لانے والے تھے مقوقس کو وہ کب خاطر میں
بات میں جا کے بنا آئے جو کسریٰ کو غلام

اُن کے اندازہ میں تھی مصر کی دولت کیا چیز
جن کی بدولت سے ہوا فیصلہ قسمتِ شام

نیل پہ جا کے غرض ڈال دیا دیں نے پڑاؤ
نصب کچھ دور ہوئے ریت میں لشکر کے خیام

پہلے ہی دن ہوئے اس راز سے قبطی آگاہ
مصر سے لوٹ کے جائیں گے نہ مسلم ناکام

مصر نے جان لڑائی میں لڑا دی لیکن
آ چکا تھا نظر آغاز میں اس کا انجام

جنگ اور اس کے تسلسل کی یہ کیفیت تھی
کہ میانوں کو جدا ہو گئے شمشیر و نیام

مصر کو جب یہ ہوا سر تو دیا عمرو نے حکم
کہ اب آ گئے خیمیں یہ ایامِ سعادت فرجام

عرض کی آ کے یہ خادم نے کہا خیمہ میں
آشیاں بند کئی دن سے ہے ایک حمام

انڈے بچے بھی کبوتر کے ہیں اس گھونسلے میں
لا کے چوگا وہ کھلاتا ہے انہیں صبح و شام

حکم اگر ہو تو لیا جائے یہ خیمہ بھی اکھاڑ
لد چکے ڈیرے کے اونٹوں پہ ہیں لشکر کے خیام

عمرؓ نے سن کے یہ بات اپنے ملازم سے کہا
کر دیا خیمہ ہبہ میں نے کبوتر ہی کے نام

میرے مہمان کو تکلیف نہ ہونے پائے
میرے آرام پہ ہے اس کا مقدم آرام

شہر اک اسلام نے آباد کیا پُر رونق
تھا کبوتر کا جہاں عمروؓ کے خیمہ میں قیام

خیمہ کے واسطے نام عربی ہے فسطاط
پڑ گیا اس کے لئے فسطاط ہی اس شہر کا نام

جاں فدا اُس چمن آرائے حجازی پہ مری
جس کے اخلاق کی نکہت سے معطر ہے مشام

ہو کبوتر سے جب اسلام کا ایسا برتاؤ
کیوں نہ یہ دین ہو دنیا کے لئے رحمت عام

---

۱۴ دسمبر ۱۹۱۴ء

NB

سلفِ صالحین

وہ مسلماں کہاں اگلے زمانے والے
گردنیں قیصر و کسریٰ کی جھکانے والے

امتیازِ ابیض و اسود کا مٹانے والے
سبق انساں کو اخوت کا پڑھانے والے

بات کیا تھی کہ نہ روما سے نہ ایراں سے دبے
چند بے تربیت اونٹوں کے چرانے والے

بھید کیا تھا جو آپس میں بٹے تھے نہ کبھی
ہو گئے مشرق و مغرب کے ملانے والے

جن کو کافور پہ ہوتا تھا نمک کا دھوکا
بن گئے خاک کو اکسیر بنانے والے

پیشوائی کو نکل آئی خدائی ساری
گھر سے نکلے جو محمد کے گھرانے والے

خم و خمخانہ بھی ہے مہر و نشاں بھی ہے وہی
نہیں ملتے ہیں مگر خم کے لنڈھانے والے

وہی نیساں ہے گہر ریز ابھی تک ہے لیکن
نظر آتے نہیں گوہر کے لٹانے والے

کیا سکھاتے ہیں تمدن کی حقیقت ہم کو
آج قرآں کی دولت کے چرانے والے

فیض کس کا ہے یہ اس پر بھی کبھی غور کریں
اپنی تہذیب کا افسانہ سنانے والے

بادشاہی میں فقیری کا چلن رکھتے ہیں
دوش پر بارِ امانت کا اٹھانے والے

نہ دبے ہیں کبھی باطل سے نہ دب سکتے ہیں
گردن اللہ کے رستے میں کٹانے والے

آشنا ذوق اسیری سے ہو میری مانند
شعر کہتے ہوں اگر وجد میں لانے والے

٭

خلافت کی بنیاد

نئی اک بنا کو سلاتے ہو سن لو
خلافت کی بنیاد اکھیڑو گے تم

تو اچھی طرح سے سمجھ لو یہ بات
خود اپنے ہی بخیے ادھیڑو گے تم

عرب تو عجم سے الگ ہی رہو
کہاں تک یہ جھگڑے نبیڑو گے تم

نہ دیں گے تمہیں چین لینے کبھی
ستائے ہوؤں کو جو چھیڑو گے تم

بچا لو گے ہندوستاں کو اگر
ذرا پاؤں اپنے سکیڑو گے تم

---

۲ جولائی سنہ ۱۹۲۰ء

اخلاقِ مرتضویؓ

روایت ہے کہ اک سرکش یہودی — ہوا جنگ آزما شیرِ خدا سے

نہ تھا اس امر سے شاید وہ آگاہ — کہ یہ کشتی وہ لڑتا ہے قضا سے

جو اپنی جان کا ہو آپ دشمن — وہی الجھے علیؓ مرتضیٰ سے

ہوا واقف وہ پہلی ہی پکڑ میں — علیؓ کے زورِ مرحب آزما سے

زمیں پر آ رہا گرتا ہے جس طرح — خزاں کا آخری پتہ ہوا سے

کھڑی تھی موت اس کے سر پہ اس وقت — نہ تھا اس کو مفر سیلِ فنا سے

برنگِ ذوالفقار اس کے لہو کے — نظر آتے تھے عرش و فرش پیاسے

یہودی نے یہ جب دیکھا کہ ہرگز — نہیں ممکن ہے بچنا اس بلا سے

مقابل چاند تھا تھوکا اُسی پر — طبیعت کے پرانے اقتضا سے

کہ نکلے آخری نفرت کی حسرت — اسی جلے دلِ کفر آشنا سے

یہ گستاخانہ اور بیہودہ حرکت — جو یوں سرزد ہوئی اس ناسزا سے

معاند کا علیؓ نے ہاتھ اپنا — وہ جو وہ ہاتھ آ گیا تھا قضا سے

کیا خوں بھی معاف اور یہ خطا بھی ملے احساں سے تھے لبریز کاسے

جیا جو تم سے نوازش کچھ سوا تھی عطائیں بڑھتی جاتی تھیں خطا سے

یہودی بن گیا تصویر حیرت امیر المومنیں کی اس ادا سے

لگا کہنے کہ اے سردار ذی جاہ یہ سب کچھ کیوں ہے اور کس مدعا سے

مجھے کیوں آپ نے محروم رکھا مرے مغلوب ہونے کی جزا سے

کیا کیوں میری اس گستاخی کو معاف جو ہے مذموم ہر مسلک انتہا سے

نہ تھا ثابت عمل کا یہ قصور سبب باور تھا میری ہی شکر رسا سے

جواب اس نکتہ باریک کا یوں ملا اس کو لب مشکل کشا سے

جو تو نے تھوکا تو غصہ آگیا تھا مجھے اس تیرے فعل ناروا سے

مگر یہ غصہ رکھتا تھا تعلق فقط اپنے ہی نفس فتنہ زا سے

میں اس حالت میں تجھ کو قتل کرتا تو ہوتا سرزد یہ کینہ ہوا سے

کبھی جو کام بھی کرتا ہوں ایسا میں غرض ہوتی ہے مولا کی رضا سے

یہودی سن چکا یہ حرف عجیب یہ ارشاد انتہا تک ابتدا سے

پکار اٹھا کہ ہے اسلام سچا سبق دیتا تھا تم اس دین ہدیٰ سے

تہی دامان رہا ہوں آج تک میں چنوں گا پھول اب اس بستان سرا سے

مرا لکھ شہادت زار طور ہوگا امید اس شفیع عاصیاں کی عطا سے

وہ سرتابی کریں گا آج سے کے بعد　　خدا سے اور محمدؐ مصطفیٰ سے

شیوۂ مسلم

۸۳

تجھے مسلم اس کی بھی ہے خبر کہ ہے شیوہ حق طلبی ترا
ہے بلال اگر حبشی تھے تو سبب تو ہے عربی ترا

ترے سنگ کیوں جھکیں ملک تجھے سجدہ کیوں کرے فلک
کہ خدا سے ہے طرز ملی ترا تو نبی سے ہے مطلبی ترا

ہے شراب حب کا مزہ وہی کہ اٹھے سلاف مذاق سے
کبھی کوئی دم ہے کبھی نشہ کبھی شیشہ ہے طلبی ترا

پہ بلائیں جائیں گی آپ ٹل یہ تصرف شیوہ وسما
اگر ان کے کان میں پڑ گیا کبھی نالہ نیم شبی ترا

شہید کربلا

حسین ابن علیؓ نے کی ہے قائم اک مثال ایسی
کہ تقلید اس کی تعمیر حیات جاودانی ہے

قناعت پر تو ویسی ہی نظر ہے آب آہن پر
درآں حالیکہ بہتا پاس ہی دریا میں پانی ہے

زمین کربلا بھولی نہیں صبر اس کے تیور پر
کہ یاد اس کو حسین و یزید کی اب تک کہانی ہے

چمکتی ہیں حقیقت کی - ن ہو کی آنکھوں میں
کہ زندہ ہو تو اسلام اور جو کچھ ہے وہ فانی ہے

ہوئیں گل ہو کے چونہ پاپ سکے یقیں کی
مگر لاکھوں دلوں پہ اب تک اس ہی کی حکمرانی ہے

حسین ابن علیؓ کی زندگی قرآن کی صورت
رسول اللہ کی دنیا میں اک روشن نشانی ہے

مسلمان کی شان

تو نے اے مسلم کچھ اپنی قدر پہچانی بھی ہے
تو ہے انساں تجھ میں لیکن شانِ یزدانی بھی ہے

فرش پر ہیں پاؤں تیرے عرش پر ہے سر ترا
نصف تو خاکی ہے لیکن نصف نورانی بھی ہے

جس تمدن سے ہوئی ہے خیرہ چشمِ روزگار
سرمہ اُس کا تیرے نقشِ پا کی حیرانی بھی ہے

نیل کی موجیں اگر کرتی ہیں تیری جستجو
ڈھونڈتی پھرتی ہے تجھے گنگا کی جولانی بھی ہے

مرحمت تجھ کو ہوا ایمان بھی اور عقل بھی
تیری دانائی میں شامل تیری نادانی بھی ہے

تیرے دل میں درد گر ہے آنکھ میں آنسو بھی ہیں
آگ سوزاں ہے کہیں اب پاس ہی پانی بھی ہے

ساری دنیا کے فضائل تجھ کو ترکے میں ملے
تیری حکمت یثربی ہے اور یونانی بھی ہے

مشرق و مغرب کے گنجینوں سے تو ہے بہرہ ور
تیری املاک میں لندن بھی ہے ایرانی بھی ہے

تو چمکتا ہے ہر اک کشور میں بن کر آفتاب
تو اگر ہندوستانی ہے تو برطانی بھی ہے

مرتبہ جس کی بدولت تجھ کو یہ حاصل ہوا
کون اس کا آج کے دن تک ہوا ثانی بھی ہے

ڈال رکھی ہے گلیمِ فقر اس نے دوش پر
اس کے سر پر ساتھ ہی تاجِ جہانبانی بھی ہے

وہ خدا سے دور بھی ہے اور خدا کے پاس بھی
وہ رسول اللہ بھی ہے اور ظلِ سبحانی بھی ہے

نظم میں آجائے حسانؓ ابن ثابت کا جو رنگ — شعر کہنے کا مزا لطف ثنا خوانی بھی ہے
مدح خواں ہوں میں رسول اللہ کا میرا صلہ — عالم باقی بھی ہے اور عالم فانی بھی ہے
میری نذر گوہریں پہنچے گی ان تک خود بخود
موتیوں میں گرد رخشانی بھی ہے غلطانی بھی ہے

۲۴ ستمبر ۱۹۱۶ء

دین کی لم

پیمبر سے سفیان نے عرض کی — کہ سمجھائیے دین کی مجھ کو لم
[illegible] بولے یوں آپ نے — قُل اٰمنتُ باللّٰہِ ثُمّ استقیم

(حدیث)

اللہ والے

مَن کَانَ لِلّٰہِ کَانَ اللّٰہُ لَہٗ

قدموں میں ڈھیر اشرفیوں کا لگا ہوا
اور تین دن سے پیٹ پہ پتھر بندھا ہوا

ہیں دسترس کے واسطے سیم و زر و گہر
اپنا یہ حال ہے کہ ہے چولھا بجھا ہوا

کسریٰ کا تاج روندنے کو پاؤں کے تلے
اور بوریا کھجور کا گھر میں بچھا ہوا

دستِ دعا انہیں کے لیے عرش تک بلند
ہے جن کی آستین میں خنجر چھپا ہوا

بوتے رہے جو دشت میں کانٹے تمام عمر
پھولوں میں ایک ایک ہے آ کر تلا ہوا

احسان کی نظر ہے سپید و سیاہ کو
سب کے لیے دریچۂ رحمت کھلا ہوا

جن کے یہ سارے کام ہیں اللہ کے لیے
پھر کیوں نہ سب سے مرتبہ ہو اُن کا بڑھا ہوا

خورشید و ماہ و انجم و لیل و نہار پر
ان کی ید اللّٰہی کا علم ہے گڑا ہوا

تیور بدل گئے تو زمیں کانپنے لگی
ابرو کے اک اشارہ سے محشر بپا ہوا

یثرب سے آج بھی یہ صدا گونجتی سنو
وہ جو خدا کے ہو گئے اُن کا خدا ہوا

۱۹ اپریل ۱۹۲۶ء

اسلام کی شناخت

اللہ کو پسند ہیں وہ خصلتیں تمہی   جو تیری جانب اس کو لاتی ہیں التفات
مسلم ہے جو نثار بھی اور ذی وقار بھی   اسلام کی شناخت ہے اَلْحِلْمُ وَالْاَنَاۃ

حدیث

رشتۂ اسلام

ہٹے بالشت بھر بھی تم اگر ملت کے دامن سے
تو کٹ کر گر پڑے گا رشتۂ اسلام گردن سے

حدیث

عالم و عامل

خدا سے وہ اصل اور دنیا میں شامل — رسول اللہ ہیں انسان کامل
محمد مصطفیٰ کا نام لکھ کر — منور ہو گئے میرے انامل
خدا کا قرب ہے گر تجھ کو منظور — رسول اللہ کی طلب سے جا مل

نقطے سے ہیں چند حرفوں کا الٹ پھیر
وگرنہ جو ہے عالم ہے وہ عامل

---

۱۲ نومبر ۱۹۱۷ء

اطاعت و استطاعت

جب اک دن سرورِ کون و مکاں کو دستِ قدرت سے — سمعنا و اطعنا کہہ کے کچھ لوگوں نے بیعت کی
تو شانِ رحمۃ للعالمین کا تقاضا تھا — کہ اس بالسمع والطاعۃ میں قیدِ استطاعت کی

الحاشیہ ۱

آیۃ الفیل

تباہی شان کہ اسلامیوں کی — بڑھا ہر سمت سے کفار کا خیل

قدم گاہِ رسولِ مجتبیٰ پر — مسلط ہو گئے یورپ کے پیل

شبِ کفر اپنی حد سے بڑھ کے اس طرح — گئی جب مطلعِ اسلام پہ پھیل

مجھے یاد آئی قرآں کی عبارت — پڑھا میں نے تحیۃً آیۃ الفیل

کسی دن ہمرہ دینِ مبیں سے — یونہی پھر جائیں گے کفار بے نیل

خس و خاشاک کی مانند سب کو
بہا لے جائے اسلام کی نیل

ماں باپ کا ادب

اک دن نبیؐ نے حلقۂ احباب میں یہ لفظ
دہرائے تین بار کہ "ناک اُس کی کٹ گئی"
اصحاب نے کہا کہ یہ کم بخت کون ہے
تو تیرجس کی حضرتِ باری میں گھٹ گئی
ارشاد یوں ہُوا کہ وہ فرزندِ ناخلف
گھر جس کے جنت آئی اور آ کر پلٹ گئی
ماں باپ کا جسے نہ بڑھاپے میں ہو خیال
اُس ناسعید بیٹے کی قسمت اُلٹ گئی

(حدیث)

اعظم الجہاد

بے لاگ بات بال برابر لگی نہ رکھ
فرما گئے ہیں حضرتِ خیر البشرؐ یہی
اظہارِ امرِ حق میں نہ ہو خوفِ دار و گیر
ہے اعظم الجہاد بحکمِ خبر یہی

(حدیث)

حسین ابن علی

(شریف مکہ)

اک وہ بھی حسین ابن علی تھا کہ سر اُس نے — مر کر بھی نہ فاسق کی حضوری میں جھکایا
خود چل کے گیا معرکۂ کرب و بلا میں — دنیا کو قیامت کا سماں جس نے دکھایا
تھا سینہ سپر ایک ہزاروں کے مقابل — باطل کے اس انبوہ نے اُس کو نہ ڈرایا
اسلام کی حرمت پہ امام الشہدا نے — سر شمر کے خنجر سے بصد شوق کٹایا
دیکھا جو یہ سر نوکِ سناں پر تو فرشتے — سمجھے کہ سوا نیزے پہ سورج اُتر آیا

مٹنے نہ دیا نقشِ روایاتِ پیمبر
خود اپنے تئیں سبطِ پیمبر نے مٹایا

اک تو بھی حسین ابن علی ہے کہ ترا ہاتھ — اُس ہاتھ میں ہے جس نے گھر اسلام کا ڈھایا
نسبت ہے ترے نام کو بھی آلِ عبا سے — تو نے مگر اس نام کو خود بٹہ لگایا
برباد ہوئی خود تری کوشش سے وہ بستی — جس کو ترے اسلاف کی ہمت نے بسایا
کل تک عرب آزاد تھے لیکن ہیں غلام آج — راعی کو رعایا ترے ہاتھوں نے بنایا

ہیں کعبہ کی دہلیز پہ جس خون کے چھینٹے
خود صحنِ حرم میں ترے خنجر نے بہایا

شام اور عراق اور فلسطین کے اندر
جو فتنہ ہے برپا اُسے تو نے ہی جگایا

پیوندِ عرب تیری ہی مقراضِ جفا نے
دامانِ اناطولیہ سے قطع کرایا

تو مر گیا کس لئے اس وقت سے پہلے
تثلیث نے جب پرچمِ توحید گرایا

اس پہ ہے یہ خواہش بھی کہ مل جائے خلافت
فیصل ہوں ترے ہاتھ سے امت کے قضایا

خفاش سیہ روز ہو خورشید کا ہمچشم
اندھیر یہ کیسا ہے زمانے میں خدایا

ایمان کی شناخت

رکھ لی زباں نے اس دلِ عشق آشنا کی شرم
علم اس کے وسوسوں کا اگرچہ خدا کو ہے

یہ واردات قلبِ صحابِ کبار کی
سن کر کہا نبی نے کہ ایمان یہی تو ہے

(ڈلہوزی)

فلسفۂ شہادت امامِ عالی مقام

کیوں ماتمِ حسینؑ میں یہ شور و شین ہے — کیوں گریہ و بکا کیلئے ہے یہ بند و بست

خونابہ بار کس لیئے ہے آنکھ آپ کی — کیوں ہمت آپ کرتے ہیں اسلامیوں کی پست

کیا یہ بھی کوئی گریہ و زاری کی بات ہے — قربان ہو گیا رہِ دیں میں وہ حق پرست

تم کربلا کی خاک اڑاتے رہو مگر — ہم خوش ہیں دی حسینؑ نے طاغوت کو شکست

آوازۂ خلیل ز بنیادِ کعبہ نیست
مشہور شد ازاں کہ بآتش نکو نشست

---

۲۸ ؍ اکتوبر سنہ ۱۹۱۷ء

الجنۃ تحت ظلال السیوف

کہتے ہیں یہ صوفی کہ ہے فردوس حق اُس کا — جس پہ ہو شکر گنج کی دیوار کا سایہ
لیکن ہے پیمبر کا یہ ارشاد کہ جنّت — ملتی ہے اُسے جس پہ ہو تلوار کا سایہ

صوفی ہے وہی جس کو ہو خدا سے سروکار — صوفی وہ نہیں جس پہ ہو سرکار کا سایہ
اے گولڑہ کے پیر نہ ڈر دار و رسن سے — جب خود سرِ منصور پہ ہے دار کا سایہ

اللہ کا سایہ ہے زمیندار کے سر پہ
پنجاب کے سر پہ ہے زمیندار کا سایہ

---

۲۲ اکتوبر ۱۹۲۱ء

عیدی

یہ عیدی آب زر سے آج لکھی ہے ملائک نے
جسے سن کر ہر اک افغاں کا بچہ شادماں ہوگا

کہ گلشن میں بہار آنیکے ساماں ہو گئے ہیں
وہ سامان گل بداماں جس سے مشرق کا جہاں ہوگا

صبا اٹکھیلیاں کرتی ہوئی پھولوں میں گذریگی
طیور صبح خواں کا قافلہ آتش بجاں ہوگا

شراب زندگی خمخانۂ یثرب سے ابلے گی
ملے گی جن کو یہ صہبا نصیب ان کا جواں ہوگا

نئے جلوے بکھیرے گا ہلال عید گردوں پہ
اور اس کے نور میں ڈوبا ہوا دارالاماں ہوگا

ملے گا پھر محمد زائیوں کو تاج آبائی!!!
بہت جلد اپنے بندوں پر خدا پھر مہرباں ہوگا

پھر آجائیں گے اقبال اور دولت اپنے مرکز پہ
سریر آرائے کابل پھر امان اللہ خاں ہوگا

وطن کو جس کی دارائی نے بخشی تھی توانائی
علمدار اس کی سطوت کا وہی صاحبقراں ہوگا

جنہوں نے بیوفائی کی شہنشاہ غازی سے
اب ان سب کی وفا کا از سر نو امتحاں ہوگا

یہ سارے غیب کے اسرار جس پر منکشف ہوں گے
نہیں معلوم ہے اس روز نادر خاں کہاں ہوگا؟

۷ مارچ سنہ ۱۹۳۰ء

بجواب پرتاب مورخہ ۱۲- نومبر ۱۹۳۱ء

یک رنگ ہے سفینۂ اسلام کا سوار
ہونگے وہ اور جن کے ہیں دو کشتیوں میں پاؤں

ہیں وہ نہیں کہ منہ ہو سفید اور دل سیاہ
ہو اور ہی کسی کو مبارک یہ دھوپ چھاؤں

ہیں شیر ہوں جو گونج رہا ہو کچھار میں
بلّی نہیں جو گھر ہی میں کرتی ہے میاؤں میاؤں

کہتی ہے یہ پولس کہ نکل جاؤ شہر سے
اب جا کے ہم بسائینگے جنگل میں کوئی گاؤں

---

۱۳ نومبر ۱۹۳۱ء

عید صیام

مجھ دم آج مسلم کو یہ جاں پرور نوید آئی — کہ کل شب آسماں پر چاند چمکا اور عید آئی

ہلال عید کی رویت کو مانع تھے یہاں بادل — مگر اطراف کشور سے شہادت چشم دید آئی

دکن کے آسماں پر ماہ نو کی جلوہ ریزی سے — خمستان عرب کی میرے ہاتھوں میں کلید آئی

دعائے غلبۂ اسلام کی تھی میں نے رو رو کر — حریم مصطفےٰ سے استجابت کی رسید آئی

مبارک ہو نظام الملک آصف جاہ ہفتم کو — کہ ان کے واسطے یہ ساعت آئی اور سعید آئی

پئیں گے بادۂ لَا تَقْنَطُوا کے جام بھر بھر کر
کہ شیرہ ہے شراب امید کی ہو کر کشید آئی

عید الفطر

سحر دم اہلِ ایماں کو یہ جاں پرور وعید آئی
کہ کل شب آسماں پر چاند چمکا اور عید آئی

ہلالِ عید کی رویت نے آنکھوں کو کیا روشن
شہادت اُن ضیا افشانیوں کی چشم دید آئی

مسلمانوں نے جس سے کفر کی رگ بڑھا کاٹی
وہی تیغِ مہِ نو پھر سپے قطع و برید آئی

حیاتِ جاوداں کا مژدہ پہنچایا بادہ خواروں کو
کہ تیر سے شرابِ زندگی پُر کشید آئی

ضرورت ساغرِ جم کی رہی کیا اس جہاں میں کچھ
چمنستانِ عرب کی جب کے ہاتھوں میں کلید آئی

دعا جب ہم نے مانگی فتح نے آکر قدم چومے
بہاروں ساتھ لے کے نصیبِ ہیں کی رسید آئی

پرستارانِ خاک کو تم سب کو مبارک ہو
تمہارے واسطے عشرت آئی وعید آئی

---

۳۰ رمضان [illegible]ھ

جنگِ طرابلس

کھیل بچوں کا جسے سمجھا تھا اٹلی نے وہ جنگ — کر رہی ہے قافیہ اس کے جوانمردوں کا تنگ

خاک بن کر اڑ گئی روما کے دل کی آرزو — خون ہو کر بہ گئی پاپا کے پہلو کی امنگ

اینٹ ٹرکی کی گری پتھر محمد کا چلا — قول سعدی ہے کلوخ انداز را پاداش سنگ

ہیں ترے بیٹے ہوائے آگ سے اٹلی حباب — ہم تو ایروپلینوں کو سمجھتے ہیں پتنگ

نعرۂ اللہ اکبر جب زباں پر آئے گا — تیرے ہاتھوں سے چھڑا دیں گے ہم اے روما تفنگ

جھونک دی اٹلی نے چشم ایماں میں خاک — چڑھ گیا آئینۂ انصاف پر یورپ میں زنگ

آسماں سے ابن مریم آج اتر آئیں اگر! — دیکھ کر اخلاق یہ ملبے گماں رہ جائیں دنگ

دل میں قارونی ہوا اور حرص کا پوشیدہ چور — سر میں فرعونی نمود اکبر کی ظاہر میں ترنگ

مدعا ہے کہ مٹ جائے مسلمانوں کا نام — واسطے اس کے تراشے جا رہے ہیں عذر لنگ

ناتواں حقوق کا کب [illegible] گے — چھوٹی چھوٹی ٹوپیوں کے کھلے جاتے ہیں ڈھنگ

کیا اسی شائستگی پہ ہے مسیحیت کو فخر — کیا یہی تہذیب ہے سرمایۂ ناز فرنگ

آج کل یورپ میں قوت اور تعصب کا ہے زور — شاہ دفتر بیچتے ہیں پادری چھیڑتے ہیں جنگ

کیوں پڑھاتا ہے سبق شاگرد کو ایماں کا   جبکہ خود ایماں سے عاری ہے استادِ فرنگ

بے گناہوں کے لہو کی بہہ رہی ہیں ندیاں   تا کجا یاں خونِ عصمت سے ہوئی ہے لالہ رنگ

آج ایران ہے تو کل کابل کی باری آئے گی   گر یہی یورپیوں کی چال ڈھال اور رنگ ڈھنگ

آہ اے انصاف ہم ڈھونڈیں کہاں جا کر تجھے   سینٹ پیٹرسبرگ جب مضراب اور لندن ہو چنگ

اب بھی سر ایڈورڈ کاش اپنا طریقہ بدل دیں   ہو گر انگلشیہ کا کچھ بھی پاسِ نام و ننگ

یونہی مسلم اور ہندو اس دیس میں مل جائیں گے   مل گئیں پریاگ میں جس طرح جمنا اور گنگ

اتحاد اس ملک کا مشکل نہیں ہے جس میں ہو   ایک تہذیب ایک بولی ایک صورت ایک رنگ

ناخنوں سے گوشت ہو سکتا نہیں ہرگز جدا

چھوٹ سکتا ہی نہیں ہے چولی اور دامن کا سنگ

۱۹۴۹ء

ربِّ کعبہ سے ایک عاجزانہ التجا

کوڑی کے تین تین بکیں گے یہ مولوی
اللہ اللہ کے لئے بیچتے ہیں جو تثلیث کے قدم

کس کو اِس ابتلا کی خبر تھی کہ ایک دن
ہم پر ہمارے ہی ہم نماز ڈھائیں گے ستم

جس کو انہوں نے کافر اکفر دیا قرار
جاتے ہی اُس کے کھل گیا اسلام کا بھرم

دارالامان کے سر پہ قیامت گزر گئی
قہرِ خدا کے پھٹنے لگے آسماں سے بم

وہ گردنیں جو غیر کے آگے جھکیں نہیں
آج اُس کے آستاں پہ نظر آ رہی ہیں خم

اے ربِّ کعبہ ہم سے کہاں تک یہ برہمی
کیوں ہو گئی تیری نگہِ التفات کم

آخر ترے رسولؐ کے دامن گرفتہ ہیں
جس کے غلام ہوتے ہیں اسکندر اور جم

کب تک رہیں گے دست و گریباں فرنگ سے
کب تک لڑا کریں گے کشتی قضا سے ہم

قندہار کو دھندلا کر کہ عنقریب
کابل میں پھر بلند ہو توحید کا علم

---

۹ فروری ۱۹۲۹ء

وہ وفا کی پتلیاں جن کی شجاعت دیکھ کر　　دنگ چرخ پیر ہو گیا حیران ارجن ہو گیا

آج باطل سرنگوں ہے اور حق ہے سربلند
فتح سیتا کی ہوئی مغلوب راون ہو گیا

گورنمنٹ سپیشل جیل
۲۵ دسمبر سنہ ۱۹۳۰ء

انجمن حمایت اسلام

اے ساکنان بلدۂ لاہور آج شام　　میں آپ کو سناؤں گا باتیں کھری کھری
میری یہ داستاں ہے مرے درد کا نچوڑ　　دل سے نکل رہی ہے کہانی یہ درد بھری
پینتیس سال گزرے کہ کچھ اہل دل بزرگ　　اٹھے کہ اپنی قوم کی کریں راہبری
ڈالی اک انجمن کی بنا اپنے ہاتھ سے　　اسلام کے لئے ہوئی جو وجہ برتری
اس انجمن کے واسطے اپنی تمام عمر　　کرتے رہے یہ دین کے خادم گداگری
تا آنکہ آ گئی چمن علم میں بہار　　اور شاخ دین مصطفوی ہو گئی ہری
لاہور نور علم سے رخشندہ ہو گیا　　شرمندہ جس سے ہو گیا خورشید خاوری

پھر یک بیک ہوا گئی پنجاب کی پلٹ — گردش میں آخر آ ہی گیا چرخِ چنبری

رجعت پسند ہو گئے ملت کے سنگِ راہ — اسلام کی اجڑ گئی کھیتی ہری بھری

باطل کا غلغلہ ہوا افلاک تک بلند — قرآں میں بند ہو گئی حق کی نواگری

چاندی سمجھ رہے تھے جسے ہو گئی خزف — ہیرا جو تھا وہ بن گیا پل بھر میں کنکری

سر جھک گیا حمایتِ اسلام کا وہاں — جھکتا جہاں تھا کفر کا کلیسِ سروری

اس وقت ہم کو کوئی سلیماں چاہیئے — باطل اگر ہے دیو تو ہے انجمن پری

اے قوم مژدہ ہو کہ سلیماں بھی آ گیا — باطل ہوا ہے جس کا دعوئ خودسری

جبروتیوں نے دین کا ڈنکا بجا دیا — طاغوتیوں کی اب نہ چلے گی فسوں گری

وقت آ گیا کہ ہو علم اسلام کا بلند — اقبال اس انجمن کے سفینے میں لنگری

نواب ذوالفقار علی خاں ہیں اس کے صدر — کیوں جلوہ ریز اس میں نہ ہو شانِ حیدری

چشمہ ابل رہا ہے محمد کے نور کا

اب ہم ہیں اور اس میں ہماری شناوری

نظربندانِ ہند

ابوالکلام آزاد

آپ پہ کھلتے ہیں کچھ حقِ حضرتِ آزاد بھی — کشتۂ الفت جو شیریں ہے تو ہے فرہاد بھی

فضل الحسن حسرت

آپ کے اخلاص پہ گاندھی کو استحقاق ہے — تھا اسی زمرہ میں شامل حضرتِ ناشاد بھی

محی الدین احمد قصوری

بے قصور ایسا ہی محی الدین احمد کا اگر — آپ تو احسان کر سکتے ہیں دے کر داد بھی

فرزندان مسعود ایوب خان جنت آشیاں

آپ ہی اس کے جگر بندوں کی کاٹیں بیڑیاں — جب نہیں ایوب خاں کو طاقتِ فریاد بھی

کیوں قفس میں بند ہیں یہ قمریاں جن کا گناہ — طوق سے آزاد کر سکتا نہیں صیاد بھی

دوسرے نظربند

بامداد بار کا اوروں کو بھی ہے انتظار — بندہ پرور دیجئے گا ان کی چپ کی داد بھی

۱۵ ستمبر ۱۹۱۶ء

ہنگامۂ نو

عید الفطر ۱۳۴۷ھ

اگر جاگا جہاں ایشیا خواب گراں سے ہے — چلا اک تیر اگر اس شوخ کی بانکی کماں سے ہے

اگر پھوٹی ہیں خورشید درخشاں سے نئی کرنیں — اگر چھوٹی یہ نور افشاں ہوائی آسماں سے ہے

اگر ٹپکا ہے جوش فصل گل رگ ہائے ریتاں سے — اگر آلودہ دامن لالہ کا خونِ خزاں سے ہے

اگر چیرا ہے مظلومی کی فریاد نے گردوں کو — اگر اک آہ نکلی سینۂ ہندوستاں سے ہے

اگر آئی ہے عید اور لائی ہے پیغام آزادی — اگر یہ غلغلہ مشرق میں گلبانگ اذاں سے ہے

اگر قندھار میں بجتا ہے آج احرار کا ڈنکا — اور اس کی گونج ٹکرانے لگی دارالاماں سے ہے

تو یہ ہنگامہ ہے مخلوق فیض خواجۂ یثرب
اور اس ہنگامہ کی رونق امان اللہ خاں سے ہے

پیغامِ سحر

اسلام کی شوکت کا افسانہ سناتا ہوں — کیا اصل و حقیقت ہے دارا و سکندر کی

مسلم کی وہ طینت ہے کہ جو ساقی یثرب نے — وحدت سے معنبر کی ایمان سے مخمّر کی

پیغامِ سحر لایا پھر صبح کا سیّارہ

خورشید کے چہرے سے پھر چادرِ شب سرکی

امامِ تسبیح

وہ صبح صبح نہیں ہے وہ شام شام نہیں — بلائے تازہ کا جو لا رہی پیام نہیں

کھنچی ہوئی ہے ملیبار میں ہمنوں سے — وہ تیغ اب بھی جو شرمندۂ نیام نہیں

کسی کو دار پہ کھینچا کسی کو ذبح کیا — یہ اور کیا ہے ہمارا جو قتل عام نہیں

بوقتِ ذبح وہ بسمل سے کہتے جاتے ہیں
یہ انتظامِ حکومت ہے انتقام نہیں

گریز ابھی سے کہاں ہوا ابھی تو ہے تشبیب
قصیدہ اُن کی جفا کا ہوا تمام نہیں

وہ کون ہے جو نہیں آج کل اسیرِ فرنگ
سی۔ آر۔ داس نہیں یا ابوالکلام نہیں

تمام ملک ہے جکڑا ہوا شکنجے میں
پھر اس پہ کہتے ہیں ہندوستاں غلام نہیں

بحسرت اس پہ کہا ایک دوست نے مجھ سے
کہ اس گروہ میں شامل حسن امام نہیں

کبھی سہی جبکہ وہ رندی میں کم نہیں ہیں تو کیوں
شکستِ توبہ میں سرگرمِ اہتمام نہیں

وکیل بھی ہیں تو ننکانہ کے مہنت سکے ہیں
یہ اُن کے واسطے کیا شرم کا مقام نہیں

اگر حرام موالات مجھ غریب پہ ہے
تو ایسے چوٹی کے لیڈر پہ کیوں حرام نہیں

کہا یہ دوست سے میں نے وہ مرغِ دانا ہیں
حریص دانہ ہیں لیکن حریصِ دام نہیں

نہیں یہ قاید قوم اپنی قید کا قائل
شمارِ دانۂ تسبیح میں امام نہیں

ڈھکے اور گاؤدی

آکر ملا ہوں مولوی احمد سعید سے
یہ دن مرے لئے نہیں کم روزِ عید سے

سرگرمی اُن کی دیکھ کے عقدہ یہ حل ہُوا
کھلتا ہے بابِ علم عمل کی کلید سے

مستشفعانہ ننگ کی تصویر کھینچ دی
مستسعدانہ رنگ کی گفت و شنید سے

لیکن اس اجتہاد میں مجھکو کلام ہے
عنبر کا رشتہ آپ نے گانٹھا ہے لید سے

مانا کہ لیگ کرتی ہے ڈھکوں کی پرورش
پنجابیوں کی لابہ گری کی خرید سے

پیدا ہوئے ہیں دِلی میں بھی تو یہ گاؤدی
پروردگارِ شملہ کے لطفِ مزید سے

جن کا عقیدہ ہے کہ لیا جان بل نے چھین
وہ قرب جو خدا کو ہے حَبْلُ الوَرِید سے

جو قفل اُن سے کھل نہ سکا خود بخود کھلا
پنجاب کے خلافتیوں کی کلید سے

دکھلا دیا مقاطعہ کا نقشہ کھینچکر
سرکارِ نامدار کے خونِ امید سے

اس طرح سب کو ایک ہی لاٹھی سے ہانکنا
جائز ہے کس اصول قدیم و جدید سے

کس وقت سے ہُوا نظری لَاتَنَابَزُوا
دِلی کی محفلوں کے کلام جدید سے

کارزار طرابلس

چمک اے تیغ روما کا نشاں ہے تو مٹانے کو ۔۔۔ گرج اے توپ اٹلی کی دھوئیں ہے تو اڑانے کو

چڑھا اے ایماں اس چوٹی پہ جس پہ کفر قابض ہے ۔۔۔ بڑھ اے اسلام اور شوکت دکھا اپنی زمانے کو

ابھی تک گونجتی ہے کان میں آواز خالدؓ کی ۔۔۔ سنیں گے ہم نشیں سے ہم اسی اگلے فسانے کو

مسلماں لاکھ بوٹے ہوں مگر نام محمدؐ پہ ۔۔۔ خوشی سے اب بھی حاضر ہیں وہ اپنے سر کٹانے کو

خبر لیں خرمن اٹلی کی اٹھ کر حضرت پاپا ۔۔۔ کہ لشکر ترک کا ہے برق مضطر تلملانے کو

یہ پوچھے آسماں پہ جاکے عیسیٰ سے کوئی کہہ دو ۔۔۔ کہ نکلی آپ کی امت ہی قصر امن ڈھانے کو

تری تعلیم نے اُن کو بنایا گرگ مردم در ۔۔۔ تجھے اے پوپ دی ہیں پطرس نے جو بھیڑیں چرانے کو

یہ ڈاکو وہ بھی اُن سے چھیننے پر ہیں تلے بیٹھے ۔۔۔ مسلمانوں کو روکھی سوکھی جو ملتی ہے کھانے کو

نہ مارا چھاپہ کیوں الجیریا پر اہل اٹلی نے ۔۔۔ یہیں کیا مشعل تہذیب باقی تھی جلانے کو

بنایا ہے خدا نے محتسب تجھ کو زمانے کا ۔۔۔ اٹھ اے برطانیہ امن و اماں قائم کرانے کو

ہماری طرح عالم کے مسلماں جان اور دل سے ۔۔۔ تجھے حاضر ہیں سر پہ اور آنکھوں پہ بٹھانے کو

مسلمانوں کے دل کی آرزو اس وقت پوری ہو ۔۔۔ کہ انگریزی بھی سن لیں جارج پنجم اس ترانے کو

نالۂ صبح گاہی

حد بھی ہے کوئی اس ستم بے حساب کی — کب تک بُروں کی جان کو رویا کریں گے ہم

کیا یوں ہی جاگتی رہے گی قسمتِ فرنگ — اور یوں ہی اس کے سایہ میں سویا کریں گے ہم

بٹہ لگائے جائیں گے مذہب کے نام پر — ملت کی آبرو کو ڈبویا کریں گے ہم

آنکھیں بچھائے جائیں گے غیروں کی راہ میں — کانٹے خود اپنی راہ میں بویا کریں گے ہم

بنیاد ڈھائے جائیں گے ارکانِ شرع کی — جو پا چکے ہیں اس کو بھی کھویا کریں گے ہم

دل کو پگھلنے کے لئے ایک عمر چاہئے
جب سے جبیں کے داغ کو دھویا کریں گے ہم

مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی

جس کے ایثار سے ملّت کی دوبالا ہوئی شان — اُس جماعت کے ہیں سردار حبیب الرحمٰن
ان کے ماحول کو لاحول سے دیجے تشبیہ — کہ ہوا پاس پھٹکتے ہی فَفَرَّ الشیطان
جمع ٹوڈی ہوں جہاں گر یہ پہنچ جائیں وہاں — نہیں ممکن کہ کسی طرح وہ ماریں میدان
تختہ دیتے ہیں اُلٹ سارے وفاداروں کا — آتے ہی اُن کے خطا ہوتے ہیں سب کے اوسان

کاسہ لیسانِ جہاں کی رگِ جاں کو حق میں
دمِ شمشیر ہے اس شیرِ خدا کا ایمان

جس کے اصرار سے ملت کی ہوئی کثرت شان — اُس جماعت کے ہیں سردار حبیب الرحمٰن
کانگرس میں آنے کا اصرار

اسلام

۱۹۵۶

انسان کی آزادی کا اسلامی تصور

فطرت اللہ التی فطر الناس علیہا

عمرو بن عاص کے بیٹے نے اک بے جا خطا — مصر کے بازار میں اک قبطی ناشاد کو

اپنے گھر کی سلطنت بھی وہ سمجھا تھا غیر نسل — ضرب سے کوڑے کے مارا تھا عقوبت جلاد کو

کوئی طاقت دستگیری اس کی کر سکتی نہ تھی — قیصر و پاپا بھی آ سکتے نہ تھے امداد کو

اک وہ عدل کا پیکر کہ اس کے عہد میں — سر چھپانے کی جگہ ملتی نہ تھی بے داد کو

جن کی نظروں میں ذمی اور مسلم ایک سے تھے — جس نے مسمار کر دیا ایوان بیداد کو

جلوہ گر تھا تمکنت سے مسند اسلام پر — سن رہا تھا قبطی مظلوم کی فریاد کو

دی سزا آپ نے ظالم کو بلوا کر وہیں — کر دیا پھر استوار انصاف کی بنیاد کو

نصیحت کی مسلمانوں کو اس وقت آپ نے — دی سبق جو تھا سبق وہ اس ستم ایجاد کو

لوح دل پر نقش ہے فاروق اعظم کا یہ قول — ہم نہ بھولیں گے کبھی اس رہبر کے ارشاد کو

مجلس وضع قوانین میں عجب ہے وہ الحاح   لاجپت رائے سے کہتے ہیں کہ ہو مقلوب

جنگ سے چھیڑتے ہیں اب ہنود ہی کو ادا   لالہ جی اپنے تمدن کے بدلتے اسلوب

نہیں ہم کچھ پاتے ہیں ہی سے کہ ترکا دو حقوق   کہ نہیں ان سے زیادہ ہمیں کچھ بھی مطلوب

یہ کہیں شمر سے کہ آنے سے کریں تا نہیں   کفر کا دست نگر دین نہیں ہو کیا خوب

علما میں سے کہ یہ دن رات کہا کرتے ہیں   کہ ہیں گمراہ نصاریٰ تو یہودی مغضوب

شکر ان دونوں سے ان وقتوں میں کریں جنبش ہیں کم   ہم تو کہتا رہتے ہیں حبیب خدا کے محبوب

اشرف کیسے ہی ناشاد ہم آگے رہے ہیں

پھر بھی تو ہمیں مسلمان ہی کی ہے خوب

---

۱۵ مارچ ۱۹۲۲ء

نعرۂ اسلام

یہ نظم مسلم رضا کاران خلافت پشاور کے لئے لکھی گئی۔ اور انہیں یاد کرائی گئی تاکہ وہ علی الصبح اسے گلی کوچوں میں گاتے پھریں۔ اور مسلمانوں کو نماز کی دعوت دیں۔

علی الصباح خدا کو پکارے مسلم
نکل کے گھر سے وضو کر کے پیارے مسلم

پڑے جو کان میں حیّ علی الصلوٰۃ کا شور
خدا کے گھر میں جا کر قرار لے مسلم

اتار پردۂ غفلت کو اپنی آنکھوں سے
اور آخرت کی عاقبت اپنی سنوارے مسلم

ہے چند روز کی یہ زندگی غنیمت جان
خدا کی یاد میں اس کو گزارے مسلم

نماز فرض ہے اس فرض سے نہ ہو غافل
بڑا یہ قرض ہے اس کو اتارے مسلم

ہے عافیت کی تمنا تو ایک سجدہ میں
عراق و نجد و عرب وار دو تارے مسلم

---

۲۵ فروری سنہ ۱۹۲۵ء

وکان امر اللہ مفعولا کے معنی ہیں یہی
کہ ملک اُن کی ہو جو بندے ہوں اسلام کے

صراط مستقیم

لاکھ قرآن کے مقابلہ میں
مدعی لائے ژند اور پاژند

سچ وہی ہے جو ہے رسولؐ کا قول
حق وہی ہے جو ہے خدا کو پسند

یہی وہ راہ راست ہے جس سے
کبھی بھٹکے نہیں سعادت مند

گرچہ باطل پرست چاہتے ہیں
ان کو پہنچائیں ہر طرح کے گزند

پست لیکن وہ ہو نہیں سکتے
مرتبے جن کے ہیں ازل سے بلند

نہیں بھولا ہمیں قول سعدی کا
شوربختاں بہ آرزو خواہند

مقبلاں را زوال نعمت و جاہ

---

۱۸ جولائی ۱۹۲۹ء

اسلام کی ہمہ گیری کا راز

کل ملے اک پادری صاحب مجھے بازار میں　　خلق شیریں میں تھا جن کا مثالِ انگبیں

جمع اُن کے گرد تھے کچھ آریہ کچھ مولوی　　بن رہے تھے پادری صاحب مدارِ کفر و دیں

معترض سب ہندی الاصل اور وہ انگلش نژاد　　ایک ہم رنگِ فلک اور ایک ہم رنگِ زمیں

آریہ صاحب کبھی کرتے تھے اُن پر اعتراض　　مولوی صاحب کبھی ہوتے تھے اُن پر نکتہ چیں

اعتراض اِس کا درشت اور نکتہ چینی اُس کی سخت　　یہ مجسم خشم و قہر اور وہ سراپا بغض و کیں

ایک کہتا تھا کہ بھارت کو کیا تو نے بھرشٹ　　ایک کہتا تھا کہ دجال ہے تو اے لعیں

خندہ پیشانی سے سنتے تھے وہ سب کے اعتراض　　گالیاں بکتا کوئی بھی ابرو پہ نہ لاتے تھے وہ چیں

دیکھ کر یہ شیوہ اُن کا جس نے میری آنکھ میں　　کھنچ گئی تصویرِ حسنِ خلقِ رحمۃ للعالمیں

میں تو اپنوں کی حالت پہ نہایت ہی ملول　　اور کہی غیروں کو میں نے بے تامل آفریں

پادری صاحب کی خدمت میں یہ میں نے عرض کی　　اے جنابِ عیسیٰ مریم کی ملت کے امیں

آپ کے اخلاق کی وسعت ہے داماں گیرِ دل　　آپ کا طرزِ عمل ہے دلپسند و دل نشیں

قاضی الحاجات کی بھی ہے عنایت آپ پر　　آپ کی جبیں ہمیشہ کھلکھلاتی ہی رہیں

آپ کے ہاتھوں سے جب پایا کسی نے اصطباغ | کچھ دنوں سیم اور زر کے مینہ کی جھڑیاں لگ گئیں
ڈھنگ جیتے دل لبھانے کا ہیں معلوم آپ کو | ان سے واقف کوئی بھی دنیا کے پادری نہیں
آپ کی داڑھی سے جو عقدہ نہ ہو سکتا ہو حل | کھول دیتی ہے کبھی لیڈی کی زلف عنبریں
ہم نوا ہیں آپ کی تبلیغ دینی کے کئی | پھول کے مانند کھل کر بھی جو کلیاں ہی رہیں
دیکھ کر جن کی ادا سے خارج از امکاں ہے نجات | کھو نہ بیٹھیں مولوی صاحب بھی دل کو ساتھ ہیں
آپ کو حاصل جو دولت کی بھی ہیں آسانیاں | ہیں یہی دولتیں ساری کلیسا کی محسنیں
حسن کی دولت کی اور اطاعت کی تینوں دیویاں | جھک کے بہر کلیسا پہ گشتی ہیں یہی
جب یہ سب کچھ ہے تو پھر کیوں ساری دنیا میں نظر | ہم کو پڑتا عالم تثلیث کا آتا نہیں
کس لیے ویران ہو جاتی نہیں ہیں مسجدیں | بستیوں میں پھیلتا جاتا ہے کیوں دین یہی
مندروں میں سنکھ کیوں بجتا ہوا سنتے ہیں ہم | بت پرستوں کو مسیحیت سے کیوں الفت نہیں
میری یہ باتیں اٹھی اپنی خوش اخلاق کے ساتھ | کان دھر کر پادری صاحب نے آخر تک سنیں
جو جواب ان ساری باتوں کا مجھے ان سے ملا | اس نے میرے ذہن کی گرہیں آ کے کھول دیں
پادری سے پادری ہو خواہ وہ پاپا سے روم | حضرت پاپا ہیں پاپا گو پہن لیں تاج ہی
تمکنت سے پادری صاحب ہوئے یوں در فشاں | اور تثلیث کا مسیحیت سے نقش اولیں
ہیں مطابق فہم انسانی اساس اس کے اصول | علم و حکمت کو قریب عقل و دانش کو قریں
کافروں کی شوخی طبع سے سمجھو اگر | آج تک یوں ہی القصہ کا فقط بھی سمجھا نہیں

بجے گا سطوتِ کبریٰ کا ڈنکا ساری دنیا میں
زمیں ملکِ یمیں ہوگی فلک زیرِ نگیں ہوگا

خلافت اقتدار اپنا زمانے پر بٹھائے گی
مطاعِ دہر فرشتہ طینتوں کا جانشیں ہوگا

اڑائے جائیں گے ابلیس کے قانون کے پرزے
کتابِ عدل کا شیرازہ بندِ آئیں ہوگا

اسیرانِ جفا کی کاٹ دی جائیں گی زنجیریں
کہ خود ظلم کی گردن میں طوقِ آہنیں ہوگا

غلام آزاد ہوں گے تاکہ بخشا جائے تاج ان کو
جہاں میں عدل ہوگا لیکن احساں کے قریں ہوگا

ہر اک چھوٹا بڑا آزاد ہوگا فکرِ دنیا سے
نہ زید افسردہ دل ہوگا نہ عمرو اندوہگیں ہوگا

یہ سارے عیب کے اسلامِ حق جس دن شکست ہوں گے
بلند آفاق میں اس دن سرِ مستضعفیں ہوگا

سیناستان

پیر کی اقتدا میں گر قصر ہو عصر کی نماز — کیا عجب اس سے منکشف مجھ پہ بھی خضر کا ہو راز
بادۂ آمنوا پیوں موت کے بعد میں جیوں — مطلع فجر کی طرح ہو مری زندگی دراز

جھوم کے پی رہا ہوں میں جام مئے ستودہ — گھوم رہا ہے جام میں نشۂ بادۂ حجاز
دعوتِ داع ہو گئی درگہِ اِذَا دَعَان — یا کہ ہے خوابِ ناز میں چشمِ سیاہ نیم باز
دینِ قویم مصطفیٰ رحمتِ عام ہو گیا — تم سے ہی بس کے اٹھ گیا شاہ و گدا میں امتیاز

لعلِ نگار کی طرح میری حدیث ہے لذیذ — گیسوئے یار کی طرح میرا فسانہ ہے دراز
میرے لیے ھُوَ الَّذِی آپ کے واسطے اَنَا — آپ کو مجھ پہ اعتراض آپ سے مجھ کو احتراز

چاہیئے اہلِ ذوق کو سوز کے ساتھ ساز بھی
نغمہ جو ہو تو جاں نواز نالہ جو ہو تو دل گداز

تاجوروں کے رشک کو خاک یثربی ہوئی — سرمۂ دیدۂ بلالؓ غازۂ چہرۂ معاذؓ[۱]
جس اہیں قبر نہیں شان رسولؐ ہی تو ہے — جس نے زمین خشک پر آ کے چلا دیئے جہاز

عالم اعتبار ہے سلسلۂ امید و بیم — شرط ہبوط ہے صعود و جہ نشیب ہے فراز
مسلم سادہ کی بھی صاد اس پہ ہو گیا ضرور ہے — شوق سے لیجئے نکال کفر کی صورت جواز

علت اولیں ہے وہ علت آخریں ہے یہ
غور جو کیجئے تو ہے ایک بروز اور براز

---

۵ نومبر ۱۹۱۶ء

[۱] تبدیل الذال بالزاء بقاعدہ سخنوران عجم

اعتماد علی النفس

اے مسلماں غیر کیوں ہوں تیرے حق کے پاسباں
جب یہ طاقت خود ترے بازو کے فولادی میں ہو

کیا حقیقت ہندوؤں کا ہمیں ڈر جن کو ہو خوفِ خدا
اور پھر اس پر اکثریت جن کی آبادی میں ہو

توڑ ڈالو ایک جھٹکے میں غلامی کی قیود
شیر مردو! تم پلے آغوشِ آزادی میں ہو

ہو مبارک کاسہ لیسوں کو وطن کی دوستی
شامل اُن کے بن کے کیوں تم اس کی بربادی میں ہو

برہمن لایا ہے مہر اور شیخ نے باندھا ہے عقد
کیوں نہ ہر مسلماں عروسِ ہند کی شادی میں ہو

بھیج دو پنجاب اُسے اپنی تسلی کے لئے
شک جسے اسلامیوں کی نکتہ ایجادی میں ہو

---

۱۵ ستمبر ۱۹۲۸ء

153

نازِ طبیب سے بے نیازی

اتنی ہی آرزو ہے مرے دل میں اے خدا
اسلام کو زمانے میں دیکھوں میں سر بلند

دنیا میں سرنگوں علمِ مصطفیٰ نہ ہو!!!
ہم خواہ خود ذلیل ہوں اور خواہ ارجمند

میداں نقیب جس سے یا سب رہا نہ ہو
پھر قطبِ کائنات کو توحید کا سمند

مسلم خود اپنے درد کی تجویز کر دوا!
نازِ طبیب کا نہ کبھی ہو نیاز مند

ضامن ترا ہے نسخۂ تعویذ مصطفیٰ
پہنچا سکے نہ پھر زمانہ تجھے کس طرح گزند

خواہی کہ خاکِ پاکِ رسولؐ تہ باشوی
دل را بیاد خوانی و طاعت در و بند

آئی فلک سے کان میں احسنت کی صدا
یہ نظم دل کشا ہے فرشتوں کو بھی پسند

لا تایئسوا من روح اللہ

اقبال کے زوال کا پیغام آگیا — یہ آفتاب ڈھل کے لبِ بام آگیا

برطانیہ کو مل گئی دولت عراق کی — اور حصۂ فرانس میں بھی شام آگیا

فرطِ ادب سے جھک گئیں یاروں کی گردنیں — سر جان سائمن کا جہاں نام آگیا

رجعت پسند کو نہ ملی جب کوئی دلیل — جھٹ لے کے اک خریطۂ دشنام آگیا

خوش خوش تھے یہ حریف کہ اتنے میں دفعتہً

"لا تقنطوا" پکار کے اسلام آگیا

---

۱۶ فروری ۱۹۲۸ء

اسلام کی بجلی اور شدھی کا خرمن

چریں گے کن علف زاروں میں اب اسلام کے گلّے
کہ بھر دیں کفر کے ڈھوروں نے بھارت کی چراگاہیں

اجازت مل گئی ہے آریوں کو مالوی جی سے
کہ حلقہ ڈال دیں شدھی کا جس کے کان میں چاہیں

کسی جھوٹ کو بہکایا کسی سچے کو پھسلایا
دھرم ارتھ ان کو دیتا ہے اسی مطلب کی تنخواہیں

کہیں فقر اور ناداری کہیں جہل اور ہوسناکی
حرم کے رہزنوں نے بتکدے کی کھولدیں راہیں

ہر اک مسجد پہ جھنڈا اوم کا لہرانے والا ہے
ہر اک مندر میں ہیں گرم ان دنوں ایسی ہی افواہیں

گریں گی بجلیاں ان سارے منصوبوں کے خرمن پہ
اگر ابھریں یکایک سینہ سے اسلام کی آہیں

لاہور ۱۴ جنوری ۱۹۲۷ء

جلال آباد

جو کڑک کر گر چکی ہے بارہا بغداد پر — آج ٹوٹی ہے وہی بجلی جلال آباد پر

پا بگِل کابل میں حق ہے اور ہے باطل سربلند — استوار ارکانِ دیں ہیں جہل کی بنیاد پر

میرے بچوں کو نہ یوں اے ظالمو کافر بناؤ — دیکھیے اٹھتا ہے کون اسلام کی فریاد پر

ہو بلا سے دیں کہا جس نے امان اللہ کو — آفریں تہذیبِ اسلامی کے اُس استاد پر

اُن کی آنکھوں میں کھٹکتا تھا نصاریٰ کا بھی کفر — ہے نظر جن کی امان اللہ کے الحاد پر

میں ہوں آزاد اسلئے کافر بھی ہوں ملحد بھی ہوں — حکمتیں صد ہا نثار اُس کے اک اس ارشاد پر

غیرتِ تاتار ہے اُن کی مسلمانوں کی طرح — قتل پیچھے ہیں سارے ہی مرتد بھی اگر ارتداد پر

لاکھ مومن ہو مگر تسبیح پا سکتا نہیں — شورِ بازاری غلام اک فاسقِ آزاد پر

عاملانِ شرعِ اعظم کی ہا شکست بے شمار
میری [illegible] ملت مسں کی [illegible] اجتہاد پر

---

۱ مارچ ۱۹۲۹ء

جواہر پارے

(۱)

جائزہ ہند میں اسلام کا ہم نے جو لیا — تو مساجد کے عوض چند شوالے نکلے

نہ غزالی ہے نہ رازی ہے کتب خانوں میں — مُہر سے پال ہیں تو بستر سے مکالے نکلے

شرک سے جا کے یہ کہہ دو کہ ہے توحید وہ جن — جو نہ روکے سے رُکے اور نہ نکالے نکلے

وادیٔ عشق میں کانٹوں نے نکالا جب سر — پیشوائی کے لئے پاؤں کے چھالے نکلے

اُس شرافت کے عوض جس سے تجمل ہو دولت — چند بوسیدہ و فرسودہ قبالے نکلے

نہ فضیلت ہی رہی باقی نہ شجاعت قائم

مدتیں ہو گئیں یاروں کے دوالے نکلے

(۲)

جب تیز حصیاں سنائیں اُس نے مجھے تو میں نے — سیدھی سی بات کہہ کر سب پول کھول ڈالے

ہے مدعی قلندر اور طعنہ اُس کا بندر — آیا ہے۔ قلندر گردن میں ڈھول ڈالے

تارِ نظر سے بٹ کر جادو کی ڈور ہیں نے — چاہِ ذقن کے اندر الفت کے ڈول ڈالے

ذاتِ رسولِ اکرم اک گنجِ شائگاں ہے — تھے اس میں جتنے موتی سب ہیں نے رول ڈالے

عقلِ گرہ کشا نے ایمان کی بدولت
سب عقدہ ہائے مشکل ناخن سے کھول ڈالے

(۳)

"مولوی ظفر علی خاں کی" — سُرخی "الفضل" کی ہے یہ بانگی
حضرت میرزا بشیر الدین — جو ہیں تصویر شانِ یزداں کی
جن سے ہونا گناہ کا ہے محال — کب ہے تخصیص یہ تو انساں کی
ہم "قلم" "الصباح" کے ہو کر — بن گئے شکل رعد و طوفاں کی
طعنہ دیتے ہیں سہو کا ہم کو — ہے جو لکھ کر ہمارے نسیاں کی
کہ کہا ہم نے "بعض" کو کیوں "بعد" — مسخ کیوں ہم نے شکل قرآں کی
بات یہ ہے کہ آپ کے گھر سے — ہم کو نسبت ہے دست و داماں کی
ہم کو مشاطگی ازل سے ملی — آپ کے کاکلِ پریشاں کی

گالیاں ہم کو اور دے لیں آپ
جس سے رونق ہو تازہ دکّاں کی

قادیاں کی بجائے ہم کو پناہ
ملی یثرب کے میرِ ساماں کی

فخر اپنے گناہ پر ہے ہمیں
کہ ہے رحمت حجاب عصیاں کی

کل رفو ہوگا آپ کا دامن
آج جو شکل ہے گریباں کی

---

۱۲ ستمبر سنہ ۱۹۱۷ء

صلیب و ہلال

جو کشمکش ہے آج صلیب و ہلال میں — گذری نہ تھی کبھی بھی میرے وہم و خیال میں

حق پا بگل ہے باسفورس کے کنارہ پر — باطل ہے سربلند دردانیال میں

لہرا رہا ہے بام حرم پر لوائے کفر — لپٹا ہوا ہے کعبہ گلیم ضلال میں

اقصائے شرق و غرب میں اک حشر ہے بپا — پھیلا ہوا ہے فتنہ جنوب و شمال میں

وہ زخم دل کشائے سر سینہ پر لگے — آئے نہ پائے تھے جو ابھی اندمال میں

مسلم کے خوں سے ہی مشرق و مغرب ہیں لالہ زار — گذرے ہیں سات سال جدال و قتال میں

شرع نبی ہے دستخوش جولان فرنگ — سب فرق مٹ گیا ہے حرام و حلال میں

یزدانیوں کے صبر و رضا کا ہے امتحان — طاغوتیوں کے درس گہ اشتعال میں

یہ حال اپنے دوست کی امت کا دیکھ کر — بل پڑ گیا خدا کی جبین جلال میں

پہلے تھی ہم سے کفر کی اب ہے خدا سے جنگ
کچھ شک نہیں رہا ہے اب اس کے زوال میں

شراب تیز کا ایک جرعہ

اٹھے بادل کے مانند خود اور لے اٹھے مجھ کو
مرا پیمانہ ساقی اس شراب تیز سے بھر دے

نہ اس سے ڈر کہ ہوگا دوسرا ساغر تمنا آور
اسے اک اور صہبائے جنوں انگیز سے بھر دے

ابھی چھپا کا نہیں ہے اور بھی دو چار گھونٹ آئیں
خمستاں میں مری دولت کا خم انگیز سے بھر دے

اگر خم خانہ خالی ہو چکا ہے مئے سو غالب کا
تو اٹھ اور ایک کنٹری بن کی بیئر سے بھر دے

اٹھانا ہے رخ دلدار سے پردہ اگر تجھ کو
ملونی لا کے کچھ شیراز اور تبریز سے بھر دے

پلا کر بادۂ رنگیں پھر سوئے شبستاں کو
پری رویان شوخ و شنگ و بے پرہیز سے بھر دے

دلوں پر چشم نرگسیں سے ڈال کر ڈورے
مشام جاں کسی کی زلف عنبر بیز سے بھر دے

اگر کرنی ہو گلچینی گلستان معانی کی
تو دامان خیال اس خامۂ گلریز سے بھر دے

---

۱۴ جنوری سنہ ۱۹۱۷ء

اسلامی نظمیں

صادق پریس لاہور بیرون موری دروازہ میں باہتمام حکیم محمد عبدالرحیم پرنٹر و پبلشر چھپ کر
گجرات سے پنجاب بک ڈپو اردو بازار سے شائع ہوا

قرآن مجید

اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی اُس کی شان میں آیا ہے
رحمتِ عالم ہو کے اک اُمّی یہ پیغام لایا ہے

منکشف اس نے کر دیے بیاتِ عَلَّمَ الْاِنْسَان کے رموز
جن کو سمجھ کر خاک کے آدمی نے سر پہ عرش اٹھایا ہے

جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اُس کی زباں پہ آتے ہی
کفر کے برجِ سرِ فلک پہ پرچمِ دیں لہرایا ہے

اِنَّ الْبَاطِلَ کَانَ زَهُوْقًا کہہ کے دیا سبق حق گوئی
پتھر کے یا سونے کے ہوں اُس نے لات و ہبل کو گرایا ہے

بت کو خدائی سے کیا نسبت ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ
یاں کس سے نقشۂ توحید اُس نے نیا کھنچوایا ہے

حرمت سے زن کے زیست نکالی سست کو آب نکھریا
قطرے سے قلزم، تنکے سے گلشن پیدا کر کے دکھایا ہے

دامن بھر بھی گلستاں تھا آنکھ کو دامن گلچیں کا

سب رسے جہاں پیار سے جب بنا ابر کرم برسایا ہے

جن کے عقدہ میں تھی غلامی اُن سے انھیں آزاد کیا

نوع بشر کی لوح جبیں سے اُس کے یہ داغ مٹایا ہے

ابیض و اسود احمر و اصفر خالی دوئی خورد و بزرگ

سب کو ملا ایک ہی کنبہ ایک ہی گھر میں بسایا ہے

سطوت قیصر حشمت خاقاں صولت کسریٰ دولت جم

تھی سب کیونکر اُس نے یہ نکتہ دیدہ وروں کو بتایا ہے

خم ہوا علوم خشک چلا ہے ساغر جس میں بھی ہو گیا

تا ابد وہ جام چھلکتا اُس نے جسے چھلکایا ہے

کون و مکاں سے آج تک اُس کا جلوہ چھپا جا سکا

ایک فقط انساں ہی کا ہے سینہ جس میں یہ نور سمایا ہے

نماز

پڑھتے نہیں ہیں قوم کے لیڈر نماز کیوں — کم ہو گیا ہے قوم سے یہ امتیاز کیوں

ہوتی نہیں ہے سجدہ نشاں صبح اور شام — درگاہِ کبریا میں جبینِ نیاز کیوں

ارشادِ ایزدی سے ہو اعتراض کس لئے — فرمودۂ رسول سے یوں احتراز کیوں

آقا سے کیوں غلام کے دل میں ہو سرکشی — محمود سے ہوا ہے عناں تاب ایاز کیوں

ہم کو خبر سلف کی روایات کی نہیں — ناآشنا ہے شانہ سے زلفِ دراز کیوں

قرآن پہ جب عمل ہی مسلمان کا نہ ہو — ہوتا قصۂ زیبا سے حقیقت مجاز کیوں

مرشد میاں جو زندہ ہوتے تو پوچھتے — شہر کے رہتے ہیں بچے بے نماز کیوں

تم بے نماز ہو تو بلا سے، مزا کرو — لیکن مجھے بتاتے ہو وجہ جواز کیوں

بہتر یہی ہے چپ رہو تمہارا دھوکا ہے — دیتے ہو مجھ کو زحمتِ افشائے راز کیوں

آنکھیں خدا نے دی ہیں مگر دیکھتے نہیں — اس ہی سے منہ پھیر لے سوئے حجاز کیوں

ہندوستان کے مسلمان کا گناہ

ان کی جبیں پہ چیں ہے اور ابرو میں ہے شکن | چہرہ ہے خشمناک تو آنکھیں ہیں قہر پاش

دیتے خطاب ہیں کبھی ہندو کو ستمگری کا | مجھ کو پکارتے ہیں کبھی کہہ کے بدمعاش

میں خود ہی اپنے جرم کا ہوتا ہوں معترف | ناحق وہ کر رہے ہیں مرے جرم کی تلاش

بے شک میں بدمعاش بھی ہوں اور شریر بھی | آنکھوں پہ اور سر پہ یہ القاب جاں خراش

میری خطا یہ ہے کہ انہیں میں نے کر دیا | سنگِ جفا سے شیشۂ ایماں کو پاش پاش

میرا قصور یہ ہے کہ ان کی گلی میں کیوں | گاڑی نہیں ہے میں نے دفن کر کے غنڈے کی لاش

میرا گناہ یہ ہے کہ کیوں میں نے کر دیا

رازِ غلامیٔ صد و پنجاہ سالہ فاش

پھر وہی تو اور وہی تیرا شبستانِ غم تھا

امن یجیب المضطر اذا دعاہ ویکشف السوء ویجعلکم خلفاء الارض ءالٰہ مع اللہ قلیلاً ما تذکرون

وہ کون ہے جو مضطر کی دعا قبول کرتا ہے۔ اور بلاؤں کو ٹال دیتا ہے۔ اور تم کو زمین کی خلافت عطا کرتا ہے۔ کیا وہ خدا کے علاوہ کوئی اور خدا ہے تم سوچو! تو اس سوال کا جواب دے سکتے ہو۔ مگر تم سوچتے ہی کم ہو۔

بتا یہ میں نے کل شکوہ کیا تھا — کہ بگڑی جا رہی ہے میری تقدیر
سحر خیزی مری جاتی ہے بیکار — دعائیں ہیں مری خالی تاثیر
ابھی یہ شکوہ میں کر ہی رہا تھا — ندا آئی کہ کیوں ہوتا ہے دلگیر

بھروسہ رکھ ہماری مکرمت پہ
کئے جا ساتھ ساتھ اپنی بھی تدبیر

---

۲۸ اگست ۱۹۱۲ء

تکمیل ایمان

زکوٰۃ اچھی، حج اچھا، روزہ اچھا اور نماز اچھی
مگر میں باوجود اس کے مسلماں ہو نہیں سکتا

نہ جب تک کٹ مروں میں خواجۂ یثرب کی حرمت پر
خدا شاہد ہے کامل میرا ایماں ہو نہیں سکتا

دل ان کو خوفِ غیر اللہ سے خالی نہ ہو جب تک
مسلمانوں کی آزادی کا ساماں ہو نہیں سکتا

وہ ہوگا اور ہی کوئی جو بکتا ہو ٹکے پہ
میں اپنی صاف گوئی پر پشیماں ہو نہیں سکتا

عتاب انگریز کا ان سب مری باتوں کی قیمت ہو
قیامت تک مرا رخ اس سے گریزاں ہو نہیں سکتا

نکالیں مجھ پہ فتوے کفر کے یہ پیر سب مل کر
میں ان کے الٹی میٹم سے ہراساں ہو نہیں سکتا

---

۲۵ مئی ۱۹۲۹ء

لیکن جو کام آسکے نہ ابن سعود کے
چاہیں لگا کے سر پہ ہم ایسی کلاہ کو

---

۱۱ جنوری سنہ ۱۹۲۹ء

تاجِ سلیمان

شکست اہلِ یونان اگر کھا رہے ہیں — تو اپنے کئے کی سزا پا رہے ہیں
سنبھل جائیں جنگ آزمایانِ یورپ — کہ ترکانِ احرار گرما رہے ہیں
وہ کرد نکال جب سے البرز نے — سرِ کوہ پہ ترک یہ سارے ہیں
خود اپنے حریفوں کے ہاتھوں سے کرزن — خلیفوں کا تخت الٹوا رہے ہیں
ہوا مصطفیٰ کا جلال آشکارا — حنین اور بدر آج یاد آرہے ہیں
فرشتوں کے جھنڈ آسماں سے اتر کر — خلافت کو امداد پہنچا رہے ہیں

یہ غارت گری ہو کہ افسوں گری ہے — مراکش بھی سے وہ لٹوا رہے ہیں

ہرّے ڈے وہرّے کارے

شتربانوں کو بخشی جا رہی ہے پھر جہانبانی
عرب کی ریت کے ذرّے بنے گردوں کے سیّارے

حجاز اور اس کی تطہیر آئی حصّے میں سعود اول کے
کہا سچ کہنے والے نے کہ "ہرّے ڈے وہرّے کارے"

خدا کی رحمتیں ابن سعود اور اس کی دولت پر
جسے ڈھب یاد ہیں اقبال کی تسخیر کے سارے

الٹ جاتی ہے جب تقدیر کام آتی نہیں طاقت
نہ چل سکتی ہیں توپیں نہ اڑ سکتے ہیں طیارے

علی اور اس کے اعوان ایک بھی میدان نہیں جیتے
سعود اور اس کے اخوان ایک بھی بازی نہیں ہارے

بداوت کو حضارت سے پڑا پالا تو دیکھو گے
دھرے رہ جائیں گے قانون انگریزی کے پشتارے

سکھاتے ہیں تہذیب آج بھی صحرا نشیں ان کو
جو ہیں اس دور کی شائستگی کے عرش کے تارے

حرم کی طرح جدہ پر بھی اہل نجد قابض ہیں
مخاطب کس سے جا کر ہوں اب اہل جدہ بیچارے

سلامت گنبد خضرا کو جا کر جب وہ دیکھیں گے
عجب کیا ہے جھکا لیں اپنی گردن شرم کے مارے

ابلنے لگ گیا پھر چشمۂ نور ان اماکن سے
جو تھے ایام سابق میں سیہ بختی کے گہوارے

حجاز اب ملت بیضا کی رعنائی کا گھر ہوگا
بجیں گے اب یہاں اسلام کی شوکت کے نقارے

۲۶ دسمبر ۱۹۲۵ء

إِنَّ اللَّهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتَّىٰ يُغَيِّرُوا مَا بِأَنفُسِهِمْ

کچھ اس کی بھی خبر ہے تجھ کو اے مسلم کہ آپہنچی — وہ ساعت جو نہ ہوسکنے سے بھی لیتی نام ٹلنے کا
بھڑک اٹھی وہ آگ اسلام نے جس کی خبر دی تھی — کیا ہے کفر نے ساماں ترے خرمن کے جلنے کا
گھٹی ہیں بدلیاں سر پہ غبار آلودہ ہونٹوں پہ — تماشا دیکھ لے حسرت سے غم کے اُبلنے کا
تجھے تہذیب مغرب سبز باغ اپنا دکھاتی ہے — یہ ساماں ہو رہا ہے تیری نیت کے پھسلنے کا
ترا اخراج قسطنطنیہ سے شاید نشاں ہوگا — امام مہدی برحق کے میداں میں نکلنے کا
اگر قرآں کا وعدہ سچ ہے اپنی کچھ شکستیں ہیچ ہیں — تو وقت آ ہی گیا ہے کفر کے سورج کے ڈھلنے کا
رسول اللہ خود گرتے ہوؤں کو تھام لیتے ہیں — تجھے اے بے خبر ہر وقت موقع ہے سنبھلنے کا

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا

---

۲۲ اپریل سنہ ۱۹۲۰ء

زہر اور اس کا تریاق

کسو گے تم نہ جب تک پیچ پُرزے شرع کی کل کے
شکنجہ مغربی تہذیب کا ڈھیلا نہیں ہوگا

خروشِ لہر تھم سکتا نہیں گردن کے حلقوں میں
سرودِ رتّلِ القرآن ترتیلا نہیں ہوگا

مسلماں تھام لیں گے جب رسول اللہ کا دامن
مؤثر کافروں کا کوئی بھی حیلہ نہیں ہوگا

ڈسیں گے پھر بھی یہ افعی کہ ڈسنا ان کی فطرت ہے
مگر اس وقت ان کا ڈنک زہریلا نہیں ہوگا

شجر اسلام کا پھولا پھلا ہوگا خزاں میں بھی
کوئی برگ اس درختِ سبز کا پیلا نہیں ہوگا

مضیٰ ما مضیٰ

کچھ آج اپنی مصیبت کا ماجرا کہیے
مگر جو کہیے وہ سچ کہیے اور سچا کہیے

ہر اک جفا کی حقیقت الگ الگ کہیے
ہر ایک ظلم کا قصہ جدا جدا کہیے

کبھی خود اپنے چلن کی برائیاں گنیے
اور اس کو اپنی خرابی کی ابتدا کہیے

درازیِ شبِ فرقت کی داستاں ہو اگر
کمی رہی ہو تو کوتاہیِ قضا کہیے

عرب کی خاک اڑی ہو گیا عجم پامال
ستم ہوئے ہیں وہ اسلام پر کہ کیا کہیے

یہ کیا غضب ہے کہ گھر کو لگا گئے آپ ہی آگ
پھر اس کو شوخیِ تقدیرِ نارسا کہیے

کیا ہے حملہ خود اپنی ہی فوج پہ ہم نے
ستم ہے اس کو بھی دشمن کی گر دغا کہیے

ہماری تیغ ہمارے ہی خون میں پھر گئی
اسے بھی شوق سے قاتل کی اک ادا کہیے

جھکا ہوا علم اب سربلند ہے تو اٹھے
حضورِ خواجۂ کونین کی دعا کہیے

رگِ حرم سے بہا ہے جو خونِ ناب اس کو
عروسِ بخت کی رنگینیِ حنا کہیے

عجم کی خاک ہے گلرنگ خونِ مسلم سے
اُسے قبا تو اُسے تکمۂ قبا کہیے

دلِ عرب کبھی ترکوں سے مل نہ سکتا تھا
ملا تو اس کو خلافت کا خوں بہا کہیے

بہ غمِ عیسیٰ مریم لما سبقتانی — نہ کہیے بلکہ جو کہیے تو ساقلی کہیے

بہ رسمِ مومن قانت شب بلا سر سے — جو ٹل گئی تو مضیٰ کہہ کے ما مضیٰ کہیے

نہیں رہا ہے ذرا اندازۂ رقیب کا خوف — اب اٹھ کے بزم میں جو کہیے برملا کہیے

بقول غالب اگر پار اُتر گئی کشتی

"خدا سے کیا ستم و جورِ ناخدا کہیے"

سفیرِ سروش

فلا تعجل علیہم سن کے بھی تجھ کو نہ صبر آیا — مگر یہ ناصبوری مقتضا ہے تیری فطرت کا

نظر آتے تجھے معلول و علت کے تہِ عالم — اٹھا سکتا اگر تو پردہ ایزد کی مشیت کا

تری آنکھوں سے اوجھل وہ حیاتِ نو ہے دنیا کی — تصرف جس میں پنہاں ہو خدا کی دستِ قدرت کا

تجھے نقشہ نظر آیا ہے جن کی جو قیامت کا — وہ امت کی حیاتِ جاوداں کا ساز و ساماں ہے

جسے تعبیر سیلابِ حوادث سے کیا تو نے — حقیقت میں وہ اک اُمڈا ہوا دریا ہے رحمت کا

سمجھتا ہے تباہی تو جسے اسلام والوں کی — وہ در اصل اک نیا انداز ہے احیاء ملت کا

حرم کیا ہے فقط اک جذبہ ہے جس کی جہانگیری
خراج اقلیم جاں سے آکے لیتی ہے اخوت کا

قیاسا بانیاں اسمیں نہیں ہیں اینٹ پتھر کی
بگڑنا کس طرح ممکن ہے بن کر اس عمارت کا

یہ جو کچھ ہو رہا ہے ہو رہا ہے ایک مقصد سو
تحفظ اس سے ہے مقصود ناموس شریعت کا

ڈبوئے جا رہے ہیں ہر طرف کفار کے بیڑے
مٹایا جا رہا ہے ہر طرف نقش انکی عظمت کا

کہاں ہیں رومتان اور ہو گئی کیا سلطنت انکی
ابھی کل تک جہاں میں غلغلہ تھا جنکی صولت کا

کدھر ہیں پیرگ اور کیا ہوئی انکی شہنشاہی
کہ تھی عثمانیوں کے حق میں اک پرکالہ آفت کا

فدائی کیونواسے مٹ گئے اور مٹتے جاتے ہیں
وہی رہ جائیں گے کچھ پاس ہے جن کو امانت کا

خدا ہرگز نہیں کرتا فراموش اپنے بندوں کو
اگر بندے ادا کرتے ہیں فرض اس کی طاعت کا

بڑھا ہے چاند گھٹ گھٹ کے بڑھی ہے موج ہٹ ہٹ کے
اسی انداز سے ہوگا عروج اک دن خلافت کا

انہیں آتش بجانوں کا حیات دہر پر حق ہے
جو رکھتے ہوں بھروسہ پردہ میں بھی داغ شہادت کا

مسلماں جی نہیں سکتا ہے مر لیتا نہیں جبتک
یہ دریا چڑھ نہیں سکتا اتر لیتا نہیں جبتک

فریادِ جرس

کل کہہ رہے تھے ایک محبِّ وطن بزرگ — ہندوستان رہنے کے قابل نہیں رہا

انساں سے چھین لی گئی آزادیٔ ضمیر — لیلیٰ کے ناقہ کے لئے محمل نہیں رہا

تھا دشنۂ حق کا نیشتر کبھی خوں ریز بھی، مگر — کچھ دن سے درخورِ رگِ باطل نہیں رہا

لندن کی عافیت کبھی جس کو رہی تھی ننگ — زنداں میں اب وہ شورِ سلاسل نہیں رہا

سچ اور جھوٹ میں نہیں باقی رہی تمیز — اور امتیازِ ناقص و کامل نہیں رہا

ہم آپ اپنی راہ کے سنگِ گراں بنے — رہبر کو فکرِ دوریٔ منزل نہیں رہا

آزادیٔ حیات کی جس دل میں تھی تڑپ — اب پہلوئے وطن میں وہی دل نہیں رہا

جو کوششِ آشتی کی ہوئی رائیگاں گئی — اور کوئی اتحاد کا قائل نہیں رہا

پھر کس سے ہے یہ شکوہ کہ لطفِ خدائے پاک — ہندوستاں کے حال کو شامل نہیں رہا

ہندو کی آنکھ کاش زمانہ ہی کھول دے
مسلم تو اپنے فرض سے غافل نہیں رہا

حنفیت

وہ اگلے زمانے کے مسلمان کہاں ہیں
اسلام کی عزت کے نگہبان کہاں ہیں

جو چھوٹ نہ سکتا تھا وہ سر رشتہ کیا ہوا
جو ٹوٹ نہ سکتے تھے وہ پیمان کہاں ہیں

وہ آنکھ کدھر ہے جسے کہتے تھے جہاں بیں
حق بات جو سن لیتے تھے وہ کان کہاں ہیں

جھکتی تھیں جہاں قیصر و کسریٰ کی جبینیں
اُس قصر فلک بوس کے دربان کہاں ہیں

جو چھین لیا کرتے تھے اعدا کے دلوں کو
یاروں کے وہ اخلاق وہ احسان کہاں ہیں

پڑ جائے ابھی زلزلہ آفاق میں لیکن
ابرو پہ شکن پڑنے کے سامان کہاں ہیں

ظالم کی بدی کا بھی ہوئی تھی جو روادار
رحمت بھری اُس فقہ کے عنوان کہاں ہیں

منہ پر حنفیت ہے مگر دل میں خرافات
تقلید کریں جن کی وہ نعمان کہاں ہیں

---

۱۶ دسمبر ۱۹۲۶ء

ما را نص می باید نہ فص

خیز تا خرقۂ صوفی بہ خرابات بریم

پکو اے حال والو سمجھے بھی ہو تم
گنوائے راز حیات امم کو

جو قوت ہو بازو میں اور دل میں ایمان
تو ہستی مٹا دے گی نقش عدم کو

سمجھ کر بگڑ موت کو زندگی تم
تصوف کی پٹی پڑھاتے ہو ہم کو

بہایا ہے اسلام کا خون تم نے
پھر اس خوں سے کرتے ہو رنگیں حرم کو

گرایا زمیں پر ہمیں آسماں سے
بنایا گدا تم نے دارا و جم کو

خدا تم کو ٹھہرائے تم نے بتایا
مرادف الف لام میم اور الم کو

ولایت کو سمجھا رسالت سے افضل
خدا کی جگہ دے چکے ہو صنم کو

طریقت تمہاری شریعت ہماری
مبارک تمہیں فص اور نص ہم کو

یہاں آؤ قرآن تم کو پڑھائیں
لئے پھرتے ہو کیا فصوص الحکم کو

عبرت

وہ امت جو دنیا میں خیر الامم تھی ارادہ تھا جس کا خدا کی مشیت
ہوئی ہند میں اپنے مرکز سے ایسی کہ آج اس کا مذہب ہوا لامرکزیت
نہ خوفِ خدا ہے نہ شرمِ پیمبر شریعت ہے بازیچۂ نو فقہیت
بنایا تھا حیواں کو جس نے انساں اُس امت سے ہے خود گم ہوئی آدمیت
نہ دنیا کی رفتار کا علم ہے ہم کو نہ اسرارِ دیں سے ہمیں واقفیت
سبھی بار بر کر چکے حق بہ دنداں ہے اب ہم پہ بھاری ہی اکثریت
پرایوں سے پہنچا نہیں رنج اتنا ملی ہم کو اپنوں سے جتنی اذیت

بدل جائیں جب خود طریقے ہمارے
تو پھر کیوں نہ بدلے حریفوں کی نیت

---

۲۵ جنوری سنہ ۱۹۲۹ء

ہمارا ماضی و حال

کبھی بام ثریا سے بھی اونچی جو عمارت تھی — وہ قصر سطوت کبریٰ کی رفعت سے عبارت تھی
ہوئی حجت خدا کی ختم آخر نوع انساں پہ — مگر دی گئی جس کی زمانہ کو بشارت تھی
نہ ملتا تاج اسے کیوں رحمۃ للعالمینی کا — کہ اس کو دی گئی بزم نبوت کی صدارت تھی
اک امی ایک ٹھوکر سے کرے سو فلسفی پیدا — نہ پوچھا فلسفہ اس کا یہ اک ایسی بجھارت تھی
نمازیں آب خنجر سے وضو کر کے پڑھتے تھے — اسی پانی سے مومن کی ہوا کرتی طہارت تھی
احل اللہ البیع اپنی فراغت کا وسیلہ تھا — جہانداری تو مسلم کے لئے بڑھ کر تجارت تھی
قبا ہوتی تھی اوپر اور نیچے خرقہ ہوتا تھا — وہ دنیا دیں نہ ہو جس میں یہاں اس کی حقارت تھی
ہمارا ظاہر و باطن ڈھلا تھا ایک سانچے میں — بصیرت تھی دلوں میں اور آنکھوں میں بصارت تھی
نہیں ابجد شناس اغیار اب تک ہو سکے اس سے — ہمیں جس علم پہ قدرت تھی جس فن میں مہارت تھی
ہمارا سر نہ جھکتا تھا کسی فرعون کے آگے — رگوں میں شیر خوں تھا اور اس خوں میں حرارت تھی
تجاوز کر نہ سکتے تھے وجادلھم میں احسن ہو — کہ حسن خلق کی اوراق قرآں میں اشارت تھی
اگر ہم آج کے دن وہ نہیں ہیں جو کسی دن تھے — تو یہ قسمت کی شوخی تھی مقدر کی شرارت تھی

طاقتِ ایمان

وطن کو میں چمنستاں بنا کے چھوڑوں گا
اور اس کی صبح کو خنداں بنا کے چھوڑوں گا

ہر ایک وقت کے دارا کو اور سکندر کو
میں اپنے قصر کا درباں بنا کے چھوڑوں گا

میں نام لے کے محمدؐ کا اک زیر دستوں کو
حریف رستم و دستاں بنا کے چھوڑوں گا

ادب نماز کے اوقات کا وہ سیکھے گی
میں کانگرس کو مسلماں بنا کے چھوڑوں گا

لہو شہید کا لوں گا اور اس کی سرخی کو
میں غازۂ رخ ایماں بنا کے چھوڑوں گا

نہاد جبر میں پنہاں ہے جس کی دشواری
میں اس کو صبر سے آساں بنا کے چھوڑوں گا

سنٹرل جیل لاہور
۲۸ دسمبر ۱۹۳۶ء

فخر و ننگ

یعنی اپنی قوتوں کو اگر منتظم کروں
گردونِ تیرہ چشم کی گردن کو خم کروں

اعلائے حق سے لشکرِ باطل کو دوں شکست
اعدائے حق کو صرفِ دمِ تیغِ دو دم کروں

ٹوٹے طلسمِ شرک ہُوَ اللہ کا نشاں
آئینۂ افق پہ اگر مرتسم کروں

اک بات میں شریف کرے ساتھ اتحاد
میں سر کے بل جو عزمِ طوافِ حرم کروں

لکھوں اگر خلافتِ عظمیٰ کی داستاں
ہر ہر ورق کو رشکِ صحنِ ارم کروں

گاندھی خود آئے چل کے محمد علی کے گھر
پڑھ کر اگر میں سورۂ اخلاص دم کروں

سہے امرِ خواجۂ دو سرا اَخْرِجُوا الیہود
سارا جہاں ہو پاک جو میں جن کو کم کروں

ہو غلغلہ لَقَدْ صَدَقَ اللہ کا بلند
فتحِ قریب کی جو بشارت رقم کروں

پہلا سبق ملا ہے الف لام میم کا
پھر کیا ضرور ہے کہ میں شرحِ الم کروں

یارب ترے کرم سے شکایت ہو کیا مجھے
میں جانِ ناتواں پہ جو خود ہی ستم کروں

چندہ لگا دوں آپ اب اپنے وجود کے نام کو
اپنی غرض کو کفر کے مقصد میں ضم کروں

انہوں سے تاج چھین کر دے دوں پرائے کو
برطانیہ کی نذر عرب اور عجم کروں

اپنا گلا بھی کاٹ لوں اپنے ہی ہاتھ سے
پھر مرثیہ بھی آپ ہی اپنا رقم کروں

ہے میری ذلتوں کا مضمون بہت وسیع
وسعت کہاں کہ اس کو سپرد قلم کروں

مئے باقی

نو بہار است ساقیا برخیز
مئے باقی بجام مسلم ریز

ماسوی سے سوا ہو کم جس کا
کیف جس کا ہو روح برق سے تیز

جس میں ہو نشۂ شراب حجاز
جس کے پینے میں ہو نہ کچھ پرہیز

جس کی مستی میں سامنے آجائیں
مرو و شیراز و مشہد و تبریز

ہو گل نو دمیدہ روح اس کی
یا مگر ایک شاہد نوخیز

مطرب اک نغمہ نشاط افزا
ساقی اک جرعۂ سرور انگیز

نالۂ دلکش بہ نوحۂ محزون
جام بینش بکوری چنگیز

آگئی باغِ مصطفےٰ میں بہار — کیوں نہ میرا قلم بھی ہو گلریز

عطر میں بس رہی ہے آج نسیم — اور شمال و صبا ہیں عنبر بیز

کوکبِ صبح جلوہ پیرا ہوا — شب نے کی اختیار راہِ گریز

عرش پر ایک پل میں پہنچوں گا — آج جولاں ہے فکر کا شبدیز

نامِ مصطفےٰ ہے اب تک نقش — مٹ گیا نامِ خسرو پرویز

دین دولہا ہے اور دلہن دنیا — عرش کابین ہے اور فرش جہیز

قطعِ جنت کی راہ ہوتی ہے — علم توسن ہے اور عمل مہمیز

عارضِ والضحیٰ ہے چہرہ ترا — زلف واللیل میری دستاویز

صلح اسلام سے ہوئی جس کی
اس سے کیا کر سکے گا چرخ ستیز

توکّل

ہے امرِ کُلُوا بھی تجھے وَاشْرَبُوا بھی
کبھی یاد آیا ہے لَا تُسْرِفُوا بھی

جہاں غل مچا ہے فَلْيَعْبُدُوا کا
لگا ایک تو نعرہ جَاهِدُوا بھی

اطاعت اُولِی الْاَمْر کی ہے مسلّم
اگر اس میں مِنْکُمْ کی ہو جستجو بھی

یہ مانا کہ سب ہے بہ عدل اُس کا
مگر شانِ رحمت ہو لَا تَقْنَطُوا بھی

وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ
ہے ایمان تو کر لے توکّل کی خوبی

ہے سمجھانا اپنی تہذیب ہمیں کو اتنا
نہیں آدمیت گئی اُن کو چھو بھی

مباح اُن کے مذہب میں کچھ کی کچھ بھی
حلال اُن کے مشرب میں اُس کا لہو بھی

خدا اپنے بندوں سے غافل نہیں ہے
نہ بھولا جو تجھ کو نہ بھول اُس کو تو بھی

دوائے بے پرہیز

ہے جستجو دوا کی دلِ دردمند کو
اور پھر دوا بھی وہ جو ہو پرہیز کے بغیر

بے لطف ہے فسانۂ گل و عندلیب کا
تشبیہ و ازو عدہ و تشبیہ و تبریز کے بغیر

سوائے حیات سے پیرایۂ نشاط
مینا عبث ہے طبع طرب خیز کے بغیر

نثری نماز تشریں شعری شعارِ شعر
لاؤں کہاں سے کلکِ گہر ریز کے بغیر

بن نامِ مصطفےٰ ہی کہتا آتا نہیں مزا
اُس قصۂ لذیذ و دل آویز کے بغیر

ظلمت سے زیب نہ کہ بزم بتوں کی
رونق نہیں ہے خسرو و پرویز کے بغیر

خم خانۂ حجاز کے مستوں کی زندگی
بیکار ہے ایاغ مئے تیز کے بغیر

دیوانگی نہ ہو تو یہ فرزانگی نہ ہو
مسلم ہے ہیچ عقل جنوں خیز کے بغیر

سارے جہاں کی پیاس بجھانی محال ہے
اسلام کے پیالۂ لبریز کے بغیر

چودھری فضل حق

میں نے مانا دشمنِ ملت جواہر لال ہے
جس کی چالوں سے مفادِ اسلام کا پامال ہے

گورنمنٹ اسکی کونسل میں نہیں اب تک ہوئی
خود ہمارا ہی یہ پھیلایا ہوا اک جال ہے

کیوں جناب افضل نے کھولی نہیں اپنی زباں
آج تک خاموش کیوں اس بارہ میں اقبال ہے

یاں یہ سنا ہے پھر فضل حق ہی پہ کیوں انقلاب
کیوں اسی بیچارہ کے حق میں قیل و قال ہے

وہ تو پھر بھی قوم کے کام آ ہی جاتا ہے کبھی
یہ سکھا نگر ہندوؤں کو حق میں حصہ فی الحال ہے

شہیدی جتھا

کٹے ہیں جس قدر سر ننگ سر کے گردوارے میں
ہے درج ان سب کی قربانی نرالے گوشوارے میں

نہ گھائل ہو سکی تھی جن کو ننکانہ میں آنکھ ان کی
انہیں بھی اس نے تڑپا کے ہی چھوڑا اک اشارے میں

بچے ہیں کب تفنگوں سے نہ ننھے ننھے بچے بھی
ہے کیا تہذیب مغرب کا اشارہ ان کے بارے میں

ابھی دیکھا ہی کیا ہے تم نے اس خونی تماشے کو
بہت سے کھیل باقی ہیں مداری کے پٹارے میں

جفا کی گرمی بازار مظلومی کی رونق سے
رہا کرتی ہے ظالم کی تجارت ہی خسارے میں

پلٹ کر زیر دست آزار کو اک دن الٹ دے گی
یہی گردش جو ہے اس وقت سکھوں کے ستارے میں

بہائے ہیں جنہوں نے بے کسوں کے خون کے دریا
وہ خود بہہ جائیں گے تقدیر کی ندی کے دھارے میں
تمہیں بخشا گیا ہے دیدۂ بینا تو دیکھو گے
ہزاروں راکھ کے ڈھیر ایک نابھ کے شرارے میں

ملکۂ وکٹوریا

ملکہ وکٹوریا کی سالگرہ کے جشن کی تقریب میں سنڈلس یونین کلب میں ایک جلسہ ہوا جس کے لئے ایک فارسی قصیدہ میں نے لکھا تھا۔ یہ بھی گم ہو گیا۔ چند اشعار یاد رہ گئے جو لکھے جاتے ہیں۔

زمانہ گشت دگر غازہ چو رنگ بہار — عروس دہر بیاراست چہرہ چو نگار
دگر شفق بہ فلک چہرہ ارغوانی کرد — دگر نقاب ہمی افگند مہ از رخسار
دگر شد است عذار زمیں برنگ زبر — بسان لندن و پیرس بسان چین و تتار
دگر شدہ است تبسم بہ بوستان غنچہ — دگر شود متکلم بہ گلستان ہزار

دگر ز سبزه صبا فرش مخمل گسترد | دگر به باغ به رقص آمدست بید و چنار

دگر صفیر عنادل به شاخ گل برخاست | دگر به نغمه درآمد بلابل اشجار

دگر صریر قلم گشته است زمزمه سنج | چو مرغ صبح کند این دعا به تکرار

که باد قیصرهٔ ما به جشن سال گره | زمین دولت حشمش ز بخت برخوردار

به پیش آینه گیرد کجاست اسکندر | کجاست جم که به پیشش شود صبح بردار

به گاه رزم لباس تو عرصه‌ها خونی | به گاه بزم لباس تو دیده با گلنار

به عهد معدلتت جای کلیسا را | به جا رسان مساجد نبود سر و کلاه

به آسمان زمین تو بس انور را | غروب نیست تا طلوع چون یکبار

به دفع حکم تو گردد همی عوام و دشوار | به حسب خواهش تو سازند لیل و نهار

هزار سال گره هم چنان که امروز است
مبارکت بود این ماه پنج عز و وقار

مولوی ... ز مازنیں
علی گڑھ مسلم یونیورسٹی لائبریری کے
سیکرٹری تھے

۱۸۹۴ء

1894

۶ ...

مولود مسعود سرکار عالی سر کشن پرشاد

جواں بخت ہے صدرِ اعظم ہمارا
سخاوت میں حاتم تحمل میں دارا

جلال اور اقبال سے کے آسماں پر
چمکتا ہے اس کے مقدر کا تارا

خدا نے کیا اپنے فضل و کرم سے
عطا اس کو فرزند اک ماہ پارا

مہاراجہ کا جس گھڑی لال پیدا ہوا
ہوا ہے نصیب ازل کا اشارا

نکلتا ہے دریا سے جس طرح گوہر
گلستاں میں کھلتا ہے جیسے ہزارا

یہ مولود مسعود اسی طرح ہیں کچھ
نشانِ سعادت ہوا آشکارا

تمہاری جوانی کو ہو اس سے رونق
تمہارے بڑھاپے کو ہے یہ سہارا

ملی ہے وہ دولت تمہیں جس کے آگے
سمرقند کیا چیز اور کیا بخارا

یہ بچہ ہو ماں کے جگر کی ٹھنڈک
یہ بچہ ہو دادا کی آنکھوں کا تارا

خدا لائے وہ دن کہ گھر میں تمہارے
مبارک سلامت کا غل ہو دوبارہ

ہوئی فکر تاریخ جس وقت مجھ کو
تو قرآں سے میں نے کیا استخارا

مجھے داد دی دل سے واقف نے جب
میں سمجھا دعا نے ضیا کا پکارا

داستانِ شیخ

کتھا برہمن کی تو سن لی ہے تو نے ذرا سن لے اب شیخ کی داستاں بھی
ہم اُن کے ہیں جس نے سکھائی ہیں ہم کو جہاں بانیاں بھی جہاں بخشیاں بھی
نہیں اک فقط کعبہ ہی کے نگہباں مسلماں ہیں بُت خانہ کے پاسباں بھی
محمدؐ کے ناموس پہ کٹ مرے ہیں ہم فدا ان کی عزت پہ دل بھی ہے جاں بھی
مسلمانوں کی میراث روزِ ازل سے اگر بادشہ ہے تو ہے قہرماں بھی
عرب بھی ہمارا عجم بھی ہمارا ہماری ہی دولت ہے ہندوستاں بھی
خریدیں گے ہندوستاں کو مسلماں بکے خواہ ہستی کی ساری دکاں بھی
مسلماں کا خوں بہا کون دے گا کم اس خوں کی قیمت ہے دو نو جہاں بھی
سنا بارڈاروں سے لٹے گاندھی کا دوہا سنیں اب ہماری غزل خوانیاں بھی
زمیں شورِ تکبیر سے کانپ اٹھی لرزتا ہے اس نعرہ سے آسماں بھی

مسلماں کے آغوشِ رحمت میں آجا
اس آغوش میں امن بھی ہے اماں بھی

بچۂ سقا کی پشت پر استعمارِ مغرب کا مشکیزہ

عید الفطر سنہ ۱۳۴۷ھ

مجھے دم آج مسلم کو یہ جاں پرور نوید آئی — کہ کل شب آسماں پر چاند چمکا اور عید آئی

پیوں گا بادۂ لَا تَقْنَطُوْا کے جام بھر بھر کر — خمستانِ عرب کی میرے ہاتھوں میں کلید آئی

دیا پیغام نصرت قدسیوں نے عرشِ اعظم سے — اور اس پیغام کی قندہار سے ہوتی رسید آئی

سنا ہے سیستاں میں اک نیا رستم ہوا پیدا — بسالت جس کی مرگ آسا سرِ دیوِ سپید آئی

ہے پشت سقہ پر مشکیزہ استعمارِ مغرب کا — یہ ہے وہ ماجرا جس کی شہادت چشم دید آئی

کسی کے حصہ میں انعام اَنْزَلْنَا الْحَدِیْدَ آیا — کسی کے حق میں مثواہ جہنم کی وعید آئی

شراب آئی وہ بابا سے خلافت بھی نہیں جس کی — مگر ہو کر فرنگستاں کی بھٹی سے کشید آئی

پشاور سے امان اللہ خاں کی پیشوائی کو — علی گل خاں کی پیہم سعی سے نصرِ مزید آئی

جب آئی عید کی تقریب اک دنیا پکار اٹھی

کہ ان کے واسطے ساعت یہ آئی اور سعید آئی

وہ بھی دیکھا یہ بھی دیکھ

گھر بھر انگریز کا لندن میں دیکھ آیا ہے تو
چل کے دلی میں ہماری خانہ ویرانی بھی دیکھ

"تیج" کے صفحوں پہ کر گیتا کی پھلواڑی کی سیر
"الاماں" میں مظہرالدیں کی گل افشانی بھی دیکھ

اُس ہی سن سے لطعنہ ہائے دل فگار و جاں خراش
اور پھر اس کی گالیوں کی شانِ عریانی بھی دیکھ

ہندو و مسلم کے جوہر کھل گئے پیتے ہی چائے
اُن کی دانائی تو دیکھی اس کی نادانی بھی دیکھ

تو نے دیکھا ہے کہ تھا بھیدگر اں ایماں کا بھاؤ
ہم نشیں آج اس کی بے اندازہ ارزانی بھی دیکھ

بھائی پرمانند جی کی بس بھری پوتھی کے ساتھ
قادیاں کے میرزا جی کی مسلمانی بھی دیکھ

ہندوؤں میں ہے "ملاپ" اسلامیوں میں "انقلاب"
اُن کی جمعیت بھی دیکھ ان کی پریشانی بھی دیکھ

سُن لیا تو نے کنول کا خندہ بستاں فروز
لالہ زار ہند میں نرگس کی حیرانی بھی دیکھ

اے کہ تو نے دیکھ لی ہے بچہ سقہ کی مشک
آنکھ کھول اور اس میں استعمار کا پانی بھی دیکھ

اینٹ سے اینٹ آج بجتی دیکھ لے قندھار کی
قتل اور غارت کی کابل میں فراوانی بھی دیکھ

شور بازاری شریعت کے صنم خانے میں جا
شانِ یزدانی تو دیکھی آنِ شیطانی بھی دیکھ

دیکھ لیں اپنے تمدن کی نگار آرائیاں
آدمیت سوز ہی تہذیب نصرانی بھی دیکھ

اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ

گئے وہ دن کہ اکرم کیلئے تھی شرط اتقیٰ کی
شرف سب سے بڑا یہ تھا کہ دل میں حبِ دیں ہو

ادا امر اور نواہی کا ہو سستے جاگتے کھٹکا
بغل میں ہو اگر سنت تو مصحف زیرِ بالیں ہو

سب اک تسبیح کے دانے ہوں جس کا رشتہ ایماں
مساوات اور اخوت سب مسلمانوں کا آئیں ہو

بڑے میں اور چھوٹے میں فقط ہو امتیاز اتنا
وہ قلزم ہو یہ جیحوں ہو وہ ہو ماہ اور یہ پرویں ہو

گھرانا ایک ہو ان کا گو ان کا ہو سارا جہاں
مراقش ہو عرب ہو ہند ہو ایران ہو چیں ہو

بہ تقلیدِ ہنود اب تو مگر اپنی یہ حالت ہے
کہ اعلیٰ ذات بالا ہو اور ادنیٰ ذات پائیں ہو

یہ پوچھا جا رہا ہے آج کل خدامِ ملت سے
کہ تم ہو ذات کے رانگھڑ شیخ یا آرائیں ہو

شعوبیت کے سانچے میں ڈھلا جب بت تشتت کا
کہیں ڈیڑھ اینٹ کی مسجد کی اس لعنت سے تزئیں ہو

تو شتت شملہم کی پھر مساجد میں دعا کیسی
کہیں کافر کے منہ سے بھی بلند اس پر نہ آمیں ہو

ستم زدگان مالابار اور آصف جاہ ہفتم

گر اس کشور میں ہو اسلام کے چہرہ پہ کچھ رونق
تو مالابار تیری سرزمیں لالہ گوں ہی سے ہے

عرب کا خون تھا دیوانگی میں جوش کھا اٹھا
حمیت کا یہ جذبہ قرن اول کی جنوں ہی سے ہے

ہوا کیا کٹ گئے گر چند سر ہندوستاں میں بھی
زمیں مشرق کی جب گلرنگ خود ترکوں کے خوں ہی سے ہے

ملن تقتل کے پھندے میں پھنسا دی اُس نے خود گردن
الجھنا کس لئے پھر قاتل اس صید زبوں ہی سے ہے

حکومت سے شکایت ہو نہ شکوہ اس کی سطوت سے
ہمیں گر شکوہ ہے خود اپنے بخت واژگوں ہی سے ہے

اگر آصف جاہ ہفتم بیکسوں کے چارہ فرما ہیں
تو ہمدردی یہ اُن کی دل کے سوزِ اندروں ہی سے ہے

عتاب انگریز کا جس پہ ہو پھر اُس کی مدد کیسی
مگر اس سحر کا رشتہ اخوت کے فسوں ہی سے ہے

مسٹر لائڈ جارج کے استعفیٰ کی تاریخ

گلیڈسٹون اور سالسبری کی سب عنایت ہے
وگرنہ اس طرح برطانیہ بدنام کیوں ہوتا

جو کہلاتے ہیں لبرل گر حقیقت میں یہی ہوتے
تو گھر گھر ایشیا میں یوں بپا کہرام کیوں ہوتا

اگر تہذیب انسانی انہیں چھو بھی گئی ہوتی
سمرنا میں مسلمانوں کا قتل عام کیوں ہوتا

مسیحیت اڑاتی خاک گلستانِ بطحا کیوں
مسیحی کا گریباں گیر خونِ شام کیوں ہوتا

ادھر دہلی کے سر پر اک قیامت کیوں گذر جاتی
ادھر کابل میں آتش زیرِ پا اسلام کیوں ہوتا

سکھاتی گر نہ لائڈ جارج کی تلوار خونریزی
تو خنجر مصطفےٰ کا آج خوں آشام کیوں ہوتا

ملوکیت کی زد میں گر نہ استنبول آجاتا
تو پھر انگورہ اس کی موت کا پیغام کیوں ہوتا

نکلتا گھر سے قسطنطین کیوں بے آبرو ہوکر
وینیزیلاس خائب خاسر اور ناکام کیوں ہوتا

صلیب آلودۂ خاکِ مذلت کیوں نظر آتی
ہلال آسودۂ گردونِ نیلی فام کیوں ہوتا

سلیقہ گر قدح خواری کا ہوتا کچھ بھی رندوں کو
تو خود ساقی کے ہاتھوں واژگوں یہ جام کیوں ہوتا

نہ ہوتا ابتدا ہی سے اگر اسلام کا دشمن
تو لائڈ جارج کا ایسا بُرا انجام کیوں ہوتا

نہ ضد اس بانئ بیداد کو ہوتی خلافت سے
تو مستعفی بصد حیرت یہ نافرجام کیوں ہوتا

صفت بیداد[۷۱] کی ہوتی نہ گر اس نام میں شامل
تو قول ہاتف "اترا[۱۳] شحنۂ[۲۱] مرد" ک نام کیوں ہوتا

۱۳۴۴ھ

سہسرام

گنبد سے آ رہی ہے صدا شیر شاہ کی
ٹکرا رہی ہے عرش معلّٰی کے بام سے

وہ دن نہیں ہے دور کہ اسلام کا علم
ہوگا بلند ہند میں پھر اس مقام سے

کافر کعبہ ہوگا یہاں سے بھی جس طرح
اکھڑے قدم شریف کے بیت الحرام سے

دے گی خراج ملت بیضا کو کائنات
نکلے گی ذو الفقار علی پھر نیام سے

کوندیں گی جس میں سطوت کبریٰ کی بجلیاں
اٹھے گی ایک دن وہ گھٹا سہسرام سے

سہسرام
۳۱ ستمبر ۱۹۲۵ء

جشنِ آزادیِ کشمیر

گھر سے نکلے ہو پیمبر کے گھرانے والو ۔۔۔ تو سرِ اللہ کے رستے میں کٹاتے جاؤ

نوعِ انساں کو غلامی سے چھڑانے والو ۔۔۔ پرچمِ آزادیِ کامل کا اڑاتے جاؤ

دوش پہ بارِ امانت کے اٹھانے والو ۔۔۔ درجہ آدم سے فرشتوں کا گھٹاتے جاؤ

دونوں دنیاؤں کی رحمت کی خزانے والو ۔۔۔ دونوں ہاتھوں سے یہ گنجینہ لٹاتے جاؤ

گردنیں قیصر و کسریٰ کی جھکانے والو ۔۔۔ یہی زور آج بھی دنیا کو دکھاتے جاؤ

خانۂ ظلم کی بنیاد کے ڈھانے والو ۔۔۔ اینٹ سے اینٹ پھر اس گھر کی بجاتے جاؤ

نعرۂ توحید کا ہر بزم میں گانے والو ۔۔۔ ناچ نگنی کا حریفوں کو نچاتے جاؤ

شورِ اِنِ الحکم کا دنیا میں مچانے والو ۔۔۔ اپنی ہر شرط کی تعمیل کراتے جاؤ

باندھ کر سر سے کفن جنگ میں جانے والو ۔۔۔ ندیاں خونِ شہادت کی بہاتے جاؤ

خیلِ احرار میں نام اپنا لکھانے والو ۔۔۔ اپنی گنتی کو ستاروں سے بڑھاتے جاؤ

رسن و دار کو خاطر میں نہ لانے والو ۔۔۔ جشنِ آزادیِ کشمیر کا مناتے جاؤ

شریعتِ اسلامی اور یورپ

قطع ید سارق پہ ہے یورپ کا یہ فتویٰ — وحشی ہے وہ قانون جو دیتا یہ سزا ہے

تہذیب کے استاد کے اس قول کو سن کر — میں نے یہ کہا آپ کا ارشاد بجا ہے

دو تولہ ربڑ کے لئے افریقہ میں لیکن — اک ہاتھ اور اک پاؤں جو کٹ جائیں یہ کیا ہو

مقطوع ہوں اعضا فقط اتنی سی خطا پہ — مزدور نے پیمانے سے کم کام کیا ہے

ہو شغلۂ تفریح کا مُثلہ حبشی کا — کس مذہب و ملت میں یہ تعزیر روا ہے

ہے معترض اسلام پہ چوروں کا یہ ہمدرد — خود اس نے کبھی جائزہ اپنا بھی لیا ہے

شمشیر سے منہ موڑ کے تنکے سے الجھنا

اے اُمّتِ عیسیٰ تری دیرینہ ادا ہے

انگورہ

مصطفیٰ قائم نہ کرتا گر نظام انگورہ کا
کام کرزن نے کیا ہی تھا تمام انگورہ کا

جا کے یورپ میں اُڑا آیا ملوکیت کی خاک
اپنی ٹاپوں سے سمندِ تیز گام انگورہ کا

اپنے جمہوری اصولوں پر جو نازاں ہیں انہیں
محوِ حیرت کر رہا ہے انتظام انگورہ کا

اٹھ کھڑے ہوں اپنے اپنے پاؤں پر سب حق پرست
ساری دنیا کو یہ پہنچا ہے پیام انگورہ کا

ایشیا کا افتخار اس کو کیا اللہ نے
اس سے بھی اونچا ابھی ہوگا مقام انگورہ کا

حشر کے دن تک نہیں ہے جسکو خوف انفصام
ہے اسی حبل المتیں سے اعتصام انگورہ کا

لرزہ ہو جاتا ہے طاری کفر کے اندام پر
اس کے حلقوں میں جب آ جاتا ہے نام انگورہ کا

اس پہ بس چلتا نہیں پھر کیوں نہ کاہن ہی سہی
دشمنانِ دین پہ حق انتقام انگورہ کا

ہے امان اللہ خاں بھی لیکن اُس صہبا سے مست
جس کی فخاری نے چھلکایا ہے جام انگورہ کا

آنیوالی ہے وہ ساعت جب کرینگے اتباع
کابل و ہند و عراق و مصر و شام انگورہ کا

دیکھ لیں گے اپنی ان آنکھوں سے ہم خود ایک دن
دشمنانِ نوعِ انساں کو غلام انگورہ کا

اسلامی یونیورسٹی

مسلمانوں پہ جو سر سید احمد خاں کا احساں ہیں   کہ نقشِ فی الحجر سرمایۂ لوحِ دل و جاں ہیں

اسی کی عمر بھر کی کوششوں کا ماحصل سمجھو   اثر بس عام بیداری کے ملت میں نمایاں ہیں

اسی کی پنجۂ شیرازہ بندی کے تصدق ہیں   فجز النسخۂ ملت کے اوراق پریشاں ہیں

حضور سرورِ کون و مکاں سے اس کو تمغے ہیں   ملا وہ دردِ مضمر قوم کے سب جس میں درماں ہیں

جگایا اس نے ہم سوتے ہوؤں کو خوابِ غفلت سے   وہ غفلت بستیاں جس سے قوموں کی ویراں ہیں

ہر اک دل میں لگا دی اک نئی ایسی لگن اس نے   کہ آتش دیرپا اس وقت تک اس سے مسلماں ہیں

ریاضِ قوم کو از بسکہ سینچا اس کے اشکوں نے   بہاریں اس کی رشکِ رونقِ گلزارِ رضواں ہیں

وہ خود تو خلد میں ہے کارنامے اس کے سب لیکن   مہ و خورشید کے مانند تاباں اور درخشاں ہیں

علی گڑھ میں کیا قائم وہ دار العلم سید نے   ثنا خواں ہیں پرائے جس کے اپنے جس پہ نازاں ہیں

یہ دار العلم اب بھی گرچہ ہے اسلام کا مرکز   فضائل جس سے ہیں پیدا اور معارف جس میں پنہاں ہیں

وہ جاں پرور چمن اس وقت بھی گو یاد دیتا ہے   عرب کی اور عجم کی بلبلیں جس باغ غزلخواں ہیں

مگر پروازِ شہبازِ تمنا ہے بلند اس سے   ہماری ہمتیں پا بوسِ سقفِ چرخِ گرداں ہیں

بنانا ہے ہمیں ملت کی یونیورسٹی اس کو
بٹھانا ہے ہمیں اوجِ ثریا پر ابھی اس کو

یہ دارالعلم سدِ راہِ آسیبِ زماں ہوگا — اسی چشمے سے دیکھو گے کہ اک دریا رواں ہوگا

حدیثِ شاعری جزویست از پیغمبری سچ ہے — یہ مطلع اس حقیقت کا مصدق بے گماں ہوگا

کبھی جو بات برسوں اب سے پہلے خواجہ حالی نے — زمانہ کوئی دن جاتا ہے اس کا ترجماں ہوگا

قدومِ میمنت آثار سے اپنے شہنشہ کے — شرف اندوز جس دن کشورِ ہندوستاں ہوگا

علی گڑھ کو لگیں گے چار چاند اور اُن کی کرنوں سے — منور ایشیا کے علم و فن کا آسماں ہوگا

عطا فرمائیں گے قیصر وہ شاہی چارٹر اس کو — مسلمانوں کی یونیورسٹی کا جو نشاں ہوگا

مسلمانوں پہ ہوگی نازل اس دن رحمتِ باری — مسلمانانِ عالم کا نصیب اس دن جواں ہوگا

جمعیت چکا دے گی تمام اسلام کا قرضہ — وہ قرضہ جانتا جس کو یقیناً اک جہاں ہوگا

سمجھ کر اپنے قیصر کو مثیلِ سایۂ احساں — دلِ احساں پذیر اس دن رہینِ امتناں ہوگا

ملے گا ہم کو اس دن خلعتِ حریتِ عقلی — علی گڑھ علم کا اس دن حقیقی پاسباں ہوگا

سمیٹیں گے متاعِ دین و دنیا اپنے دامن میں — یہ باہم بتناسب اتحادِ جسم و جاں ہوگا

ہم آغوش آ کے ہوں گے علم اور مذہب علیگڑھ میں — فقیہ و فلسفی ہر اک یہاں کا نکتہ داں ہوگا

علومِ مغربی کا فیض ہوگا اک طرف جاری — علومِ مشرقی کا اک طرف دریا رواں ہوگا

بجھے گی پیاس ہر کشور کے پیاسوں کی یہاں آکر / علی گڑھ منبعِ رودِ حیاتِ جاوداں ہوگا

مٹائے گا علی گڑھ اندلس کی یاد کو دل سے / اگر بغداد ہوگا زندہ تو آکر یہاں ہوگا

یہ مژدہ ہیں وقار الملک آغا خاں سنانے کو

کہ ہے فصلِ بہار اسلام کے گلشن میں آنے کو

مسلمانو! بس اٹھ بیٹھو کہ وقتِ امتحاں آیا / تمہاری راہ پر اک عمر کے بعد آسماں آیا

کرو گے اس سے بڑھ کر فخر تم کس بات پر یارو / کہ خود چل کر تمہارے گھر شہِ ہندوستاں آیا

الٹ جائے گی قسمت ہی نہ اب بھی گوہرِ مقصود / تمہارے ہاتھ اگر اے معشرِ اسلامیاں آیا

سمجھ لو لَن تَنالُوا البِرَّ حَتّیٰ تُنفِقُوا کو تم! / کہ یہ ارشاد ہے قرآں کا اندر بے گماں آیا

خدا کا شکر ہے ملت کو جو مخدوم ہیں ان کو / خیالِ دست گیریٔ گروہِ بے کساں آیا

بنے قومی گدا اور لے کے کاسہ ہاتھ میں نکلے / وہ کاسہ ہاتھ جس سے حاصلِ صد بحر و کاں آیا

نہ رکھا اس میں ہرگز ان کو آسائش نے دولت کی / نہ ان کو مطلقاً مانع خیالِ عز و شاں آیا

لیے کشکول آغا خاں کو جب دیکھا گدائی کا / نظر الفقر فخری کا ہمیں دلکش سماں آیا

پھری تصویر ایثار اور فیاضی کی آنکھوں میں / زباں پر جب ہمارے نامِ سلطانِ جہاں آیا

جب اعیان و اکابر کی یہ بیداری کی حالت ہو / رہے گی قوم محوِ لذتِ خوابِ گراں آیا؟

پیادے اٹھ کے دوڑیں ساتھ اشتر سواروں کے / کہ منزل کے قریب الحمد للہ کارواں آیا

فقط دس لاکھ ہیں مقصد کی اب تکمیل ہوتی ہے
سمجھ سکتے نہیں ہم کس لئے پھر ڈھیل ہوتی ہے

یقیں ہے پل میں حل یہ عقدۂ دشوار ہو جائے
ذرا ساقی کی چشم مست اگر ہشیار ہو جائے

کرے گر قوم مل کر عرض آصف جاہ سادس سے
ادھر بھی اک نظر اے قوم کی سرکار ہو جائے

بنایا خاک کو ہے کیمیا تیری نگاہوں نے
خزف جس کے اثر سے گوہر شہوار ہو جائے

سرور انگیز تیرا بادۂ ایثار و احساں ہے
پلا اتنا کہ محفل مست اور سرشار ہو جائے

ترا وابستۂ دامانِ دولت جب علی گڑھ ہے
نہ استمداد کو طیار کیوں ہر بار ہو جائے

اگر جنبش میں آ جائے کفِ گوہر فشاں تیری
مسلمانوں کی یونیورسٹی تیار ہو جائے

اگر یہ عرض پہنچے میر محبوب علی خاں تک
بلا وقت مسلمانوں کا بیڑا پار ہو جائے

خدا چاہے تو ہوں گی مشکلیں سب قوم کی آساں
علی گڑھ علم کا بن جائیگا خورشید نور افشاں

کھری کھری باتیں

محو ہوئے معاش میں بھول گئے معاد کو
پیش نظر نہ رکھ سکے حشر ثمود و عاد کو

رازِ حیات قوم تھا مستترِ اجتماع میں
قوم ذریعۂ نجات سمجھی ہے انفراد کو

محو دلوں سے ہو گئی آیۂ لَا تَفَرَّقُوا
چھوڑ دیا ہے ہاتھ سے رشتۂ اعتصاد کو

حکمتِ نصِ وَلْتَکُنْ پر نہ کیا جنہوں نے غور
بیٹھ کے رو رہے ہیں آج فتنۂ ارتداد کو

کفر ہے دیں کی تاک میں اب تو مٹاؤ تفرقے
حیف ہے اب بھی راہ دو دل میں اگر عناد کو

حکم ہے راجپوت کو سامریانِ ہند کا
گائے کے آگے سر جھکا چھوڑ خدا کی یاد کو

مشعلِ دیں کی سمت میں چل نہ سکی ہزار سال
آج ہے کیوں یہ حوصلہ کفر کی تند باد کو

ہاتھ میں لیکے سنگ و خشت بت شکن اور بت پرست
توڑ رہے ہیں ہند کے شیشۂ اتحاد کو

قوم جو ہو چلی تھی ایک کائی کی طرح پھٹ گئی
آج پہنچ گئے عدو اپنی دلی مراد کو

حامد اگر خدا نے کی فتنہ گروں سے باز پرس
کھو کے رہیگی کانگرس ملک کے اعتماد کو

روزنامہ مساوات

بدل جاؤ سنو میری اگر بات ۔ کہ ہیں بدلے ہوئے دنیا کے حالات
فلک پر جلوہ افشاں ہے نیا دن ۔ زمیں پر ظلمت آرا ہے نئی رات
ہوئے ہیں بطن گیتی سے ہویدا ۔ اچھوتے اور نرالے انقلابات
علمداران ناموس شریعت ۔ سکھاتے ہیں نصاریٰ سے موالات
نگہداران آئین طریقت ۔ پڑھاتے ہیں ہمیں درس خرافات
شریفوں پر ہوا ہندوستاں تنگ ۔ زمانے کے ہیں یہ بھی اتفاقات
صحافت آج ان کے ہاتھ میں ہے ۔ بسر ہے گالیوں پر جن کی اوقات
نکل آئے ہیں اپنے بل سے ڈوڈی ۔ کہ آ پہنچا ہے وقت انتخابات
کرو پھر تازہ آئین کہن کو ۔ نہیں بھولے اگر اپنی روایات
بھروسا ہی جو کرنا ہو کسی پر ۔ تو کیا کافی نہیں اللہ کی ذات
غلامی کے سلاسل کاٹ ڈالو ۔ مٹا کر ہندوؤں سے اختلافات
وطن کے واسطے بشرت سے لاؤ ۔ اخوت اور آزادی کی سوغات
یہی پیغام عالم دے رہا ہے ۔ یہی انعام لایا ہے "مساوات"

آہ! فاطمہؓ کا انجام

مسلمانوں کے دل میں جذبۂ اسلام باقی ہے
قدح خواروں کے خم میں بادۂ گلفام باقی ہے

رسولؐ اللہ نہ ہوں قرآن تو بیدار ہے اب بھی
نہیں گر خم نہیں کیا غم کہ جم کا جام باقی ہے

یزیدی اور زیادی یاد بھی آتے نہیں ہم کو
مگر اب تک حسینؓ ابن علیؓ کا نام باقی ہے

وہ من یقتل کی سرخی ہے حدیث نامۂ جاں پر
خدا کی طرح اُس کا آخری پیغام باقی ہے

سبق اُس نے دیا ہم کو حیاتِ جاودانی کا
جنابِ فاطمہؓ کی آہ کا انجام باقی ہے

سناں پر گرچہ اُس کا سر نشانِ حجتِ حق تھا
مگر اس حجتِ حق کا ابھی اتمام باقی ہے

زمانہ آئے گا کب یوفیوں کی صبح انور کا
ابھی تک کربلا میں کوفیوں کی شام باقی ہے

ہماری آنکھ کے آنسو نہیں گنے تاج کے موتی
ابھی تک پختہ مغزوں کی یہ حرص خام باقی ہے

حسینؓ ابن علیؓ کے قتل کا مطلب نہ ہم سمجھے
یہ ہم پہ آج تک اسلام کا الزام باقی ہے

نہ ہو کچھ نام سے مطلب فقط ہو کام سے مطلب
بقول اقبال کے اسلامیوں کا کام باقی ہے

۲۸ اکتوبر ۱۹۱۷ء

مدارجِ ارتقا

مصائب میں گرفتار اہلِ ایماں ہوتے جاتے ہیں
مسلمانوں کی بیداری کے ساماں ہوتے جاتے ہیں

سکھایا جا رہا ہے نکتہ اُوْذُوْا فِیْ سَبِیْلِیْ کا
حق آگاہانِ اُمّت پا بجولاں ہوتے جاتے ہیں

علم تیغ و دم اُن کی سرِ تسلیم خم اپنا
وہ حیواں بنتے جاتے ہیں ہم انساں ہوتے جاتے ہیں

ستم کش کو خدا نے استقامت کا شرف بخشا،
ستم گار اپنی سختی پر پشیماں ہوتے جاتے ہیں

خدا نے غیب سے ساماں پیدا کر دیئے ایسے
کہ وہ عقدے جو لاینحل تھے آساں ہوتے جاتے ہیں

نئی شمعیں فروزاں ہو رہی ہیں بزمِ گیتی میں
نئے انجم فلک پر جلوہ افشاں ہوتے جاتے ہیں

نئے محمود پیدا ہو رہے ہیں خاکِ غزنی سے
نئے طغرل سریر آرائے ایراں ہوتے جاتے ہیں

نہیں تخصیص عہد اس میں محمد کے غلام اب بھی
سکندر بنتے جاتے ہیں سلیماں ہوتے جاتے ہیں

خلافت کے علم داروں کی چتون میں یہ ہیبت ہے
کہ دنیا بھر کے سرکش خس بدنداں ہوتے جاتے ہیں

خانۂ خدا کی حضوری

مسجد کو بسایا بھی اُسی شخص نے جس کو — توحید میں اور روزِ جزا میں نہ رہا شک
حاصل ہے حضوری جسے اللہ کے گھر کی — اُس مردِ مسلماں کے ایماں میں کیا شک

(حدیث)

اسلامی نغمے

صادق سٹیم پریس بیرون موری گیٹ لاہور

اے کہ ہے بندوق پر اور توپ پر ایماں ترا — نعرۂ اللہ اکبر کا اثر بھی دیکھ لے

جاں بحق مسلم ہوا سنتے ہی اس آواز کے — مصطفےٰ کو دیکھ اور ان کا نامہ بھی دیکھ لے

وادیٔ تثلیث کی دیکھی ہے تو نے دوڑ دھوپ — کوئے وحدت میں مسلماں کا گذر بھی دیکھ لے

شوق ہے تہذیب یورپ کے تماشے کا تجھے
مڑ کر او گبرِ کلیسائی ادھر بھی دیکھ لے

ذوقِ معرفت

اگر دل سے خیالِ طاعتِ معبود ہو جائے
تو انساں قدسیوں کا بے گماں مسجود ہو جائے

شہنشاہوں کے سر جھکنے لگیں اس کی حضوری میں
جبیں گر فقر سے مسلم کی گرد آلود ہو جائے

غلامِ احمدِ مرسل کو سلطاں کا ملے رتبہ
ایاز اس امتحاں میں بالیقیں محمود ہو جائے

بہار آئی گلستانِ رسالت میں تعجب کیا
ہر اک پتہ اگر اک جنتِ مقصود ہو جائے

چلے پھر دورِ صہبائے معارف ہند میں یارب
قبائے زہدِ مسلم بھی شراب آلود ہو جائے

مہاجن بن کے پہلے قرض تو یورپ کو ہم دے لیں
اجازت شرع دے دیگی کہ دگنا سود ہو جائے

---

۱۲ نومبر ۱۹۱۶ء

اسلام کا کوکبۂ خسروی

آنکھوں کے سامنے ہیں غلامی کی لعنتیں — ہیں آج لومڑی وہ جو کل تک تھے شیر مرد
لیکن خزاں کے بعد عمل ہے بہار کا — پھر سبز ہو رہے ہیں درختوں کے برگ زرد
اٹھا ہے پھر حرارت اسلام کا اُبال — اُس دیگ میں پڑی تھی بہت دیر سے جو سرد
بندھنے کو روزگار میں ہے اسلامیوں کی دھاک — اڑنے کو ہردوار میں ہے آریوں کی گرد

گو ہے سفر وسیلۂ ظفر کا تو ہم نشیں
گرم سفر ہیں جادۂ یثرب کے رہ نورد

اَسْلَمْتُ پکاروں گا باندازِ براہیم
مسلم ہوں مرا شیوۂ دیرینہ ہے تسلیم

کی ہے مرے ہادی نے مجھے صبر کی تلقین
دی ہے مرے آقا نے رضا کی مجھے تعلیم

جاہل ہو مخاطب تو میں کہتا ہوں سلاماً
بھولا نہیں ہیں اپنے پیمبر کی یہ تفہیم

دلجوئی اغیار مجھے مدِ نظر ہے
کرتا ہوں میں دنیا کے سب ادیان کی تکریم

لیکن میں پرستار نہیں خاکِ وطن کا
دیتا نہیں اس بت کو کسی شکل میں تعظیم

قائل نہیں ہیں ہند کے اُن فلسفیوں کا
جو ہم کو دلاتے ہیں یقین از رہِ تحکیم

جب تک کہ نہ ہو تابعِ خاکِ وطن ایمان
اس ملک میں ممکن نہیں اک قوم کی تنظیم

ایمان تو اک نور ہے دل جس سے ہے روشن
اس نور پہ کب خاک کو ہو سکتی ہے تقدیم

میں پہلے مسلماں ہوں بعد اسکے ہوں کچھ اور
وہ تھی میری تخصیص تو یہ ہے میری تعمیم

ادنیٰ سا رعیت ہوں میں شاہِ دوسرا کی
بستی ہے مری مشرق و مغرب کی ہر اقلیم

بخشی گئی دنیا بھی ملا دین بھی مجھکو
جس وقت کہ اسلام کی دولت ہوئی تقسیم

اے دینِ مبیں ہند میں درپیش ہے تجھ کو
آج ایک نیا خوف نیا خطرہ نیا بیم

توحید کے فرزند ہیں کفار کی زد میں
اور سب سے بڑا حربۂ کافر ہے زر و سیم

ہم کفر کی شبخوں سے ہرگز نہ ڈریں گے
سب جانتے ہیں جو کفار تو ہم جانتے ہیں سب

مرتا ہوں جو پیاسا بھی تو گنگا و جمن سے
لب تر نہ کرے جرعہ کشِ کوثر و تسنیم

بدلی ہے نہ بدلے گی مسلمان کی فطرت
اللہ کے قانون میں ہوتی نہیں ترمیم

دعوتِ عمل

اگر تم کو حق سے ہے کچھ بھی لگاؤ
تو باطل کے آگے نہ گردن جھکاؤ

حکومت کو تم نے لیا آزما
اب اپنے مقدر کو بھی آزماؤ

ہو تم جس کے ذرّے وہ ہے خاکِ ہند
چھپے ہیں جو اس میں وہ جوہر دکھاؤ

فلک پر مہ و مہر پڑ جائیں ماند
زمیں پر اس انداز سے جگمگاؤ

ہمالہ بھی آ جائے گر راہ میں
تو ٹھکرا کے آگے سے اس کو ہٹاؤ

کرے تم سے گنگا بھی گر بے رخی ۔۔۔ پلٹ کر اُلٹ دو تم اُس کا بہاؤ

زمانہ میں روشن کرو نام ہند ۔۔۔ ہر اقلیم میں اس کا سکّہ چلاؤ

ہر اک ملک کا ہاتھ میں لے کے دل ۔۔۔ ہر اک قوم سے اپنی عزّت کراؤ

پسینہ گرے ہندوؤں کا جہاں ۔۔۔ وہاں تم مسلمان کا خوں بہاؤ

زمیں ہو جب اس خون سے لالہ زار ۔۔۔ تو اس پر بساطِ اخوت بچھاؤ

بھریں گے یہ برسوں میں جا کر کہیں ۔۔۔ مسلماں کے پہلو کے گہرے ہیں گھاؤ

پرانا ہوا دفترِ اقتدار ۔۔۔ سمجھ لو اب اس کا بھی ہے چل چلاؤ

کسی روز خود غرق ہو جائے گی
بہت بہ چکی ہے یہ کاغذ کی ناؤ

ترانۂ جنگ

اے ملّتِ بیضا تری شوخی سے ہے نمودار
ہر راہ میں اب تک ترے نقشِ کفِ پا سے

اے سطوتِ کبریٰ تری تلوار کی جھنکار
سنتے ہیں یہ کان اب بھی دو عالم کی فضا سے

آفاق میں اب تک تری تقدیر کا طغرا
آراستہ ہے سرخیٔ خونِ شہدا سے

یہ سچ ہے کہ دنیائے صلیبی کی عداوت
لپٹی ہوئی ہے ان کی بلا تیرے لوا سے

گردش تری قسمت کی ہے پطرس کے پٹّے تلے
بجلی ترے دشمن کی ہے پاپا کے نوا سے

ہر گوشۂ عالم میں کلیسا کے پرستار
اب تک ہیں بدستور ترے خوں کے پیاسے

لیکن علمِ حق نہ جھکا ہے نہ جھکے گا
باطل کی فضاؤں میں پیمبر کی دعا سے

پھر سر سے لپیٹ اس کفنِ نور کو اک بار
لائے تھے جسے بدر کے میداں میں حرا سے

اعدا کی صفوں کو الٹ اس طرح کہ پیدا
ہو غلغلہ احسنت کا ارض اور سما سے

مرنا ہے تو مر جادۂ شاہِ دوسرا میں
ڈرنا ہے تو ڈر ایک محمدؐ کے خدا سے

انسانیّت کبریٰ کا مقام

اپنے آبائی شرف کا گر تجھے احساس ہو
شانِ ابراہیمؑ پیدا کر امام الناس ہو

تو مسلماں زادہ ہے پہچان اپنا مرتبہ
خضر کو رستہ دکھا تا پچ سرالیاس ہو

دیکھ لے دنیا تجھے باندھے ہوئے تیغ و کفن
کچھ بھی گر تجھ کو روایاتِ کہن کا پاس ہو

تیرے خنجر کے لئے خونِ دو عالم ہے مباح
گر یہ تیرا قصد ہو اور اُس کو اتنی پیاس ہو

بن نہیں سکتا صلاح الدین ایوبی اگر
ہند کی حرمت پہ مرشد اور جتندر داس ہو

---

۲۱ ستمبر ۱۹۲۹ء

فریادِ جرس

آزادیٔ وطن کے طلب گار ہیں کہاں
مشتاق جادۂ رسن و دار ہیں کہاں

دنیا خراب بادۂ پندار ہو گئی
خم خانۂ الست کے سرشار ہیں کہاں

شیطاں کا آستانہ ہے آدم کی سجدہ گاہ
اے رب کعبہ تیرے پرستار ہیں کہاں

کب سے بھٹک رہا ہے اندھیرے میں قافلہ
اسلامیوں کے قافلہ سالار ہیں کہاں

حرف آ رہا ہے عزت دین حنیف پر
ملت کی آبرو کے نگہدار ہیں کہاں

ایماں بھی سر بکف ہو جو خنجر بکف ہے کفر
لیکن ہم اس کے واسطے طیار ہیں کہاں

موت اک حیات تازہ کی جس کو نوید تھی
اس زندگی کے قوم میں آثار ہیں کہاں

---

۱۵ جولائی ۱۹۳۱ء

مسلمان کا مرتبہ

اے مسلماں جواب آپ ہی اپنا ہے تو ‏— اپنے اللہ کی رحمت کا سراپا ہے تو

جس نے دنیا کو دیا عدل و مساوات کا درس — اُس کے احسان کا بہتا ہُوا دریا ہے تو

فرش پر پاؤں ہیں اور عرش پہ ہے سر تیرا — علمِ تاجورِ یثرب و بطحا ہے تو

تیری تلوار کی جھنکار کا دنیا میں ہے شور — حشر اس شور سے کرتا گیا برپا ہے تو

بے پناہوں کیلئے ہے ترے بازو میں پناہ — ناتوانوں کو ہو غم کیا کہ توانا ہے تو

دونوں عالم ترے اک قطرۂ خوں کی قیمت — ہے فدا تیرے لئے کیونکہ خدا کا ہے تو

چومتے ہیں تری دہلیز کو ماہ و خورشید — محفلِ مشرق و مغرب کا اجالا ہے تو

کشورِ ہند کے ناموس کو خطرہ سے بچا — اے کہ ہنگامۂ توحید کا غوغا ہے تو

زندگی موت سے اسلام نے کی ہے پیدا
اے مسلماں اسی اسلام کا بیٹا ہے تو

شانِ اسد اللّٰہی

ہو دیکھنی جس کو اسد اللہ کی تصویر! — شیرانِ حرافش کو بپھرتا ہوا دیکھے
بگڑی ہوئی تقدیر کے سب بننے کا تماشا — افریقہ کے صحرا سے گزرتا ہوا دیکھے
جس جذبہ سے دب جاتی تھیں باطل کی امنگیں — پہلو میں پھر آج اُس کو اُبھرتا ہوا دیکھے
چڑھتی ہوئی توحید کی ندی کے مقابل — تثلیث کے دریا کو اترتا ہوا دیکھے
جو منفعل پنبۂ عیسیٰ نہیں ہوتا — اس رستے ہوئے زخم کو بھرتا ہوا دیکھے
مشاطۂ مغرب کے لپٹنے کے اثر سے — اسلام کی رنگت کو نکھرتا ہوا دیکھے
جاتا ہوا دیکھے چمنستاں سے خزاں کو — گلشن کو بہاراں میں سنورتا ہوا دیکھے

سرو و سمن و لالہ کے جنگل میں صبا کو
ہر شاخ پہ اٹکھیلیاں کرتا ہوا دیکھے

---

۸ اگست ۱۹۰[illegible]ء

جہان باطن

جس کو اس زلف سیاہ تاب کا سودا ہوگا | گر بلال حبشی ہے تو وہ دارا ہوگا
فرش اس کے لیے بن جائیگا ہم پایۂ عرش | اور ثری میں ہے تو ہمسر ثریا ہوگا
اس کے ہم چشم اسے سمجھیں گے بچشم و بدل | اپنے اقران و اماثل میں وہ یکتا ہوگا
اپنے اندر نظر آئے گا اسے ایک جہاں | اس جہاں پر اسے ہر قسم کا دعویٰ ہوگا
دل میں جلوے اسے ظلال کے آئیں گے نظر | اور داغ اس کے لیے سینۂ سینا ہوگا
شیوۂ مصطفوی سیکھ جو کر نہ اسلام | تجھ کو مسلم سبب نازش بیجا ہوگا
خاک چھڑک کہیں اکسیر نما آتی ہے | کس کو اس پر نہ زمانے میں اچنبھا ہوگا

کثرت میں گنگا کے بہانے والو
کہیں اک چشمۂ زمزم بھی ابلتا ہوگا

موجِ نور

توحید کے ترانے کی تانیں اڑائے جا — مطرب تمام رات یہی نغمہ گائے جا

ہر نغمہ سے خلا میں ملا کو ملائے جا — ہر زمزمہ سے نور کے دریا بہائے جا

ایک ایک تیری تال پہ سر جھومنے لگیں — ایک ایک سُر سے چوٹ جگر پہ لگائے جا

ہر زیر و بم سے کرتے تہ و بالا دماغ کو — ہر کٹکری سے پیچ دلوں کو گھمائے جا

ناسوتیوں سے چھین کے صبر و قرار و ہوش — لاہوتیوں کو وجد کے عالم میں لائے جا

تڑپا چکیں جنہیں تری رنگینیاں تو اب — ان کو یہ چند شعر مرے بھی سنائے جا

اے رہ نوردِ مرحلۂ ہفت خوانِ عشق — اس مرحلہ میں بھی ہے قدم آگے بڑھائے جا

خاطر میں لا نہ اس کے نشیب و فراز کو — جو سختیاں ہوں راہ میں آئیں اٹھائے جا

بکتا ہے لاکھ سر بھی اگر آ پڑے روش پہ — نام محمد عربی پر کٹائے جا

وہ زخم جن لیا ہے جنہیں پشت غیر نے — سینہ میں تیر سے آئیں تو چہرے پہ کھائے جا

کرتا رہ استوار اساسِ حریمِ دیں — اور ساتھ ساتھ کفر کی بنیاد ڈھائے جا

چھلکائے جا پیالہ شرابِ حجاز کا — دو چار گھونٹ اس کے ہمیں بھی پلائے جا

سر پر اگر ہو تاج تو ہو دوش پہ گلیم سا
دنیا کو شان پیشروں کی دکھائے جا
رکھ مسندِ رسول کی عزت کو برقرار
عثمان کے جلال کا پرچم اٹھائے جا

نشاۃ الثانیہ

گر چشمِ جہاں بیں ہے تو نیرنگِ جہاں دیکھ
آفاق میں اللہ کی قدرت کے نشاں دیکھ

کس قطعے سے داماںِ شبِ تار ہوا چاک
کس وضع سے خورشید ہوا جلوہ فشاں دیکھ

کس طرح ہری ہو گئیں سوکھی ہوئی شاخیں
رخصت ہوئی کیونکر گلستاں سے خزاں دیکھ

چڑھتی ہے کس انداز سے اتری ہوئی ندی
کس شان سے ہر چند میں آتا ہے نشاں دیکھ

پھر پاش میں پھیلا ہوا ہے جو کبھی تھا
توحید کے دریا کو کراں تا بکراں دیکھ

پھر پرچمِ اسلام ہے عالم میں سر افراز
پھر بدر بدی کی وہی شوکت وہی شان دیکھ

پھر زمزمۂ نعرۂ ایماں ہمہ تن سن
پھر قافلۂ یثرب و بطحا کو رواں دیکھ

اللہ کی رحمت کے کرشموں پہ نظر کر
ڈوبے ہوئے بیڑے کی اچھلنے کا سماں دیکھ

تفسیر سمجھنی ہو اگر کُن فیکُون کی
تاثیر دعا ہائے شہ کون و مکاں دیکھ

جو تخت پہ تھے تختہ ہے الٹا ہوا ان کا
جو تھے سپر انداز چڑھی ان کی کماں دیکھ

اک حملہ میں ترکوں نے لیا جا کے سمرنا
اک جست میں پہنچے ہیں کہاں سے وہ کہاں دیکھ

اے نالۂ مظلوم کی تاثیر کے منکر
آتش زدہ یورپ سے ہے اٹھتا ہوا دھواں دیکھ

وہ شہر جو اسلام کے فرزندوں پہ بنا تھا
اب چاٹ رہی ہے اسے شعلوں کی زباں دیکھ

پھر گرم ہے بازار رسول عربی کا
اور جل کے ہوئی راکھ صلیبوں کی دکاں دیکھ

جاذب ہے کشاں حسن مصطفوی کا
اللہ نے کس طرح کیا پھر گراں دیکھ

نفیر اسلام

بحکم اعدوالہم ما استطعتم — بڑھے جس قدر اپنی طاقت بڑھاؤ
فراہم کرو جنگ کا ساز و ساماں — نصاریٰ پہ ہیبت کا سکہ بٹھاؤ
بتائید حق اپنی ملت کے بل پر — حریفوں کی کثرت کے چھکے چھڑاؤ
کہانت کی بنیاد جس سے ہلا دی — اسی اللہ اکبر کے نعرے لگاؤ
اٹھاؤ نہ دریا کی لہروں کے احساں — جہازوں کو پھر خشکیوں پر چلاؤ
مٹا دو عجم اور عرب کی رقابت — جہاں میں بساطِ اخوت بچھاؤ
کرو ہوشیاری پہ مستی کو قرباں — خمستانِ یثرب کے ساغر لنڈھاؤ
حریفوں سے کہہ دو کہ ہم ہیں مسلماں — نہ باطل کی قوت سے ہم کو ڈراؤ
ہمیں آزمایا ہے سو بار تم نے — کسی اور کو جا کے اب آزماؤ
علم ہاتھ میں لے کے دینِ ہدیٰ کا — سرِ چین کا پھر اندلس سے ملاؤ
بجھا دو خرافات کی مشعلوں کو — حرم کا چراغ از سرِ نو جلاؤ
محمد کے جھنڈے کے سایہ کے نیچے — فلک کے نیچے نہ کہاؤ سر چھپاؤ

جستجو

خم خانۂ الست کے خمار ہیں کہاں — عہد سلف کے رند قدح خوار ہیں کہاں

اس بادۂ شبینہ کے سرمست ہیں کدھر — پیمانۂ یثربیہ کے سرشار ہیں کہاں

جھکنے لگی ہے غیر کی دہلیز پہ جبیں — اے رب کعبہ تیرے پرستار ہیں کہاں

دنیا کی لذتوں سے تو ہیں بہرہ ور سبھی — عقبیٰ کی عزتوں کے خریدار ہیں کہاں

اسلامیوں کا شوق شہادت کدھر گیا — جو سر تھے زینت رسن و دار ہیں کہاں

وہ کشتگان خنجر تسلیم کیا ہوئے — وہ عاشقان احمد مختار ہیں کہاں

طوفاں زدوں کو جن کی ضیا تھی دلیل راہ — یثرب کی روشنی کے وہ مینار ہیں کہاں

برطانیہ کا کوکب ہے ویسے ہی بلند — ہندوستان کے قافلہ سالار ہیں کہاں

دیکھو جسے اسیر طلسم فرنگ ہے — توڑیں جو یہ طلسم وہ احرار ہیں کہاں

آپس کی پھوٹ ختم ابھی تک نہیں ہوئی — آزادی وطن کے طلب گار ہیں کہاں

مفقود ہے دلوں سے مدارات و آشتی

جن سے لڑیں گے اب وہ ہتھیار ہیں کہاں

حقائق

دل ہے پہلو میں تو پیدا شیوۂ ترکانہ کر
جور ہفت افلاک کے ہوتے رہیں پروا نہ کر

غم کو خود آ کر بہا لے جائے گی موج سرور
دیکھتا کیا ہے اٹھا اور فکر مے و پیمانہ کر

دعویٰ الفت جتا کر محبت میں رسوا نہ ہو
دار پر چڑھنے سے پہلے راز عشق افشا نہ کر

فطرت انساں چاہتی ہے قلزم آشامی تیری
برگ گل کی طرح شبنم کے لئے ترسا نہ کر

کام ابراہیموں کا ہے کھیلیں آگ سے
کود پڑ شعلوں میں خوف انجام کار اصلا نہ کر

لے کے نام اللہ کا طوفاں میں کشتی ڈال دے
خوف بے پایانیٔ دریا سے موج افزا نہ کر

خود عمل تیرا ہے صورت گر تیری تقدیر کا
شکوہ کرنا ہو تو اپنا کر مقدر کا نہ کر

سایۂ شمشیر میں پوشیدہ جنت ہے مگر
ناکسوں کے سامنے اس بھید کا چرچا نہ کر

خزاں میں بہار

میں طولِ عرصۂ کشور پہ یہ آج اعلان کردوں گا
حرم کے ذرہ ذرہ پہ نچھاور جان کردوں گا

ہوا اسلام کا اک بال بھی بیکا تو دیکھو گے
ہزار ابن سعود اسلام پر قربان کردوں گا

کتاب اللہ متن دیں ہے اور سنت ہے شرح اس کی
میں ان دونوں سے ملت کی دوبالا شان کردوں گا

چراغ کعبہ سے جگ میں اجالا ہونے والا ہے
ہمالہ کو میں اس کے نور سے فاران کردوں گا

بہا دوں گا خس و خاشاک کی مانند باطل کو
جہان کفر کی سب بستیاں ویران کردوں گا

تمہارے دم سے کچھ بھی بن سکا اب تک نہ اے ناصح
میں جب دوں گا پیام حج کا طوفان کردوں گا

دستِ خامہ کی گل ریزی کو موسم کی نہیں حاجت
میں پت جھڑ میں بھی گلشن کو بہارستان کردوں گا

مسلمانوں کو کیا ڈر ان کو آقا جب یہ کہتے ہیں
کہ میں امت کی ساری مشکلیں آسان کردوں گا

---

۳۱ مارچ ۱۹۲۵ء

ایہا المسلم

رسول اللہ پر قربان ہو جا — خود اپنے درد کا درمان ہو جا

حریفِ دولتِ افرنگ بن کر — حلیفِ دولتِ عثماں ہو جا

ضرورت کیا ہے کابل کے سفر کی — یہیں بیٹھا ہوا افغان ہو جا

امان اللہ خاں بن جائے گا تو — پر اول عاملِ قرآن ہو جا

ڈبو کر کشتیٔ کفر آنسوؤں میں — نیل میں نوح کا طوفان ہو جا

غلامی کر محمد مصطفیٰ کی — گدائی چھوڑ دے سلطان ہو جا

مرے سانپ اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے — نظام الملک کا فرمان ہو جا

تزلزل میں ہے ایوانِ خلافت
تو اس ایواں کا پشتیبان ہو جا

---

۲۱ مئی سنہ ۱۹۲۰ء

حیاتِ جاوید

رحمتِ باری کم اپنا جوش کر سکتی نہیں
یہ چڑھی ندی قیامت تک اُتر سکتی نہیں

زندۂ جاوید ہے اللہ والوں کا گروہ؛
آتشِ مرحوم سو سکتی ہے مر سکتی نہیں

سرورِ کونین خود ہوں ناخدا جس کے وہ ناؤ
لطمۂ طوفانِ موج افزا سے ڈر سکتی نہیں

ایشیا کی وہ بساطِ کہنہ الٹی جا چکی
بازیِ اسلام اب دنیا میں ہر سکتی نہیں

میں نے یہ مانا کہ جس پر ہو عتاب انگریز کا
اس کی دنیا ہند میں رہ کر سنور سکتی نہیں

دشت سے جب تک نہ سر پٹکے یا کوہ ستم
ایک بھی رات اس ستم کش کی گزر سکتی نہیں

دال اغذاؤں پہ لیکن شیوہ جس کا صبر و شکر
عاقبت بھی کیا اُس انساں کی سدھر سکتی نہیں

پیری حرص لذتِ آزاد کا عالم نہ پوچھ
سرِ جیب تک جا پہنچتی نیت پیری بھر سکتی نہیں

منزلِ خوفِ خدا ہے مومنِ قانت کا دل
ہیبتِ تقلیدِ فرنگ اُس میں اُتر سکتی نہیں

نام اتنا ہے کہ کیوں صد ادب سے بڑھ کے آہ!
لب تک آ جاتی ہے اور دل میں ٹھہر سکتی نہیں

بہت ہی ایسی تھی جس کا بھول جانا ہی محال
بات ہی ایسی ہے جو دل سے بسر سکتی نہیں

شہر سے مجھ کو ہے لاگ اور دیں سے بھی مجھ کو لگاؤ
کوئی اور الزام دنیا مجھ پہ دھر سکتی نہیں

پانچ سیپاروں کی دولت ہی میرے سینہ میں جمع   جس کو انگریزی حکومت قبض کر سکتی نہیں

میں حرم سے اڑ کر جا بیٹھوں گا شاخ سدرہ پر
میرے پر تثلیث کی قینچی کتر سکتی نہیں

شانِ اسلام

ہم مسلمان کون ہیں؟
ہم خیر کثیر کوثر ہیں!

کچھ جانتے بھی ہو ہم نفسو! کس ملک کے ہم سب افسر ہیں
کس برج کے ہم سب گوہر ہیں کس برج کے ہم سب اختر ہیں

ہم شانۂ زلفِ امانت ہیں ہم سلطۂ روئے کہانت ہیں
آبادیٔ بیلچے آمنہ ہیں ویرانیٔ خانۂ آذر ہیں

فرزند ہم ابراہیمؑ کے ہیں اور مستحق اُس تعظیم کے ہیں

پیراستہ جس سے فسانوں میں لقب ہم دو اسکندر ہیں

ایماں سے کہ ہم ایما ہوتے ہیں اور سجدہ و بیبا ہوتے ہیں

ہم خاکِ درِ پیغمبرؐ ہیں یا سرمۂ دیدۂ حسّاد ہیں

صدیقؓ ہوئے تصدیق میں ہم فاروقؓ بنے تفریق میں ہم

ایماں طلبی میں بوذرؓ ہیں خیبر شکنی میں صفدر ہیں

ہیں جانِ حیا عثمانؓ کی طرح ہیں آنِ وفا سلمانؓ کی طرح

اسلام ہے کف ہم خنجر ہیں طاعت سے ہے رگ ہم نشتر ہیں

ہم صلِّ علیٰ پڑھتے ہیں پروان اسی سے چڑھتے ہیں

کیونکہ نہ عدو سب ابتر ہوں ہم خیرِ کثیر کوثر ہیں

مجلسِ خلافت پنجاب کا اعلان

رسولُ اللہ کے ناموس پر قربان ہو جاؤ
مسلمانو! بلالؓ و بوذرؓ و سلمانؓ ہو جاؤ

حنین و بدر کا ہندوستاں میں کھینچ دو نقشہ
کہ سر ہو کفر کا گیند اور تم چوگان ہو جاؤ

جھکا دو حق کے آگے گردنیں اہلِ باطل کی
نبیؐ کی آن بن جاؤ خدا کی شان ہو جاؤ

یہی راز آج کل ہے ملّتِ بیضا کی وحدت کا
کہ ہفتاد و دو قالب ہو کے بھی یکجان ہو جاؤ

تمہارے دل کو چھینا جس نے ایک آہنگ شیریں سے
اسی چنگِ حجازی کی رسیلی تان ہو جاؤ

تمہاری ہڈیاں اینٹیں ہوں جس کی اور لہو گارا
نہ جس کو ڈھا سکے دنیا وہی بنیان ہو جاؤ

بنو غازی کی غیرت جس نے رکھ لی لاج امت کی
عطاء اللہ کا ہیبت بھرا ایمان ہو جاؤ

نصاریٰ کا طعام اسلام کے بیٹوں کو جائز ہے
پڑھے گھر جاؤ اور سرکار کے مہمان ہو جاؤ

یہ سب کچھ ہو چکا جب تم تو کہہ دو جا کے منجی کو
کہ اب ہندو سبھا کے شوق سے پردھان ہو جاؤ

رجز مرقص

شجاعت کے جوہر دکھلاتے چلو — حریفوں کے چھکے چھڑاتے چلو

چلے ہو جو کابل کو قندھار سے — تو تیغ دو دم کو چمکاتے چلو

بچا ئے اور اپنے سے آزما — مقدر کو بھی آزماتے چلو

رہ حق میں رکھ کر ہتھیلی پہ سر — شہادت کے خوں میں نہاتے چلو

کرو قطع دامان صحرا و کوہ — حدوں کو بگٹٹ اڑاتے چلو

مجاہد ہیں اس وقت خنجر بکف — دل اُن غازیوں کے بڑھاتے چلو

زر و سیم کی ہو ضرورت نہیں — تو انبار ان کے لگاتے چلو

جو دیکھو نشان کف پائے شاہ — تو رستے میں آنکھیں بچھاتے چلو

فرشتے بھی آجائیں گے وجد میں — اران الٰہی نغمہ گاتے چلو

جما یاز بیداد سے ہے جو رنگ

مری آہ ان کر اڑاتے چلو

بزم و رزم

سیل کی طرح جو نکلے تھے بیابانوں سے
آبجو بن گئے گذرے جو خیابانوں سے

تھا جو اپنوں سے وہی لطف بیگانوں سے
گردنیں دب گئیں اسلام کے احسانوں سے

وہ خود امی تھے مگر کون و مکاں کے اسرار
حکما سیکھ گئے ان کے دبستانوں سے

اب جو آئی ہوئی ہے گلشن گیتی میں بہار
رنگ اڑا لائی ہے انکے ہی گلستانوں سے

اس کے پینے کے لئے چاہیئے ظرف عالی
یہ شراب آئی ہے توحید کے خمخانوں سے

ہم رہ سست عنان منزل لیلیٰ کی خبر
پوچھا کیوں نہیں یثرب کے حدی خوانوں سے

پھر وہی غلغلہ آفاق میں ہوتا ہے بلند
شیر کی گونج پھر اٹھی ہے نیستانوں سے

ہم نے دیکھا ہے ان آنکھوں سے ادھر طارق کو
نعرہ خالد کا سنا ہے ادھر ان کانوں سے

بوئے تیغ آتی ہے پہلوئے فلسطین سے ہنوز
جوئے خوں بہنے کو ہے قدس کے میدانوں سے

سوئے پیرس ہے چشم تثلیث کو بغداد و دمشق
نہیں امید یہ کعبہ کے نگہبانوں سے

گھورتی ہوئی آتی ہے حریفوں کی نظر
اک طرف ترکوں سے اور اک طرف افغانوں سے

مصر بے تاب ہوا ہند ہوا آتش بجگر
ہے یہ سب گرمی ہنگامہ مسلمانوں سے

ناموسِ نبیؐ

عزت کا تاج کفر کے سر سے اتار کر — ناموسِ خواجۂ دو سرا پر نثار کر

کب تک فضائے غیب کی صرصر کا انتظار — اس کفر کے دیے کو بجھا پھونک مار کر

جب تک نہیں ہے قوتِ بازو پر اعتماد — بھولے سے بھی نہ مالوی پر اعتبار کر

کشتی کو تاکتا ہے بھنور ہردوار کا — خود بن کے ناخدا اسے گنگا کے پار کر

عشقِ رسولؐ خوفِ جہاں سے ہے بے نیاز — خاطر میں لا کسی کو نہ پروائے دار کر

قرآں جو سینہ میں تھا سفینہ میں رہ گیا — خود تو نے اپنا کام بگاڑا سنوار کر

کسریٰ کا تخت جس نے پلوں میں الٹ دیا — اٹھ اپنے دل میں پھر وہی جذبہ ابھار کر

اجڑے ہوئے چمن سے خزاں کو نکال دے — سامانِ خیر مقدمِ فصلِ بہار کر

باطل سے تجھ کو لاگ ہو اور حق سے ہو لگاؤ — وضعِ قدیمِ عربی اختیار کر

آسان ہونے والی ہیں سب تیری مشکلیں — تھوڑا سا اور صبر دلِ بےقرار کر

تو نے زمین والوں کے احکام سن لئے — اب آسماں کے فیصلہ کا انتظار کر

بخشا گیا کسی کو گن اور کسی کو سیف — دیتے ہیں ڈال ماسٹر کسی کو پچھاڑ کر

اسلام کفر سے نہ دبا ہے نہ دب سکے — کہہ دو یہ سنگٹھن کی سبھا میں پکار کر

؁ اگست ۱۹۲۷ء

قسمت کی شوخی

کبھی بامِ ثریّا سے بھی اونچی جو عمارت تھی — وہ قصرِ سطوتِ کسریٰ کی رفعت سے عبارت تھی
ہوئی حجت خدا کی ختم آخر نوعِ انساں پر — مگر رد ہی گئی جس کی زمانہ کو بشارت تھی
نہ ملتا کیوں تاج اُسے رحمۃ للعالمین کا — کہ اُس کو دی گئی بزمِ نبوت کی صدارت تھی
اک اُمّی ایک ٹھوکر سے کرے سو فلسفی پیدا — نہ پوچھا فلسفہ اس کو یہ اک ایسی بجھارت تھی

نمازیں آبِ خنجر سے وضو کر کے پڑھتے تھے — اسی پانی سے مسلم کی ہوا کرتی طہارت تھی
وسیلہ ان کی خوشحالی کا ٹھہری سیف کی حلّت — جہانداری سے مسلم کیلئے بڑھ کر تجارت تھی
سمجھ کر وقت کو دولت نہ وہ اس کو گنواتے تھے — گھڑی اک بھی نہ اُن کی عمر کی جاتی اکارت تھی
قبا ہوتی تھی اوپر اور نیچے خرقہ ہوتا تھا — وہ دنیا دین نہ ہو جس میں یہاں اس سے حقارت تھی

ہمارا ظاہر و باطن وصلا تھا ایک سانچے میں — بصیرت تھی دلوں میں اور آنکھوں میں بصارت تھی

ہمیں اچھی شناسا ہیں اغیار اب تک جب سکے ان کے — جہاں میں علم پر قدرت تھی ہر فن میں مہارت تھی

نہ جھکتا تھا ہمارا سر کسی فرعون کے آگے — بدن میں خون تھا اور خون کے اندر حرارت تھی

تجاوز کر نہ سکتے تھے وجادلہم بالتی ہی احسن سے — کہ حسن خلق کی اوراق قرآں میں اشارت تھی

اگر ہم آج کے دن وہ نہیں ہیں جو کبھی ان تھے
تو یہ قسمت کی شوخی تھی مقدر کی شرارت تھی

---

۱۷ مئی سنہ ۱۹۱۲ء

حدی را تیز تر خواں چو محمل را گراں بینی

نادان ہیں جو کرتے ہیں بھروسا رفقا پر — تکیہ وہی اچھا ہے جو ہو اپنے خدا پر

راضی ہو ہر اک حال میں مولا کی رضا سے — رکھ اپنی نظر شیوۂ شاہ دوسرا پر

محمل جو گراں ہو تو بڑھا شور حدی کا — ہو نغمہ جو کم ذوق تو دے زور نوا پر

مردہ پہ نہیں آنکھ میں رہتی ہے مروت — باطن ہی نہ ہو صاف تو کیوں جائیں صفا پر

کچھ تو نے سنا بھی ہے کہ کیا ہند میں گزری
اندور کی بستی کے اسیران بلا پر

گل بانگ اذاں دب گئی ناقوس کی لے میں
اڑتی سی یہ آئی ہے خبر دوش صبا پر

وہ سر جو جھکا تھا کبھی اللہ کے آگے
رکھا ہوا ہے کفر کے نقش کف پا پر

ناموس شریعت کے لہو کی ہیں یہ بوندیں
جو تکمہ ہیں لعل کا شدھی کی قبا پر

بگڑی ہے کچھ ایسی کہ بنائے نہیں بنتی
چلتا نہیں کچھ زور قدر پر نہ قضا پر

مل سکتی تھی جس سے خبر منزل مقصود
ہے کوئی دھرے کان جو اس بانگ درا پر

ہے کوئی کلیجے کو جو تھامے ہوئے نکلے
اسلام کے آفت زدہ بچوں کی صدا پر

رحمت کی گھٹا جھوم کے پھر کوئی ادھر آئے
رہ رہ کے نگہ اٹھتی ہے یثرب کی فضا پر

---

۱۷ اپریل ۱۹۲۷ء

پیامِ وقت

جو کرنی ہے جہانگیری محمدؐ کی غلامی کر
عرب کا تاج سر پہ رکھ خداوندِ عجم ہو جا

ہو سرکش سرو کی مانند اگر باطل نکالے سر
اگر حق آگے آئے ماہِ نو کی طرح خم ہو جا

صنم خانہ میں گو کلیوں کی رعنائی سے پھیر آنکھیں
دوئی سی کٹ کے بشر ہونکی یکتائی میں ضم ہو جا

چراغِ دیر سے جل کر بھی آخر دل اکتائی ہو
تو پھر شمعِ حرم سے لو لگا کر بھی بھسم ہو جا

اگر سورج کو شرماتا ہے اپنی ضو فشانی سے
تو بن ابنِ سعود اور ذرۂ خاکِ حرم ہو جا

امان اللہ خاں کا درد اپنے دل میں پیدا کر
کفِ ساقی میں یہ جامِ جہاں بیں ہے کہ جم ہو جا

سبق اس انکسارِ نفس کا اب ہم کو ملتا ہے
کہ برکن ہیڈ بڑھے جتنا بھی تو اتنا ہی کم ہو جا

کرانا ہے قلم ہاتھوں کو رودادِ جنوں لکھ کر
تو اس دورِ ستم پرور میں میرا ہم قلم ہو جا

پشاور ۲۹ نومبر ۱۹۲۷ء

لَا تَخَفْ اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعْلٰى

نکلا ہے پھر نیام سے خنجر ہلال کا
چمکا ہے صاعقہ غضبِ ذوالجلال کا

میداں میں جب ہے تیغ بکف مصطفیٰ کمال
اندیشہ کیوں ہے دینِ مبیں کو زوال کا

اسلام کو ہوئی ہے نہ ہوگی کبھی شکست
ناحق نہیں تہیّہ ہے امرِ محال کا

ہے لَا تَخَفْ کہیں تو ہے لَا تَحْزَنُوا کہیں
قرآن خود جواب ہی ہے میرے سوال کا

چربہ اتار لائے ہیں سیّد علی امام
شامہ پہ جا کے چرخ کے کوکب کی چال کا

شرعِ نبیؐ سے جب نہ اُولِی الْاَمْر ہو خجل
شرمندہ امر کس لئے ہو امتثال کا

آئی ہوئی بلا مرے خامہ نے ٹال دی
یہ اک کرشمہ تھا مرے سحرِ حلال کا

کہہ دو یہ لاٹ پادریوں سے کہ آپ لوگ
بھولے ہوئے ہیں فلسفہ مدت سے گال کا

اسلامیوں کو عید کی کیا خاک ہو خوشی
باعث بنی ہوئی ہے خلافت ہلال کا

شراب خانہ ساز

آزادیٔ وطن کا پھریرا اڑائے جا
ہندوستاں کے نام کا ڈنکا بجائے جا

ہندو جو شیر ہوں تو مسلمان ہوں شکر
دونوں میں اتفاق کا رشتہ بڑھائے جا

خاشاکِ ذلّتِ صدو پنجاہ سالہ کو
دریائے اتحاد کی رو میں بہائے جا

رسوائیوں کے داغ سے آلودہ ہے جبیں
عزت کے چار چاند بھی اس میں لگائے جا

گردش میں لا پیالہ مئے خانہ ساز کا
اور قسمتِ فرنگ کو چکر میں لائے جا

کابل کے تاجدار کو اللہ کی امان
اس بادشہ کی رہ میں آنکھیں بچھائے جا

۹ فروری ۱۹۲۹ء

مجلس اتحاد و ترقی کوچین کے رضاکاروں کا ترانہ

کوچین میں توحید کا نقارہ بجا دو
اک ضرب میں سوئی ہوئی بستی کو جگا دو

پہنچا دو ہر اک گوشہ میں اسلام کا پیغام
اور شرک کے اوہام کی بنیاد ہلا دو

اسلاف کے اخلاق کا بن جاؤ نمونہ
گالی تمہیں دے کوئی تم اُس کو دعا دو

سب سے یہ بڑا فرض ہے اس وقت تمہارا
جو تفرقے آپس کے ہیں ان سب کو مٹا دو

چھوٹوں میں اطاعت ہو تو شفقت ہو بڑوں میں
اس رشتہ سے ان دونوں کو آپس میں ملا دو

مومن ہو جھکو فقط اک اللہ کے ہی آگے
مسلم ہو سر اسلام کی عزت پہ کٹا دو

دنیا کو دکھا دو کہ تم ہو عزم کے پیکر
رستہ میں ہمالا ہو تو ٹھوکر سے ہٹا دو

زینت جو مدارس کی ہے اس کو بڑھا کر
رونق جو مساجد میں ہے چاند اس کو لگا دو

میراث میں تہذیب عرب جو تم کو ملی ہے
آفاق میں دھوم اپنے تمدن کی مچا دو

پھر زندہ کرو شیوہ رسولؐ عربی کا
باطل کے ابھرتے ہوئے جذبوں کو دبا دو

دل چھین لو دنیا کا محبت کے عمل سے
سیلاب مساوات و اخوت کا بہا دو

آزاد غلامی سے کرو اپنے وطن کو
اور مرتبہ اقوام میں پھر اس کا بڑھا دو

لمعات

میانوں سے نکل آئیں تڑپ کر پھر وہ شمشیریں
پلٹ دی ہیں جنہوں نے مشرق و مغرب کی تقدیریں

وہ شمع مہر سیما پھر نگار آرائے محفل ہے
ہیں پروانے کی خاکستر میں رقصاں جسکی تنویریں

پڑا ہے زلزلہ دنیا میں پھر لندن سے پیکن تک
بلند اک ساتھ ہوتی ہیں مسلمانوں کی تکبیریں

جکڑ سکتیں نہیں زندانیانِ حق کو ہتھکڑیاں
عبث ہیں سب یہ زنجیریں غلط ہیں سب یہ تدبیریں

جنوں جب کارفرما ہو تو کام آتی نہیں اصلا
یہ تادیبیں یہ تہدیدیں یہ تنبیہیں یہ تعزیریں

دھواں اٹھے تو سمجھو شعلہ بھی ہوگا بلند اس سے
نمایاں خود بخود آہوں سے ہو جاتی ہیں تاثیریں

اُدھر انگورہ و کابل ادھر بغداد اور دہلی
وہ سب رحمت پیمبر کی یہ سب اُمت کی تقصیریں

وہاں توحید کی باتیں یہاں تثلیث کی گھاتیں
وہ سب مومن کی میراثیں یہ سب کافر کی جاگیریں

امان اللہ خاں اور مصطفےٰ کو دیکھ لو جا کر
نہ دیکھی ہوں اگر اسلام کی غیرت کی تصویریں

عجب کیا ہے کہ شردھانند بھی اک دن مسلماں ہو
لہو اسلام کا ٹپکے اگر کافر کا دل چیریں

بادل میں بجلی

جنگ طرابلس

ہماری دعا کا اثر دیکھ لیجے | حریفوں کو زیر و زبر دیکھ لیجے
جہاں ابرِ ظلمت نظر آ رہا تھا | وہاں نہر ہے جلوہ گر دیکھ لیجے
عدو نے جو چاہا تو پاپائیوں کو | ملے گی نہ راہ سفر دیکھ لیجے
ہلانے کو ہیں آ کے امت کے سر پر | کوئی دم میں پاپا چنور دیکھ لیجے
خرلنگ رو یا کیا چاہتا ہے | جہنم کا عزم سفر دیکھ لیجے
یہ کہتی ہے اُن کی آتش فشانی | سقر میں کسی کا مقر دیکھ لیجے
مہادیو جی کی تو سن لی کہانی | اب اللہ کا کرّ و فر دیکھ لیجے
نہ دیکھی کبھی ہو جو بے پر کی اڑتے | تو رپورٹ کی برقی خبر دیکھ لیجے
نہ ہوں بدگماں آپ پورٹ سے ہرگز | کہ تائی ہے یہ معتبر دیکھ لیجے
نہ دیکھا ہو انور کو سنوسیوں میں | تو بجلی کو بادل کے گھر دیکھ لیجے
گئے چھوڑتے ہی عدو کو پیچھے ہیں | بپھرتا ہوا شیر نر دیکھ لیجے

کہا ہنس کے پاپا سے اس نازنیں نے — کہ لونڈی کو بھی اک نظر دیکھ لیجے

اٹھا سایہ سرکار کا میرے سر سے — پڑی ہوں میں ترکوں کے گھر دیکھ لیجے

جھپٹ کر دبوچا مجھے چاہتا ہے — کوئی حجت منتظر دیکھ لیجے

کلائی کو دیتا ہے جھٹکا یہ ظالم — لچکتی ہے میری کمر دیکھ لیجے

ہیں تم پر تصدق یہ مہر عشقی — ہے کندہ بنام دگر دیکھ لیجے

لڑی جارج پنجم سے قسمت ہماری — خزف بن گیا ہے گہر دیکھ لیجے

مسلمان و انگریز ہندوستاں میں
ہیں مانند شیر و شکر دیکھ لیجے

خروش مسلم

ہے سودا جب سے لیلائے خلافت کا مرے سر کو
جنہوں نے حشر کا میداں بنایا ہو مرے گھر کو

مجھے اس وقت دھوکا سا زمیں پر آسماں کا ہے
ستم گاروں نے ڈالا جب سے زنداں میں ہی اختر کو

حرم میں بھی جب اس کا آشیاں ہو جائے خاکستر
گلہ بجلی سے کیا پھر ہند میں ہوگا کبوتر کو

زمیں تھرا گئی آوازۂ اللہ اکبر سے
خروش مسلم شوریدہ تھراتا ہے تندر کو

جلایا اس نے مردوں کو باذن اللہ قم کہہ کر
جگایا اس نے اک آوازہ میں ہندوستاں بھر کو

لگا دی سب کے دل میں ایک ساتھ اس نے لگن اٹھ کر
ملایا اس نے مالابار کی سرحد سے خیبر کو

مسیحیت مسلمانی سے ٹکرائی تو ہے لیکن
کسی نے آج تک شیشے سے توڑا بھی ہے پتھر کو

مرے دل میں جو دولت ہے وہ ان کو مل نہیں سکتی
ہوا اس عزت سے عاری ہیں جو حاصل ہے مرے سر کو

یہ سر وہ سر ہے جس پر تاج ہے دین محمد کا
یہ دل وہ دل ہے جس پہ ناز ہے خود رب اکبر کو

ڈرا دیتے رہے ہیں کیا وہ ہم کو طوق و جولاں کا
پہنتا ہے خوشی سے مومن اس ایماں کے زیور کو

نالۂ مسلم

ساعت وہ آ رہی ہے کہ اسلامیانِ ہند
یورپ کو اپنی آہ سے زیر و زبر کریں

گردن جھکی ہوئی ہو خدا کے حضور میں
ناموسِ دیں کے واسطے سینہ سپر کریں

بن جائیں خاکِ پاک حریمِ رسولؐ کی
اس کیمیاگری سے خزف کو گہر کریں

اسلام کو جو لعل و گہر کی ہو احتیاج
آنکھوں کو ناودانِ گدازِ جگر کریں

پہلے تو مُستَعِین ہوں بِالصّبرِ وَالصّلوٰۃ
اس سے چلے نہ کام تو جاں کو ہدر کریں

دنیا کو پھر دکھائیں چمک ذوالفقار کی
خیبر کو اس کے بل پہ نئے سر سے سر کریں

آئی ہیں آسماں سے چل کر وہ قوّتیں
جو مسلم اور ہنود کو شیر و شکر کریں

تم بھی اگر مدینے میں ہم کو اماں نہ دو
پھر یا نبیؐ بتاؤ کہ رُخ ہم کدھر کریں

کس سرزمیں میں جائیں سر اپنا کہاں چھپائیں
ہندوستاں کی خاک سے ہجرت اگر کریں

وہ تاج جو حضور نے بخشا تھا چھن چلا
اب کونسی کلاہ کو ہم زیبِ سر کریں

ہوتی نہیں ہے ظلم کی بنیاد استوار
اہلِ جفا خود اپنی روش سے حذر کریں

مٹ جائیں گے وہ خود نہ خلافت اگر رہی
یہ لوگ کاش غور اس اک نکتہ پر کریں

نغمۂ حریت

جمعیۃ العلماءِ ہند کے اجلاس پشاور میں

تازہ انصار کا آئینِ مواخات کرو	زندہ اسلاف کی دیرینہ روایات کرو
سرنگوں ہونے نہ دو ملتِ بیضا کا علم	روشن آفاق میں اللہ کی آیات کرو
مسجد و منبر و محراب کا کھینچو نقشہ	محو نقشِ ہبل و نائلہ و لات کرو
پس اگر نام پیمبرؐ کا ادب سے ہندو	اُن کی دلجوئی کرو اُن سے مواسات کرو
لیکن اس ذاتِ گرامی سے انہیں ہو پرخاش	تو مری طرح انہیں نذرِ فکاہات کرو
صاف کہہ دو نہیں ہم تم سے کسی بات میں کم	کسی انگریز سے جس وقت ملاقات کرو
تم ہو آزاد، غلامی نہیں دیتی تمہیں زیب	پارلیمنٹ سے دب کر نہ موالات کرو
آئے لندن سے کمیشن تو اُسے منہ نہ لگاؤ	جس میں اسلام کی عزت ہو وہی بات کرو
مغرب اور اس کے تمدن پہ مٹے جاتے ہو	دیکھو اپنے عمل اور فکرِ مکافات کرو

اپنے ہاتھوں سے گلا کاٹ رہے ہو اپنا
دشمنِ غیر کی ناحق نہ شکایات کرو

ے نذرِ طعن [illegible] تحریف [illegible] دشمنانِ دین کو [illegible] کیا جاتا ہے

پاس خیبر بھی ہے اور اس میں علیؓ مسجد بھی ۔۔۔ دور کیوں جاتے ہو مرحب سے یہیں بات کرو

دیکھنا چاہتے ہو کفر کو سر بسجود

بندگی اپنے خداوند کی دن رات کرو

پشاور ۱۳ دسمبر ۱۹۲۷ء

احرار

اگر اک سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہوئے[1] ۔۔۔ تو وہ اس عہد میں پنجاب کے احرار ہوئے

خیلِ باطل سے اگر برسرِ پیکار ہوئے ۔۔۔ تو وہ اسلام کے جانباز رضاکار ہوئے

پردۂ موت سے ۔ نکلے گی حیاتِ جاوید ۔۔۔ کہ مسلمان شہادت کے طلبگار ہوئے

جس نے ڈھایا تھا کبھی ظلم کی بنیادوں کو ۔۔۔ پھر مسلمان اسی جذبے سے سرشار ہوئے

ہڈیاں جن کی ہیں چونہ تو لہو ہے گارا ۔۔۔ قصرِ آزادیٔ کشمیر کے معمار ہوئے

کیوں نہ ہوں آج اس اخبار کے گھر گھر چرچے

جس کے اوراق کی زینت مرے اشعار ہوئے

---

[1] لیکن اب ؟ ۔ مسلمانوں کے خلاف احرار سیسہ کی دیوار کا کام دے رہے ہیں۔

خروش سروش

اللہ کا جو دم بھرتا ہے — وہ گرنے پر بھی ابھرتا ہے

جب آدمی ہمت کرتا ہے — ہر بگڑا کام سنورتا ہے

اٹھ باندھ کمر کیا ڈرتا ہے

پھر دیکھ خدا کیا کرتا ہے

او مسلم کیوں دلگیر ہے تو — کیوں غم کی بنا تصویر ہے تو

اغیار ہیں خاک اکسیر ہے تو — تدبیر ہیں وہ تقدیر ہے تو

اٹھ باندھ کمر کیا ڈرتا ہے

پھر دیکھ خدا کیا کرتا ہے

ہے راہ نما قرآن ترا — اسلام پہ ہے ایمان ترا

پیغمبر ہے ذی شان ترا — دل جس پہ ہوا قربان ترا

اٹھ باندھ کمر کیا ڈرتا ہے

پھر دیکھ خدا کیا کرتا ہے

تو پرتوِ ملّتِ بیضا ہے — تو سایۂ سطوتِ کبریٰ ہے
تو غازۂ عارضِ عقبیٰ ہے — تو سرمۂ دیدہ دنیا ہے
اٹھ باندھ کمر کیا ڈرتا ہے
پھر دیکھ خدا کیا کرتا ہے

تو حامیٔ شرعِ پیمبر ہے — تو ماحیٔ شیوۂ آزر ہے
تو غیرتِ خالقِ اکبر ہے — تو ورثۂ تیغِ حیدر ہے
اٹھ باندھ کمر کیا ڈرتا ہے
پھر دیکھ خدا کیا کرتا ہے

بکھری ہوئی قوت تیری ہے — سمٹی ہوئی ہمت تیری ہے
ورنہ یہ حکومت تیری ہے — عالم کی خلافت تیری ہے
اٹھ باندھ کمر کیا ڈرتا ہے
پھر دیکھ خدا کیا کرتا ہے

تو علم کی دولت لایا ہے — تہذیب سکھانے آیا ہے
تو جب سے جہاں پہ چھایا ہے — دنیا کی پلٹ گئی کایا ہے
اٹھ باندھ کمر کیا ڈرتا ہے
پھر دیکھ خدا کیا کرتا ہے

اُس داغ کا نور جگر میں ہے   جو سورج میں نہ قمر میں ہے
دیکھ آگ لگی ترے گھر میں ہے   کس سوچ میں ہے کس ڈر میں ہے

اٹھ باندھ کمر کیا ڈرتا ہے
پھر دیکھ خدا کیا کرتا ہے

گلشن میں بہار ہے آئی ہوئی   گردوں پہ گھٹا ہے چھائی ہوئی
پھرتی ہے صبا اٹھلائی ہوئی   تقدیر ہے پلٹا کھائی ہوئی

اٹھ باندھ کمر کیا ڈرتا ہے
پھر دیکھ خدا کیا کرتا ہے

نقارہ بجا پھر شوکت کا   نظارہ دکھا پھر حکمت کا
چھلکا دے پیالہ اخوت کا   چمکا دے ستارہ شریعت کا

اٹھ باندھ کمر کیا ڈرتا ہے
پھر دیکھ خدا کیا کرتا ہے

حجازی ترانہ افغانی لے میں

امان اللہ خاں اسلام کا پرچم اڑاتا رہ
محمدزائیوں کے نام کا ڈنکا بجاتا رہ

صلاح الدین ایوبی کو بے خود کر دیا جس نے
اُسی صہبائے کیف آور کے خم کے خم لنڈھاتا رہ

تری نغل کا جس کے زمزمے تڑپائے دیتے ہیں
اُس آزادی کے نغمے سارے مشرق کو سناتا رہ

بہالے جاچکی ہے جس کی رو کسریٰ و قیصر کو
نئے ریلے اسی سیلاب میں رہ رہ کے لاتا رہ

تری حکمت کے موتی ہم بھی اک دن رول ہی لیں گے
یہ گوہر ہائے غلطاں دونوں ہاتھوں سے لٹاتا رہ

کئے جا خون استعمار مغرب کی تمنا کا
مسلمانوں سے یوں ہی ہندوؤں کے دل ملاتا رہ

دیئے جا ڈھیل انہیں ٹھہرا رہے ہیں جو تجھے کافر
قیامت تک سر اُن کا شرم کے مارے جھکا تا رہ

تری تلوار کی تیزی کے ہر میداں میں چرچے ہیں
یہ تیزی سرکشوں کی گردنوں پہ آزماتا رہ

ہمارا خون جن محلوں کی گل کاری میں کام آئے
اُن اونچے کنگرے والوں کی بنیادوں کو ڈھاتا رہ

جواں ہے تیری ہمت اور جواں ہے بخت بھی تیرا
دعائیں ہند کی لے لے کے عمر اپنی بڑھاتا رہ

بچّہ سقّا کی مسند نشینی

چُپ ہوئے پاپا چلے پطرس گم ہوئے مرقس مٹ گئے لوقا
جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا

پرچمِ حق لہراتی جب اٹھی ملّتِ بیضا خاکِ حرم سے
چشمِ جہاں بیں کو نظر آیا جلوہ عرب کا صحنِ عجم سے

چین سے لے کر تابہ افریقہ ہونے لگے اسلام کو چرچے
تھا کبھی جن میں کفر کا غوغا شرک کا شور اصنام کی چرچے

باج جو کل تک لیتی رہی تھی سارے جہاں کے تاجوروں سے
آہ! نکالی جانے لگی ہے آج وہ ملّت اپنے گھروں سے

فتنۂ محشر سے نہیں کچھ کم حق میں ہمارے فتنہ یہ جفا
مسندِ کابل پہ متمکن ہونے لگا ہے بچّہ سقا

تم یہ کہو گے خاکِ وطن کو سقوں کی یلغار نے روندا
میں یہ کہوں گا دینِ نبیؐ کو لشکرِ استعمار نے روندا

چشم بصیرت دیکھ رہی ہے آج وہی نظارہ مقر میں
حشر کے دن طاغوت کی امت دیکھنے والی ہے جو سقر میں
کفر کے فتوے ہاتھ میں لیکر آئے ہیں پیر و صوفی و ملّا
دین مبیں کی عظمت و شوکت ہونے لگی ہے غایب غلّا
اے میرے مولا دور نہیں ہے اُن سے تری تقدیر کا ڈنڈا
گاڑ دے ان کی قبر پہ یارب غازی امان اللہ کا جھنڈا

نالۂ شبگیر!

خلافت پر فدا ہونے کو سب دیں دار بیٹھے ہیں
گئے زنداں میں فاخر ماجد اب تیار بیٹھے ہیں
وہ ہم پر جبر کرتے ہیں ہم اُس پر صبر کرتے ہیں
وہ گر باکار ہیں ہم بھی نہیں بے کار بیٹھے ہیں

خوشی سے کاٹ لیجے شوق سے زیب سناں کیجے
لئے سر ہاتھ میں دیں کے علم بردار بیٹھے ہیں

یہ مانا ہم کبھی جس بزم کی مسند کی زینت تھے
اب اس پر ڈٹ کے باصد کر و فر اغیار بیٹھے ہیں

مگر اسلام ہارے یہ نہ ممکن تھا نہ ممکن ہے
غلط سمجھا ہے یورپ، ہم یہ بازی ہار بیٹھے ہیں

ہمارا دردِ دل کس طرح پہنچے جارج پنجم تک
کہ وہ قصرِ بکنگھم میں سمندر پار بیٹھے ہیں

شہنشہ کیوں نہیں اپنی رعایا کی خبر لیتے
کہ سب اپنے وطن کی خاک سے بیزار بیٹھے ہیں

---

۲۳ مئی سنہ ۱۹۲۰ء

قندھار چلو قندھار چلو

چلتی ہے جدھر تلوار چلو! چلتے ہیں جدھر سب یار چلو
بے مایہ ہو یا زر دار چلو! دریائے اٹک کے پار چلو
قندھار چلو قندھار چلو

تقدیر عرب کہتی ہے جہاں تدبیر عجم ہنستی ہے جہاں
بل کھاتی ہوئی بہتی ہے جہاں دنیا کے ہو کی دھار چلو
قندھار چلو قندھار چلو

پھر فطرت شور مچاتی ہے اور سوتے ہوؤں کو جگاتی ہے
ہلمند سے کان میں آتی ہے تلواروں کی جھنکار چلو
قندھار چلو قندھار چلو

جذبہ نہ ہو کم آزادی کا بھرتے رہو دم آزادی کا
لہراؤ علم آزادی کا اور کرتے ہوئے یلغار چلو
قندھار چلو قندھار چلو

داڑھی میں چھپا اسلام نہیں ٹوپی سے ڈھکا اسلام نہیں
اس طرح ملا اسلام نہیں دم ہے تو مجاہد وار چلو
قندھار چلو قندھار چلو

۲۸ جنوری ۱۹۲۹ء

سیولائے ہوٹل مسوری میں طلبہ پر چھاپ

نہرو اور نہرو

(ایک پر لطف ڈراما)

سی آئی ڈی کی پسپلی روح :-

جواہر لال نہرو لکھنؤ سے چل کے آیا ہے
امان اللہ خاں کے نام کچھ پیغام لایا ہے
پٹھانوں اور انگریزوں میں ڈلوانے کو کھنڈت ہے
دلیو چاہتا ہے اس کو بڑا بے ڈھب یہ پنڈت ہے
کسی صورت سے اسے سیولائے ہوٹل سے نکلوا دو
نہ نکلے گر تو ٹوپی اس کی ٹیکرے سے اچھلوا دو

دوسری روح :-

مگر یہ بھی سمجھ لو اس پہ سب افغان بگڑیں گے
ہمارے ویسرا کے کابلی مہمان بگڑیں گے
کہیں گے حضرتِ طنزی یہ اچھی میزبانی ہے
کہ چمچہ بدتمیزی ہے تو کانٹا بدگمانی ہے

تیسری روح :-

سنو دہلی سے ٹیلیفون کی آواز آتی ہے
ہمارے ساتھ یہ بھی شاید اپنا سر ملاتی ہے

چوتھی روح :-

نہیں یہ تو صدا ہے حضرتِ خواجہ نظامی کی
جنہوں نے ہجو لکھی ہے نصاریٰ کی غلامی کی

خواجہ حسن نظامی اپنے حجرہ بن بسیرا سے ٹیلیفون میں :-

اے ہم نفسو! تم کو مبارک ہو مسوری
گر بزم سے اکتائے ہو دل بزم سے بہلاؤ
رقاصیِ بسمل کا تماشا جو نہ خوش آئے
محفل میں کسی شوخ پری زاد کو نچواؤ
ملتی نہیں گر کوئی طرحدار پہاڑن
رنڈی کوئی اچھی سی بنارس ہی سے بلواؤ

پہلی روح :-

نہ تھا معلوم خواجہ کو کہ ہم اُن کی بات میں لیں گے
چمن میں چوری چوری جائیں گے اور پھول چن لیں گے
ابھی حکمت سے ہم عہدہ برا ہوں گے پٹھانوں سے
بہانا چاہئے ان کو بنارس کے ترانوں سے
ادھر ہوٹل کے کمروں سے نکالو جا کے نہرو کو
ادھر لے آؤ پچھواڑے سے اک نوخیز مہرو کو

محفلِ رقص و سرود

نغمۂ مبارک باد

سوری میں طرزی کا آنا مبارک — حضوری میں ہندی کا گانا مبارک

ترازو ہوا تیر ایمان الٰہی کا — دلِ ہند کو یہ نشانہ مبارک

مسلمان ہندو سے گلے مل رہے ہیں — وطن کو یہ اچھا زمانہ مبارک

پٹاری اناروں کی کابل سے آئی — جو بیمار ہیں اُن کو کھانا مبارک

جو ہنستا ہے مغرب تو روتا ہے مشرق — ہنسانے سے بڑھ کر رُلانا مبارک

سلامت رہے جارج پنجم کی دولت — اور اس کا دل آرا فسانہ مبارک

دعا ہے کہ ہوں ایک دہلی و کابل — محبت کی پینگیں بڑھانا مبارک

سب رو رہیں ملکہ منہ بسورتی ہیں:-

ایک آفت سے تو مر مر کے ہوا تھا چھٹنا
پڑ گئی اور یہ کیسی مرے اللہ نئی!

---

۲۶ مئی سنہ ۱۹۲۰ء

قصائد

و

اشعار مدحیہ

مولانا سید محمد داؤد غزنوی

قائم ہے ان سے ملّت بیضا کی آبرو
اسلام کا وقار ہیں داؤد غزنوی

رجعت پسند کہنے لگے ان کو دیکھ کر
آیا ہے سومنات میں محمود غزنوی

کلکتہ میں اک اور بھی ہیں ان کے ہم لقب
یہ بت غزنوی ہیں وہ ہیں بو د غزنوی

کلکتہ ۲۴ جنوری سنہ ۱۹۲۸ء

مولانا عبدالقادر قصوری

قبلہ عبدالقادر ان احرار کے سردار ہیں
آج جو پنجاب میں حق کے علم بردار ہیں

جن سے ہے اسلام کی محفل کی رونق برقرار
جن کی ملاحی سے آزادی کے بیڑے پار ہیں

سر کٹاتے ہیں رسول اللہ کے ناموس پہ
قید ہونے کے لئے آمادہ ہیں تیار ہیں

ان کی قلت کی چھڑی سو رہ گئے ہیں ٹوٹ کر
ہند میں جتنے طلسم اندک و بسیار ہیں

فقر میں بھی ان کے آتی ہے نظر شانِ غنا
بلکہ دامن گیر رسم احمدِ مختار ہیں

زربکف ہونا بڑا آسان ہے اس دور میں
سر بکف ہونے کے ڈھب لیکن بہت دشوار ہیں

لاہور
۱۳ جنوری ۱۹۲۸ء

سر علی امام

سروں کے ذکر پر اک دوست نے سوال کیا
کہ اس گروہ میں کچھ لوگ نیک نام بھی ہیں

مری نظر میں تو سب سر ہیں نفس کے محکوم
اور اس کے ساتھ ہی سرکار کے غلام بھی ہیں

دیا جواب یہ میں نے کہ ان کو کچھ نہ کہو
اسی گروہ میں سید علی امام بھی ہیں

مے مجاز نہ پینے کا عہد باندھ کے اب
شکست توبہ میں سرگرم اہتمام بھی ہیں

---

۲۰ دسمبر ۱۹۲۹ء

چودھری افضل حق

وٹ کے کونسل میں کھڑا جس وقت افضل حق ہوا
حق کی ہیبت چھائی ایسی رنگ باطل فق ہوا

مجلسِ وضعِ قوانین کا بہار آرا چمن
اُس کے ایک اُچھر سے اک وادیِ لق و دق ہوا

جافرے وی مانٹ مورنسی کی ستّی گم ہوئی
اُن کے ہر ہٹّو کی منطق کا کلیجہ شق ہوا

جس نے جھوٹوں کی خوشامد کی وہ ٹھہرا عقل مند
جو نہ سچی بات سے جھجکا وہی احمق ہوا

صوفیوں کا دعویٔ عشقِ پیمبر ہے کہاں
کوئی پوچھے کیا وہ اُن کا نعرۂ ہو حق ہوا

وقت پر کام آئے آخر کو ہمیں ڈاڑھی منڈے
اور ہمارا ہی مطیع ایام کا ابلق ہوا

میرے اس دعوے کے ہر ہر جملہ کا ایک ایک حرف
مولوی احمد علی کے وعظ سے مشتق ہوا

لاہور ۱۱ اگست سنہ ۱۹۳۲ء

احرار لدھیانہ

رسول اللہ کا فرماں ہے پنیل کو ڈپٹر غالب
میرے قانون کا ٹھینگا ہے اس آئین کے سر پہ

ہمارے دم سے ہے پنجاب کی ہنگامہ آرائی
کہ رونق ہے فلک کی ماہ اور پروین کے سر پہ

جلا کر راکھ ڈالے گی سقے کی حکومت کو
وہی بجلی جو منڈلاتی تھی قسطنطین کے سر پہ

محافظ دین کے سو نہیں سچے ہیں یا علی جانی
اساس شرع محکم ہے انہیں دو تین کے سر پہ

امان اللہ ہی تھا جس نے گوگل کو بھی تڑپایا
یہ کالا تاج سکتا ہے فقط اس بین کے سر پہ

دعائیں ہم نے دیں آئی کو فرشتوں نے کہی آمین
علم ہے سربلند اس کا اسی آئین کے سر پہ

ہوا اسلامیوں میں جذبۂ حب وطن پیدا
تو اس جذبہ کا سہرا ہے اسی مسکین کے سر پہ

خدا وہ دن کرے صدقہ میں پیغمبرؐ کی عزت کے
کہ رکھوں تاج دنیا کا میں تاج الدین کے سر پہ

مسلمانوں کا مستقبل ہے روشن لدھیانہ میں
کہ ہے بار امانت سید یٰسین کے سر پہ

---

۱۹ فروری ۱۹۲۹ء

یٰسین رہے ؟

قصیدہ

بروز شنبہ مطابق ۶ اپریل ۱۹۰۱ء کیمپ لنگم پلی واقعہ ضلع ورنگل میں نواب سر وقار الامرا بہادر صدر اعظم دولت آصفیہ کے سامنے پڑھا گیا۔

کچھ عجب شان سے اس مرتبہ آئی ہے بہار — کہ گل و لالہ سے ہے دامنِ گلچیں کہسار
جس طرف دیکھئے سبزہ کی لگی ہے مخمل — جس طرف دیکھئے ہے سنبل تر بادہ گسار
جس طرف جائیے گردش میں ہے جام و مینا — جس طرف سنئے عنادل کے ترانے ہیں ہزار
اثر نامیہ سے غازۂ روئے گل تر — سبزہ کی زلف کا شانہ ہے صبا کی رفتار
لڑکھڑاتی ہوئی آتی ہے صبا مستانہ — خواب نوشیں سے ہوا ہے ابھی سبزہ بیدار
تاڑ کہتا ہے کہیں سرو سے میں بہتر ہوں — نسترن مجھ کو کہاں پائے گی ہے دعوئ خار
ہر طرف شاہد قدرت ہی نہیں جلوہ فروش — گرم انسان کا بھی ہے ایک طرف کو بازار
جشن برپا ہے بڑی دھوم سے اک جنگل میں — غلغلہ عیش کا ہے اور مسرت کی پکار
کس لئے آج مرتب ہے یہ بزم زیبا — کس لئے آج ہے یہ عیش و طرب کا اظہار

روکشِ صحنِ چمن آج ہے کیوں ساحتِ دشت ‏ آج کس شخص کا جنگل میں لگا ہے دربار

کونسی بزم ہے یہ کون ہے اس کا ساقی ‏ کون یہ قافلہ ہے کون ہے اس کا سالار

ہے یہ وہ بزم کہ ہر ذرہ ہے جس کا خورشید ‏ ہے یہ وہ بزم کہ سرمست ہے جس کا ہشیار

ہے یہ وہ بزم کہ دولت کو ہے اس پر نازش ‏ ہے یہ وہ بزم کہ اقبال کو ہے اس سے وقار

ہے یہ وہ بزم کہ اس سے ہوا جنگل منگل ‏ ہے یہ وہ بزم کہ اس سے ہوا صحرا گلزار

ہے یہ وہ بزم کہ فانوس ہے اس کا گردوں ‏ ہے یہ وہ بزم کہ شمع اس کی ہے خورشید نثار

بزمِ جمشید کے قصّے تو چلے آتے ہیں ‏ مگر اس بزمِ طرب زا کی انوکھی ہے بہار

کیوں نہ اس بزم کو ہو فخر خود اپنے اوپر ‏ جبکہ اس بزم کے ہیں باعثِ زینت سرکار

ہے یہ وہ بزم کہ سرکار ہیں جس کے ساقی ‏ ہے یہ وہ قافلہ سرکار ہیں جس کے سالار

داورِ ذی حشم و جاہ وقار الامرا ‏ نیرِ برجِ شرف جن پہ سعادت ہے نثار

مہبطِ فضلِ خداوند و فیضِ یزداں ‏ معدنِ لطف و کرم مخزنِ جود و ایثار

جن کا شیوہ ہے کرم لطف ہے آئین جن کا ‏ جن کا احسان ہے چلن اور مروت ہے شعار

ہوئے پنجشنبہ کے دن بلدہ سے نہضت فرما ‏ اس ارادے سے کہ چند روز ہے سیر اور شکار

کیوں نہ تھک جائے شب و روز کی محنت سے دماغ ‏ مستقل کام سے کیسے نہ پڑے طبع پہ بار

سر بھی ہے متقاضی کہ ملے کچھ تو فراغ ‏ دل بھی ہے متمنی کہ ملے کچھ تو قرار

اک نہ اک وقت ہی تفریح و تفنن بھی ضرور ‏ اک نہ اک وقت ہے لازم ہے انسان بیکار

جمعہ کے روز ہوئے وارد لسنگم پلی — ان کے قدموں سے بنا صفحۂ ہاموں گلزار

خبر آئی یہ اسی روز ہوا ہے گارا — سن کے فرمانے لگے ہوں گے ابھی ہم بھی سوار

ابھی سورج نہ ڈھلا تھا کہ سواری نکلی — فتح و نصرت ہوئی ہمراہ رکاب سرکار

دیکھ کر اس کی جھلک خیرہ ہوئی چشم فلک — چھا گیا چہرۂ خورشید پہ بادل کا غبار

رشک سے گرد ہوئی ابلق ایام کی چال — شوخیاں اپنی دکھائی جو چلی لیل و نہار

غرض اس شان سے پہنچے وہاں باجاہ و خدام — جہاں تنعیم کو یہ دعویٰ تھا کہ ہوں میں سردار

دامن کوہ میں کرتا تھا فلک سے باتیں — اک شجر جو کہ بلندی میں تھا رشک اشجار

گود میں اپنے لئے تھا وہ مچان اک اونچا — جس کو خدام نے پہلے سے کیا تھا طیار

نردباں اس پہ لگا کر ہوئے رونق افروز — اور دیا حکم کہ ہوں ہانکنے والے طیار

شور اب دف کا ہوا لوگ لگے چلانے — گونج اٹھے غلغلہ سے دشت و جبل وادی و غار

چیختا تھا کوئی اور چرخی گھماتا تھا کوئی — خالی بندوق کا کرتا تھا ہوا میں کوئی وار

سن کے یہ شور عجب کھلبلی جنگل میں پڑی — اڑے طاؤس کہیں اور کہیں تیہور و سار

شور محشر کا جو ہنگامہ بپا تھا ہر سو — شیر گھبرا کے ہوا نیند سے آخر بیدار

غار سے وہ بصد انداز خرامان نکلا — جھومتا جاتا تھا مستانہ تھی اس کی رفتار

دامن کوہ سے جھاڑی میں نکل کر پہنچا — اور قضا نے کیا سرکار سے اس کو دوچار

مطمئن ہو کے جو سرکار نے سر کی بندوق — اس نے بھی آنکھ اٹھا کر انہیں دیکھا اکبار

گولی بندوق سے نکلی تھی اجل کی داعی — ملک الموت مگر اوج ہوا پر تھا سوار

جا کے پہلو میں لگی اور گرایا اس کو — مثل پرکان قضا ہو گئی سینے کے پار

گرتا پڑتا وہ چلا اور گیا چند قدم — پتھروں میں وہ چھپا جا کے میان کہسار

ملک الموت نے چھوڑا نہ وہاں بھی پر اُسے — جان سرکار کے اقبال پہ کی اس نے نثار

لوگ کہتے تھے یہی شیر ہے زندہ اب تک — زخم ہیں چند لگے پر نہیں کوئی سپہ کار

روز ہے روز اگر اور اگر رات ہے رات — تو نہیں زندہ بچا شیر یہ بولے سرکار

ہیں جو کپتان رسالے کے وہ اور افضل خاں — ڈھونڈنے اُس کو چلے ہاتھی پہ ہو کر کے سوار

غلغلہ چار طرف بن میں دوبارہ اٹھا — شور پھر دف کا مچا اور پڑی ہانکے کی پکار

سر بنا دیں کہیں چھپیا دکشتیا نے — نہ کہیں اُن کو سکون تھا نہ کہیں اُن کو قرار

شور اتنا ہوا لیکن نہ کراہا تک شیر — غل مچا اتنا مگر اُس نے نہ لی ایک ڈکار

پھر تو سب لوگ لگے فرط طرب سے کہنے — کہ نہیں شیر ژیاں زندہ بچا ہے زنہار

واقعی مردہ وہ ایک بھٹ میں ملا ڈھونڈنے پر — قول سرکار کی تصدیق ہوئی آخرکار

ناز تھا اپنے تہور پہ شجاعت پہ جسے — اس کی جرأت کا نہ باقی رہا کوئی آثار

الغرض کیمپ میں لائے اُسے باشوکت و شان — سبز شاخیں تھیں کفن اس کا تو پتے تھے مزار

کھال کھنچ گئی اس کی نہ پئے پابوسی — رہ گیا اس کی فقط ہڈیوں کا اک انبار

عرض سرکار سے کی میں نے مبارک باشد — یہ نہ کارا ور نہ کارا ایسے ہی شیروں کے ہزار

این دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد
رہین باد دولت و اقبال سلامت سرکار

اپریل سنہ ۱۹۰۱ء

مرکزی خلافت کمیٹی

نقشہ کھینچا جب ہے میں نے شوکت اسلام کا — گر وہ میرے سامنے بہزاد اور مانی ہوئے
کی رسول اللہ پہ قربان اپنی جان جب — زینت اورنگ قسطنطنیہ عثمانی ہوئے
ہے خلافت سے ارادت یا یہ نازش جنہیں — صاحب ایماں بروئے نص قرآنی ہوئے
اڑکے آؤ اے ابابیلو! کہ بیت اللہ میں — ابرہہ کے جانشیں وقف ستم رانی ہوئے
کیا قیامت ہے کہ خود یثرب میں فرزندان کفر — ملت بیضا کے آئینہ کی حیرانی ہوئے
برق بنکر اپنے خرمن کو دیا خود ہم نے پھونک — آپ ہم اپنے لئے اسباب ویرانی ہوئے
جن کو کہتے ہو شریف اس سے تو اچھے ہیں رذیل — دوست سمجھا تھا جنہیں وہ دشمن جانی ہوئے
کفر کی ظلمت میں نور اسلام کا مسلم نہ ڈھونڈ — وسوسے تیرے تجھے وجہ پریشانی ہوئے

ہے تمنا موت کی اسلام میں معیار صدق
دہر میں باقی وہی رہتے ہیں جو فانی ہوئے

زندگی کی بھاپ کے بننے میں اب کیا دیر ہے
جب ہمارے دیدہ و دل آگ اور پانی ہوئے

ساحلِ ہندوستاں پہ کچھ غلامانِ رسولؐ
خاک بوس بارتِ ایوانِ سلطانی ہوئے

چند مسلم جن کے دل میں ہے تڑپ اسلام کی
بمبئی میں اس مبارک کام کے بانی ہوئے

بن گئے مخدومِ ملت خدمتِ اسلام سے
اس میں سیٹھ احمد ہوئے یا سیٹھ چھوٹانی ہوئے

چند نکتے ہیں یہ حاضر ورنہ مجھ پر منکشف
لکھتے لکھتے بے شمار اسرارِ حقانی ہوئے

اور بھی کچھ شعر ہو جاتے مگر آ کر مخل
عالمِ اشراق میں آزادؔ سبحانی ہوئے

سرحد کی شیرنیاں

سرحد کی مجاہد خاتونو! اللہ کی تم پر رحمت ہو وہ غیرتِ حق کی حرکت تھی جس حرکت کی تم برکت ہو

احساں کی تم تصویریں ہو ایماں کی تم تفسیریں ہو جنت ہے تمہارے پاؤں تلے تم رازِ حیاتِ امت ہو

اپنی بچیاں چھوڑ دیں تم کر گئیں پیدا ذوقِ یقیں برہان حجاب اس دنیا میں عقبیٰ میں دلیل وحدت ہو

اسلام کا نقشہ کھینچ دیا اس نخل کو خوں سے سینچ دیا جو دہر کے سر کافر کیلئے اک پھولتی پھلتی آفت ہو

کوہاٹ میں جو کچھ تم نے کیا لاہور میں ہم سے نہ ہو سکا
یوں کہنے کو دنیا کہہ دیگی ہم مرد ہیں اور تم عورت ہو

---

۲۷ جنوری سنہ ۱۹۳۲ء

قوت اگلی سی عطا کر تو مسلمانوں کو   اور کر یاد دگراں پہ در حکمت باز

علم آئینہ اگر ہو تو سکندر ہم ہوں

ہوں مسلماں جو محمود تو ہو علم ایاز

سنہ ۱۹۰۱ء

گاندھی

بردولی سے پہلے

گاندھی نے آج جنگ کا اعلان کر دیا   باطل سے حق کو دست و گریباں کر دیا

سر رکھ دیا رضائے خدا کے حریم پر   خنجر کو پھر حوالۂ شیطان کر دیا

ہندوستاں میں ایک نئی روح پھونک کر   آزادیٔ حیات کا ساماں کر دیا

دشمن اور دوست میں ہونے لگی تمیز   کتنا بڑا یہ ملک پہ احسان کر دیا

دے کر وطن کو ترکِ موالات کا سبق   ملت کی مشکلات کو آسان کر دیا

شیخ اور برہمن میں بڑھایا وہ اتحاد — گویا انہیں دو قالب و یک جان کردیا
اور ان جبر و جور و جفا کو بکھیر کر — شیرازۂ سلطنت کا پریشان کردیا
ظلم و ستم کی ناؤ ڈبونے کے واسطے — قطرہ کو آنکھوں آنکھوں میں طوفان کردیا
تن من کیا نثار خلافت کے نام پر — سب کچھ خدا کی راہ میں قربان کردیا

پروردگار نے کہ وہ ہے عزت شناس
گاندھی کو بھی یہ مرتبہ پہچان کردیا

گاندھی

بردولی کے بعد

گاندھی کے اس بیان سے ہوتے مگر تو آہ — دست فلک نے لوٹ کے ویران کردیا
خود اس فدائے قوم کو چھ سال کے لیے — سرکار ذی وقار کا مہمان کردیا
قسمت نے ڈال کر اسے قید فرنگ میں — ہندوستان کے جسم کو بے جان کردیا
جونہی تھمی اس کے ملک کی حالت بدل گئی — انسان نے اپنے آپ کو حیران کردیا

اسلامی یونیورسٹی

یقیں ہے پل میں حل یہ عقدۂ دشوار ہو جائے ذرا ساقی کی چشم مست اگر ہوشیار ہو جائے

کرے گر قوم کی کر عرض آصف جاہ سادس سے ادھر بھی اک نظر لطف قوم کے غمخوار ہو جائے

بنایا ملک کو جنت کیا تیری نگاہوں نے خزف جس کے اشارے سے گہر شہوار ہو جائے

سرور انگیز تیرا بادۂ ایثار و احساں ہے پلا اتنا کہ محفل مست اور سرشار ہو جائے

تیرا وابستۂ دامن دولت جب علی گڑھ ہے نہ استمداد کو طیار کیوں ہمسر بار ہو جائے

اگر جنبش میں آ جائے کلک گہرفشاں تیری مسلمانوں کی یونیورسٹی تیار ہو جائے

اگر یہ عرض پہنچے میر محبوب علی خاں تک

بلا دقت مسلمانوں کا بیڑا پار ہو جائے

یکم فروری ۱۹۱۱ء

لاجپت رائے کی یاد میں

مٹا کرتی ہیں جب عزت پہ قومیں | ہے اُس عزت کا ساماں لاجپت رائے
وطن پہ جان دو تم بھی اسی طرح | ہوا جس طرح قربان لاجپت رائے
بڑی مشکل سے ملتا ہے یہ رتبہ | نہیں ہوتا ہے آساں لاجپت رائے
وہ محفل رو رہی ہے اس کو جس میں | رہا برسوں غزل خواں لاجپت رائے
ہیں ۰، ۵ کے یاد آیا کرے گا | ترا ایک ایک احساں لاجپت رائے

ہمارا نامہ ہے آزادیٔ ہند
اور اس نامہ کا عنوان لاجپت رائے

---

۴ دسمبر ۱۹۲۸ء

ہندوستان

ناقوس سے غرض ہے نہ مطلب اذاں سے ہے
مجنوں کو عشق لیلیٰ ہندوستاں سے ہے

تہذیب ہند کا نہیں چشمہ اگر ازل
یہ موج رنگ رنگ پھر آئی کہاں سے ہے

ہے ایشیا کی گرمی ہنگامہ کا یہ راز
رونق ہمارے شہر کی ایک اس دکاں سے ہے

ہندوستاں کی قدر مرے دل سے پوچھئے
برتر یہ آپ کے تو قیاس و گماں سے ہے

ذروں میں گر تڑپ ہے تو اس خاک پاک سے
سورج میں روشنی ہے تو اس آسماں سے ہے

فردوسِ گوش ہو گئی آوازِ اہلِ دل
زینت ہماری بزم کی اردو زباں سے ہے

پیکِ قضا ہیں یہ غلط انداز یاں کہاں
چھوٹا یہ تیر ہند کی بانکی کماں سے ہے

شمارہ ۲۴ — ۴ دسمبر ۱۹۱۶ء

خطاب بہ برطانیہ

نہ سوویٹ سے نہ ایراں کے کج کلاہ سے ڈر — مگر ستم زدہ ہندوستاں کی آہ سے ڈر

نہ ڈر فرانس کی نیزوں کی خوں فشانی سے — مگر ہماری دعا ہائے صبح گاہ سے ڈر

نہ ڈر خدا سے اور اس کے عتاب سے لیکن — نبیؐ کی غصہ میں ڈوبی ہوئی نگاہ سے ڈر

الگ الگ سے ہے بعقل ملے ہیں اب آکر — دل اور عقل کی اس تازہ رسم و راہ سے ڈر

جو عقل ہے تو سن ان مخلصانہ باتوں کو
جو ہوش ہے تو ہمارے اس انتباہ سے ڈر

احرارِ پنجاب اور نمائندگانِ کشمیر

ہمارے مشوروں کی قدر کیا کشمیر والوں کو — ہمارا حال ہے جن کی نظر میں عبرت ماضی
وہ کہتے ہیں کہ عیسیٰ آپ ہی محتاج درماں ہو — تو کس کام آئے گی کشمیریوں کے اُس کی نباضی
رعایا ہاتھ کیوں پھیلائے اٹھ کر غیر کے آگے — برے کار آگر آنے لگے راعی کی فیاضی
خدا کا حکم ہے تم اپنی حالت آپ ہی بدلو — خدا کی جو رضا ہے بندہ اس سے کیوں نہ ہو راضی

ہمارے گھر کا جھگڑا ہے ہم آپ اس کو چکا لیں گے
میاں بی بی جب ہیں راضی تو پھر کیوں دخل دے قاضی

۲۹- اکتوبر ۱۹۳۱ء

کانگریس اور حکومت کی صلح

"ایک خیال"

ہندوستاں غلام تھا آزاد ہو گیا — اُجڑا ہوا یہ باغ پھر آباد ہو گیا

بلبل قفس سے اُڑ گئی پَر تولتی ہوئی — قید اس قفس میں آج سے صیّاد ہو گیا

اہلِ وطن رہا ہوئے قیدِ فرنگ سے — جس نے سُنا یہ مژدہ وہ دل شاد ہو گیا

برطانیہ کا جبر کیا جس پہ ہم نے صبر — ہندوستاں کے امن کی بنیاد ہو گیا

دہلی میں خون ہو گئی لندن کی آرزو — دفتر اس اقتدار کا برباد ہو گیا

چرچل نے جب سُنا کہ رہی کانگرس کی جیت — گرمِ فغان و نالہ و فریاد ہو گیا

گاندھی کو سرکشوں کے سر اُس نے جھکا دیئے — اس فن میں اس زمانہ کا استاد ہو گیا

نقشِ وفا بنا شہدائے وطن کا خون

اس خون سے صلح نامہ پہ جب صاد ہو گیا

سہو در اصل یوں ہے
برطانیہ کے جبر پہ
ہم نے [illegible]

منیم جی

ہے اس عقیدے پہ ہند قائم کہ رام بھی ہے رحیم بھی ہے
ادھر الف واؤ میم بھی ہے ادھر الف لام میم بھی ہے

بندھا ہوا پیٹ پر ہے پتھر مگر ہمالے سے سر ہے اونچا
میں ہوں مسلماں وضع میری جدید بھی ہے قدیم بھی ہے

سزا گناہوں کی دے چکا ہے جزا پشیمانیوں کی دیگا
کہ منتقم ہے خدا ہمارا مگر غَفُورُ الرَّحِیم بھی ہے

جب آئے ہم جیل میں تو ہم پر کھلا کہ یورپ ازل کے دن سے
دروغ گو بھی ہے حیلہ جو بھی کمینہ بھی ہے لئیم بھی ہے

اگر ہم آزاد ہیں تو جنت غلام اغیار ہیں تو دوزخ
یہ جاں سے پیارا وطن ہمارا بہشت بھی ہے جحیم بھی ہے

چمن میں فصل گل آ رہی ہے خزاں کے ایام جا رہے ہیں
کرشمہ گستر ہیں لالہ و گل تو نکہت افشاں نسیم بھی ہے

وہ پیسہ پیسہ کا چندہ دن میں فرنگیوں سے حساب لیگا
لنگوٹی والا ہمارا گاندھی مہاتما بھی غنیم بھی ہے

یکم اکتوبر ۱۹۳۰ء —— سجن فرنگ گجرات پنجاب

پرچم ہند کی اڑان

میری طرح سڑی نہیں اُٹھ وہ پولس سے کھائے کیوں
بیٹھ کے ولیرلی کے ساتھ شیخ سے پٹ نہ جائے کیوں

قید فرنگ و بند زیست فرق سے بے نیاز ہیں
موت سے پہلے آدمی جیل سے باہر آئے کیوں

ضبط فغاں سے ہے ہم نفس حیلۂ فرنگ کا جواب
دعوئ صبر ہو جسے درد سے تلملائے کیوں؟

جب جگر و دل سے خوں آلودہ پیرہن تن پہ ہے
چھینٹ انقلاب میں رنگ قضا نہ لائے کیوں

نوڈیوں کی ہر اک دلیل جب کہ ہے خس سے بھی ذلیل
جیب کے نوٹ میز پر دینے لگے وہ ووٹ کیوں

علتِ مفلسی میں جب ووٹ بھی ہم نہ دے سکیں
جیل میں بھیج کر یہ ناچ آپ نے پھر نچائے کیوں

ستر اس حجاب میں شرم ہے ہر گناہ کی
ریش دراز کا حجاب چہرہ سے شیخ اٹھائے کیوں

دودھ پلانے کیلئے بیوی ہے گھر میں جب دودھیل
لالہ جی پھر خرید کر گاؤں سے لائے گائے کیوں

جس کے قدم کی خاک ہو سارے جہاں کی سجدہ گاہ
غیر کے آستانہ پہ جا کے وہ سر جھکائے کیوں

برہمن اور شیخ کے دل ہوں اگر ملے ہوئے
ٹام نئے نئے ستم تو نے دن اُن پہ ڈھائے کیوں

ہے رگِ جاں کی شرمسار چشمِ ہند کی اڑان
جو نہ چلا سکے یہ ڈور وہ یہ پتنگ اڑائے کیوں

ابرِ مطیرِ انقلاب سارے جہاں پہ چھا گیا
ہند پہ بھی یہ ابرِ تر جھوم کے چھا نہ جائے کیوں

شہیدانِ وطن

شہیدانِ وطن کے خونِ ناحق کا جو ست نکلے
تو اس کے ذرہ ذرہ سے بھگت سنگھ اور دت نکلے

چڑھا ایران میں منصور اَنَا الحق کہہ کے سولی پہ
مزا جب ہے کہ تارِ ہند سے ایسی ہی گت نکلے

مسلمانوں نے کتنے نوجواں اب تک کئے پیدا
جو آزادی کے گہوارے میں پاکر تربیت نکلے

خدا حافظ مسلمانوں کے اقبال اور دولت کا
خدا کے شیر بھی نکلے تو شیر آغا صفت نکلے

حقوقِ مسلمیں کے کچھ محافظ چل دیئے لندن
مگر وہ بھی پرستارانِ کیشِ عافیت نکلے

نثار اُس رندِ عالم سوز پہ سو جان سے ہے محفل
کہ جس کوچہ میں جا نکلے حریفِ مصلحت نکلے

رسول اللہ کا ہم گاڑ دیں جھنڈا ہمالہ پہ
ہمارے بازوئے فاتح کر یداللّٰہی سکت نکلے

---

۱۳ اپریل سنہ ۱۹۳۱ء

خدا کی بے آواز لاٹھی

سر ڈیلینڈ اور اُس کا ظلم اگر نابود ہو جائے
تو کشمیری مسلمانوں کا دل خوشنود ہو جائے

مسلمانوں کو ملا کر خاک میں کیا اسکی خواہش ہے
کہ ذرّہ ذرّہ اس اقلیم کا بارود ہو جائے

کوئی ان ناخدا ترسوں سے پوچھے کیا قیامت ہے
کہ بچوں تک کا پیراہن بھی خون آلود ہو جائے

بخاری کی زباں سے گر حدیث قادیاں سن لو
عجب کیا ہے تمہاری عاقبت محمود ہو جائے

خدا کی شان ہے اک ریزہ چیں خوانِ انصاری کا
گدائی کرتے کرتے مہدیٔ موعود ہو جائے

نکالا جائے گر کشمیر سے مرزا قادیانی کو
تو بابِ فتنہ اپنے آپ ہی مسدود ہو جائے

شہیدانِ وطن کے خونِ ناحق کے تصدق میں
عجب کیا ہے غلامی کا نشاں مفقود ہو جائے

خداوندا مسلمانوں کے رسوا کرنے والوں میں
کوئی مخذول ہو جائے کوئی مطرود ہو جائے

خدا کے بھولنے والوں کا حشر اُس وقت کیا ہوگا
وہ لاٹھی جو ہے بے آواز گر موجود ہو جائے

لاہور ۳۰ اکتوبر ۱۹۳۱ء

مغربی تہذیب کے پتلے

سنو اچھی طرح اے مغربی تہذیب کے پتلو — کہ ہم اتنا ہی ابھریں گے دباؤ گے ہمیں جتنا

سنبھل کر ڈالئے گا ہاتھ صاحب صنف نازک پر — کہیں محشر نہ بن جائے یہ عورت ذات کا فتنہ

چبھوگے تا بہ کے سنگینیں کہاں تک چین کی سینوں پر — ذرا ہم بھی تو دیکھیں ان بازوؤں میں ہے دم کتنا

وہ چنگیزی یہ انگریزی وہ قہریلی یہ زہریلی — ہلاکو اور ڈیجوڈین کی فطرت میں ہے فرق اتنا

جئیں گے کب تک آخر بال میں یہ ناچنے والے
چھڑا ہے تاف تا تا دف آہنگ الف امتنا

۱۰ جولائی سنہ ۱۹۳۰ء

چگونگی آمد و شد سائمن

نوحہ وفا کیشان انڈیا

سر محمد اقبال :-

سائمن آں کہ بدیں شہر دو بار آمد و رفت — دلبرے بود کہ ما را بکنار آمد و رفت

راجہ نریندر ناتھ :-

باز لاہور از آفات خزاں شد پامال — حیف در گلشن پنجاب بہار آمد و رفت

مسٹر منوہر لال :-

بشنو از چاک گریباں کہ چساں در کف ما — تلمئے از زلف سمن بوئے نگار آمد و رفت

ترانۂ احرار

صبح امید کہ از زاویۂ غیب دمید — خبر آورد کہ عہد شب تار آمد و رفت

اے عزیزانِ وطن! بہ سرِ گنجِ پنجاب — مژدگانی! کہ ز برطانیہ بار آمد و رفت

باش تا بشنوی از حلقۂ رندانِ جہاں

کہ دگر بار زبوں آمد و زار آمد و رفت

۲۸ مارچ ۱۹۲۸ء

مشق ناز

ترا رسد کہ جہانے بہ ترکتاز کشی — گہے عراق کشی و گہے حجاز کشی

ہوئی تمام رعایا تباہ اور برباد — کہاں سے سیکھی ہے محمود نے ایاز کشی

یہ کہہ رہے ہیں ملیبار اور جلیاں والا — کسے نماند کہ دیگر بہ تیغِ ناز کشی

مگر کہ زندہ کنی خلق را و باز کشی

سر جان سائمن کا دوسرا مقاطعہ

سائمن صاحب کے استقبال کا وقت آ گیا
جاگ اے لاہور اپنے فرض کو پہچان کر

ان سے رہتے ہیں کئی آنکھیں چھپائے جابجا
تو بھی اے خون جگر چھڑکاؤ کا سامان کر

جبیں خود لینگے نہ ان کو لینے دیں گے ایک دم
گھر سے اے پنجابیو نکلو یہ جی میں ٹھان کر

ریل سے اتریں تو کالی جھنڈیاں ہوں سامنے
جن کے اندر تم کھڑے ہو سینہ اپنا تان کر

تجھ کو اے پنجاب اگر کچھ بھی ہے پاس آبرو
اپنی اس عزت پہ اپنی جان کو قربان کر

طالب العلموں کے خون گرم کے ولولے
جوش آزادی کا برپا آتشیں طوفان کر

نوجوانوں کو پلا جام شراب زندگی
مشکل زنداں درہ شام کی آسان کر

کٹ کے بیگانوں سے مل جا یارکا تو تنکا
لارڈ برکن ہیڈ کو نرگس کی طرح حیران کر

ہر قدم پہ کمیشن کا مستقل بائیکاٹ
طول و عرض ملک میں ڈنکے کی چوٹ اعلان کر

۱۶ اکتوبر ۱۹۲۸ء

مسلمانوں کا سیاسی زاویہ نگاہ میں ۱۹۱۲ء

تجھ سے اے ترکی ہمارا یہ قرار اعزاز ہے تو ہمارے واسطے سرمایۂ صد ناز ہے

ہم اگر بے دست و پا ہیں تو ہے خضر دستگیر ہم اگر بشکستہ پر ہیں تو پر پرواز ہے

گو بجی تھی محفل عالم میں بھی جس ساز سے تو اسی ساز بلند آہنگ کی آواز ہے

سبز گنبد والے آقا کا ہے تو جاروب کش جس کی رحمت امت مرحوم کی دمساز ہے

نام ہے قائم گر اب تک دہر میں اسلام کا سرور کون و مکاں کا یہ بھی اک اعجاز ہے

آئی ہے اٹلی کی شامت موت ہے سر پر سوار اس لئے کھولے ہوئے اپنا دہاں آز ہے

عشق لندن دل میں سودا سر میں استنبول کا

ہم مسلمانوں کی ہستی کا یہ اصلی راز ہے

کاتب کی غلطیاں حیرت انگیز ہیں —

پاپ کی ناؤ

تجھے کیا سناؤں میں ہم نشیں مرے غم کا قصہ طویل ہے
مرے گھر کی لٹ گئی آبرو ہوا جب سے خیر وکیل ہے

نئے عہد کی ہیں یہ برکتیں کہ ہے بھائی بھائی میں دشمنی
وطن عزیز اسی لئے تو زمانہ بھر میں ذلیل ہے

ہیں نئی روش کی عدالتیں ہیں نرالے ڈھنگ کے فیصلے
نہ نظیر ہے نہ دلیل ہے نہ وکیل ہے نہ اپیل ہے

ہیں کسی کے پاؤں میں بیڑیاں تو کسی کے گھر کی ہیں قرقیاں
نگہ عتاب ہے تیغ فرنگ کا جسے دیکھئے وہ قتیل ہے

ابھی وہ دباؤ نہیں پڑا جو ڈبوئے پاپ کی ناؤ کو!
انہیں جا کے کہدو اسی لئے تمہیں اتنی دی گئی ڈھیل ہے

بدعہدی کا آسمانی خمیازہ

پرستارانِ باطل اس لیے مجھ پہ بگڑتے ہیں
کہ سچی بات کیوں میں نے بلا خوف و خطر کہہ دی

گنائے میں نے کیوں احسان امان اللہ غازی کے
بتائی میں نے کیوں دنیا کو نادر خاں کی بدعہدی

مسلمانو! تم ان شطرنج کی چالوں کو کیا جانو
بڑھایا مہرہ شیر آغا نے برکن ہیڈ نے جنبش دی

یہ سب کچھ ہو چکا لیکن ندا براہِ راست آتی ہے
کہ شرحِ کان مسئولا ہے اپنے عہد کی بدعہدی

---

۲ دسمبر ۱۹۲۹ء

سالِ نو کا ہنگامہ

سنہ ۱۹۳۲ء

برطانیہ کی چھڑ گئی ہندوستاں سے جنگ
حالانکہ اس سے جنگ ہے سارے جہاں سے جنگ

گیتا سے اور گرنتھ سے زور آزمائیاں
قرآں کی آیتوں کے قشونِ گراں سے جنگ

ارجن کے اور بھیم کے گھر سے مقابلہ
پھر خاندانِ سرورِ کون و مکاں سے جنگ

توحید کے علم کو جھکانے کے حوصلے
جو قدسیوں کے ہاتھ میں ہے اس نشاں سے جنگ

سرحد کے غازیوں کو کچلنے کی نیتیں
بچے سے جنگ بوڑھے سے جنگ اور جواں سے جنگ

صلح و سلام و امن و اماں جس کی ہے متاع
غارتگروں کی ٹھن گئی اس کارواں سے جنگ

برق اور دخاں پہ کیوں نہ ہو ایمان خندہ زن
کرنے چلی ہے آج زمیں آسماں سے جنگ

ہے زیر دستیوں پہ زبردستیوں کی تاخت
موران نیم جان کی ہے پیل دماں سے جنگ

دھاوا سپاہِ جبر کا ہے خیلِ صبر پر
توپ اور تفنگ کی ہے قلم اور زباں سے جنگ

ہم ناتواں سہی ہے خدا تو ہمارے ساتھ
اب بھی وہ کر رہے ہیں تو کریں ناتواں سے جنگ

ذرّہ کے ساتھ جنگ ہے جنگ آفتاب سے
خفاش کی عبث ہے شہ خاوراں سے جنگ

آزادی کا بگل

بدلی ہے زمانے کی ہوا تم بھی بدل جاؤ
ہاتھ آ نہیں سکتا ہے گیا وقت سنبھل جاؤ

حدت مگر اس درجہ رہے خوں میں کہ موسم
گر برف کے سانچے میں بھی ڈھالے تو پگھل جاؤ

محنت کے بلا خیز سمندر کے نہنگو
سرمایہ کی مچھلی کو سموچا ہی نگل جاؤ

آزادیٔ کامل کا علم ہاتھ میں لے کر
میداں میں بجاتے ہوئے ایماں کا بگل جاؤ

ہے آٹھ پہر سے نئی تہذیب کی بارش
رستہ میں ہے کیچڑ کہیں اس میں نہ پھسل جاؤ

حیران ہیں مغرب کے کفن چور کہ مردے
چلاتے ہیں قبروں میں کہ مشرق سے نکل جاؤ

برطانیہ کی بھیڑ سے کچھ بیر نہ کریں گے
اے ٹوڈیو چھٹتے تم انھیں پیٹ کے بل جاؤ

یکم جنوری ۱۹۳۱ء

انقلابِ ہند

بارہا دیکھا ہے تو نے آسماں کا انقلاب
کھول آنکھ اور دیکھ اب ہندوستاں کا انقلاب

مغرب و مشرق نظر آنے لگے زیر و زبر
انقلابِ ہند ہے سارے جہاں کا انقلاب

کر رہا ہے قصرِ آزادی کی بنیاد استوار
فطرتِ طفل و زن و پیر و جواں کا انقلاب

صبر والے چھا رہے ہیں جبر کی اقلیم پر
ہو گیا فرسودہ شمشیر و سناں کا انقلاب

چٹکلے دو چھوڑ اور چرچل کا قصہ پاک کر
تو نہیں بھولا امان اللہ خاں کا انقلاب

سمن فرنگ گجرات
یکم مئی ۱۹۳۰ء

شیخ و برہمن

اکثریّت اگر اسلام کی پنجاب میں ہو
تو وہ کہتے ہیں کہ خطرے میں ہے تہذیبِ ہنود

اُن کے نزدیک ہے پنجاب فلسطیں گویا
آ گھسے جس میں مسلمان ہیں مانندِ یہود

جن کو لازم ہے کہ بن کر رہیں اُن کے غلام
یا کہیں بھی نظر آئیں نہ تہِ چرخِ کبود

جو لہو اُن کے پسینے کی جگہ ٹپکائیں
کیا قیامت ہے کہ اُن کو وہ سمجھتے ہیں حسود

وطنیت یہی اُن کی ہے تو ہم سمجھیں گے
کہ وہ ہیں عبد اور انگریز اُن کا معبود

جن کو توحید سے ہے سیزدہ صد سالہ عناد
جس کے حق میں ہے خطرناک مسلماں کا وجود

"اے خدا برہمن و شیخ کے جھگڑے کو چکا
اور اٹھا ہند کی دیرینہ غلامی کی قیود

۲۵ ستمبر ۱۹۲۹ء

درسِ عبرت

اک نیا درس دیا گردشِ دوراں نے مجھے
دی ہے دعوت اگر اس مرتبہ زنداں نے مجھے

میرے ایمان کی فراست نے جتایا مجھ کو
کہ کیا بے سر و ساماں مرے ساماں نے مجھے

میں اگر سوختہ ساماں ہوں تو یہ روزِ سیاہ
خود دکھایا ہے مرے گھر کے چراغاں نے مجھے

کوئی کافر مری تذلیل نہ کر سکتا تھا
مرحمت کی ہے یہ سوغات مسلماں نے مجھے

سر بلند اب بھی مجھے دیکھ رہی ہے دنیا
تو عطا کی ہے یہ طاقت مرے ایماں نے مجھے

سنٹرل جیل لاہور
۱۹ دسمبر ۱۹۳۱ء

طوفانِ مغرب

بہا کر لے گئی جو موج رنگ ننگ کابل کو
خبر بھی ہے تمہیں تم کہ وہ کس سیل بلا سے ہے

یہ ہے وہ مغربی طوفاں جس کی سہمگیں ٹکر
ہماری ناؤ کے تختوں کی دشمن ابتدا سے ہے

وہ چنگاری جو شعلہ بن گئی یاروں کے خرمن میں
فروغ اس کا مسیحیت کے دامن کی ہوا سے ہے

شریعت کے نگہباں پیکر جہل مرکب ہیں
مصیبت ملت بیضا کی اُن کی اقتدا سے ہے

دیا ہے جس پہ فتویٰ کفر کا ان رُوسیاہوں نے
غلامی کی اسے نسبت محمد مصطفےٰؐ سے ہے

امان اللہ خاں نے زندہ کر دی سطوت کسریٰ
بغاوت اسکی دولت سے بغاوت خود خدا سے ہے

وہ قوت جو ودیعت کی گئی ہے اسکے بازو میں
علیؓ مرتضےٰ کے پنجۂ زور آزما سے ہے

نہیں اس رمز کو جانا تو اب جانیں حریف اسکے
کہ اُس سے قصد آویزش لپٹ جانا قضا سے ہے

نہیں ہندوستاں میں کوئی بھی جو یہ نہ کہتا ہو
کہ آزادی کی امید اسکی دولت کی بقا سے ہے

یہ چرچے ہو رہے ہیں قدسیوں میں عرش اعظم پہ
کہ فتح اسلام کی لپٹی ہوئی اسکی لوا سے ہے

۲۸ جنوری ۱۹۲۹ء

حزب العمال

اڑتی سی اک خبر ابھی آئی ہے تار پر
سرمایہ دار چپل دیئے مزدور آ گئے

جو مطلق العنان تھے جڑ اُن کی کٹ گئی
جو کرتے تھے حمائت دستور آ گئے

جو مُردہ اعتدال پسندان ہند کو
تھے اُن کی دوستی میں جو مشہور آ گئے

اس انقلاب سے مری آنکھوں کے سامنے
جتنے بھی تھے حقائق مستور آ گئے

قیصر سا اِلی وضع کے گر مٹ گئے تو کیا
ان کی جگہ نئے نئے فغفور آ گئے

یہ فرقہ جدید بھی انگریز ہی تو ہے
خونِ رگ بریدہ چنگیز ہی تو ہے

نفیر عام

اچھلوایا گیا اخبار پر اشرار سے کیچڑ
برسوائے گئے احرار پہ پتھر لفنگوں سے

ضرورت کیا کہ ترکش سے نکالے غیر تیر اپنا
ہمارا سینہ چھلنی ہو جب اپنے ہی خدنگوں سے

وہ خونِ رنگیں ہوا دامن ہمارا جس سے ٹپکا ہے
جنابِ حضرتِ اقبال کے دل کی امنگوں سے

مسلمانوں کو ہندو سے لڑا کر آپ کیا لیں گے
نہیں مل سکتی آزادی فسادوں اور دنگوں سے

خدا کا سایہ جب سر پر ہو پھر خوف و خطر کیسا
خلافت کے عقابوں کو ہراس ہے کلنگوں سے

نہ الجھیں راہ نمایانِ وطن سے میر اور سالک
اگر دریا میں رہنا ہے نہ ٹکرائیں نہنگوں سے

"زمیندار" ایک آپ اتنے مگر اوجِ سیاست کے
یہ اک تکل لڑے گا آپ کے سارے پتنگوں سے

---

۲۷ ستمبر ۱۹۲۸ء

مغربی بگولا

اڑانے آئی ہے مغرب کی آندھی — بگولا بن کے مشرق کے چمن کو
ہے پیغام ایک اس کی شوخیوں کا — ہجوم لالہ و جمع سمن کو
کمیشن تازہ کرنا چاہتا ہے — پھر استبداد کی رسم کہن کو
نہیں لاتے ہیں خاطر میں یہ ٹوڈی — مری تنظیم تیرے سنگٹھن کو
مگر ہو جائے سمجھوتا ہمارا — تو بدلیں آج ہی اپنے چلن کو
اب اس میں مالوی یا مولوی ہو — نبھانا ان سے آخر ہے بدن کو

خدارا اب تو چھوڑو فتنہ جنگی
بچانا ہے جو ناموس وطن کو

لاہور ۱۲ نومبر ۱۹۲۶ء

چراغِ حرم

ثابت جب اپنے آپ کو خیر الامم کیا
ہم نے کیا وہ کام کسی نے جو کم کیا

تیغِ جہاں کشا سے جھکایا سرِ عجم
نوکِ سناں سے گردنِ روما کو خم کیا

گھر گھر میں ہم نے حق کی تجلی بکھیر دی
روشن گلی گلی میں چراغِ حرم کیا

پہنچا دیا پیامِ خدا ہر دیار میں
ہر ملک میں بلند نبیؐ کا علَم کیا

بخشی ہمیں غلامیِ سرورِ کائنات
کتنا بڑا خدا نے یہ ہم پر کرم کیا

آئیں بائیں شائیں

پیسہ اخبار مورخہ ١٦ نومبر ١٩١٢ء کے جواب میں

بلقانیوں کا شور ہے کووں کی کائیں کائیں
خبریں ہیں اُن کی فتح کی سب آئیں بائیں شائیں

ہوتا ہے کوئی دم میں جلالِ حق آشکار
یہ کشتگانِ غمزۂ ابلیس رہ تو جائیں

ڈالا زمیں میں ظلم سے یورپ نے زلزلہ
مسلم دعا سے پایۂ عرشِ بریں ہلائیں

ریوٹر نے اہلِ یاس کا ایماں لیا خرید!
ہم کس لئے نہ سکّۂ لاتقنطوا چلائیں

ہیں بند سب کے سب قفسِ احتساب میں
خبریں کہاں سے نامہ نگارانِ جنگ لائیں

اس پہ بھی تنگ آ کے وہ لاتے رہیں اگر
ہم آرۂ انتقاد کا اُن پہ نہ کیوں چلائیں

نہلائے گا غنیم کی فوجوں کو خون میں
بلغاریہ نے ترک کی دیکھی نہیں ادائیں

اک ہم مسلم کو غصّہ ہے اس بات پر بہت
سوجھیں نہ جو انہیں ہمیں باتیں وہ سوجھ جائیں

اصرار ہے انہیں کہ جو اُسے دیں باعتراف
وہ گالیاں ضرور ہی ہم اُن کی طرح کھائیں

ریوٹر بھی فتح ترک کی دے گر کوئی خبر
ہم اُس خبر کی شان کو اُن کی طرح گھٹائیں

قاصر ہیں گر اس سے تو ڈر ہے انہیں کہ ہم
تیورا کے بامِ قصرِ ثقاہت سے گر نہ جائیں

زمیندار ۲۰ نومبر ۱۹۱۲ء

سیاسیاتِ عالیہ

بسکہ تھا تثلیث عنوانِ دینِ قسطنطین کا — پڑھ گیا آکر سبق انگورہ میں والتّین کا

یک بیک انگورہ کے انگور کھٹے ہو گئے — لومڑی سے رشتہ ہے دیرینہ قسطنطین کا

کہہ دو آغا خان سے اب لاٹھی ہی کچھ کام آئے گی — بھینس کے آگے ہے بے مصرف بجانا بین کا

وائے ناکامی کہ چشمے تیل کے سوکھے تمام — لے کے لائڈ جارج جب دوڑے کنستر ٹین کا

نام حسرت سے لیا کرتے ہیں کرزن ان دنوں — مرو کا شیراز کا تبریز کا قزوین کا

صوبۂ سرحد کہ سب بے آئیں کہتے ہیں اسے — بن گیا آئینہ دار اسلام کے آئین کا

وہ "تھی ایپٹر" جس میں "ایکٹر" ہوا امان اللہ خاں — کیوں نہ لطف آئے مسلمانوں کو اس سین کا

جوش میں غیرت سوالِ ہاشمی کی آ گئی — مشرق و مغرب میں اب ڈنکا بجے گا دین کا

جب دعا مانگی یہ مسلم نے کہ ہو ترکوں کی فتح — بچ گیا غل عرش پر چاروں طرف آمین کا

مغل پورہ

مسلمانوں کی قربانی کا ثمرہ مل گیا اُن کو
حکومت جھک گئی پنجاب میں اسلام کے آگے

ہوئیں تسلیم بے چون و چرا چٹکی بجانے میں
شرائط ہم نے جتنی پیش کیں حکام کے آگے

کیا وہ کام جب ہم نے خدا خوشنود ہو جس سے
ہوئی دنیا کی گردن خم ہمارے نام کے آگے

سپر انگریز نے ہندوستاں میں ڈال دی آخر
بصد زاری خدا کے آخری پیغام کے آگے

لاہور ۴ ستمبر ۱۹۳۱ء

بلند شہر کا مجسٹریٹ اور مظلوم مہابیر تیلی

اک سرپھری انگریز نے جب بر سر اجلاس
لگوا دیئے پیادوں سے مہابیر کو دس سانٹ

اتنا بھی نہ شملہ کی حکومت سے بن آیا
دی اپنے نمائندۂ انصاف کو ڈانٹ

جس روز بکھیرے گئے انصاف کے پھول
برطانیہ کے رستے میں بچھنے لگے کانٹ

اس ظلم پہ اس جور پہ چپ ہے سر بیداد
عدل اور مساوات کا بھی فلسفہ چھانٹ

اچھا ہے کہیں اس سے تو لندن کا وہ اندھا
پھر بیٹھ کے ہنس ہنس چاپ جو انھوں کی باب

زمیندار ۔ ۲۲ ۔ ستمبر ۱۹۲۲ء

مالوی جی کی سیوا میں نویدن

حکومت التجاؤں سے کبھی حاصل نہیں ہوتی
کوئی اللہ کا بندہ یہ کہہ دے مالوی جی سے

کبھی بھی سیدھی انگلی سے نہ نکلا ہے نہ نکلے گا
پتہ پانا چاہتے ہیں اپنے پھلکے آپ جس گھی سے

ریزولیوشن کہاں تک پاس کرتے ہم چلے جائیں
یہ چکی کانگرس بھی ہوگی کرشنت تک پیسے

نہیں ملتی ہے جلسوں اور تقریروں سے آزادی
جو ملتی ہے تو ملتی ہے چپتی اور ٹھیتی سے

تبھی تو بول بالا ہے جواہر لال نہرو کا
اور ان سے آملے ہیں دیس سارا لنگٹی گاندھی سے

وہ گوکل کا گوالا جو سنتے تھے بانسری والا
یہ کہتا ہے کہ بھینس اس کی جو ہانکے اس کو لاٹھی سے

۶۔ نومبر ۱۹۲۸ء

کرنی ہے تجھے سیر اگر باغِ گرو کی
پٹ جا سرِ بازار کہ قانون یہی ہے

گدی سے اتر راج کو چھوڑ اور کر استرار
ہوں میں بھی خطاوار کہ قانون یہی ہے

اس پردۂ زنگار میں نغموں کے عوض ہیں
زنجیر کی جھنکار کہ قانون یہی ہے

آوارۂ منصور کو کہتے ہوئے لبیک
دوڑے رسن و دار کہ قانون یہی ہے

جینے کی تمنا ہو گر اس عہد میں تجھ کو
مرنے کو ہو تیار کہ قانون یہی ہے

گھربار لٹانا ہو جسے حق کی طلب میں
بن جائے زمیندار کہ قانون یہی ہے

---

۲۹ جولائی ۱۹۳۲ء

خاتمِ جم

جس نے سو سال کا ٹوٹا ہوا رشتہ جوڑا — یہ وہ طاقت ہے جو پریاگ سے ہم لیکے چلے

مالوی ہو کہ ہو آزاد اسے چلنا ہے آگے — مادرِ ہند کی عزت کی قسم لے کے چلے

مل گیا دولتِ گم گشتہ کا سنگم میں سراغ — ہم گدایانِ حرم خاتمِ جم لے کے چلے

تاج تکمی کا جو ہر چیل کو پہنانے لگ جائے — وہی سُر اور وہی تال اور وہی سم لے کے چلے

خالصہ جی کو یہ شکوہ نہ رہے ساقی سے — کہ ہم اس بزم سے اک بوند بھی کم لے کے چلے

ساتھ دینا ہے اس احقر کا اگر منجھے کو
تو پھر آزادیٔ کامل کا علم لے کے چلے

---

۱۴ نومبر ۱۹۳۲ء

شرارت کی جڑ

سب تیری سمٹی ہوئی دولت ہوئی غارت
بنتے ہی بگڑ کیوں گئی قسمت تیری بھارت

گاندھی کی بسائی ہوئی بستی ہوئی برباد
دو سال کی محنت ہوئی پل بھر میں اکارت

ہم ڈھونڈنے نکلے ہیں کھنڈر اس کے ثریٰ میں
تھی بام ثریا سے بھی اونچی جو عمارت

گرما گئے تھے جس سے ٹھٹھرے ہوئے اعضا
باقی نہ رہی جسم کے اندر وہ حرارت

اس خون کا اک قطرہ بھی دل میں نہیں موجود
جس سے دم شمشیر کی ہوتی تھی طہارت

راہ رو تو بہت ہیں مگر ایسا کوئی راہبر
ملتا نہیں رکھتا ہو جو آنکھوں میں بصارت

دہلیز حکومت پہ سر عجز جھکا کر
لینا بہت آسان ہے قلمدان وزارت

گرتے ہوؤں کو بھی تھامے یہ ہے دشوار
پیدا نہیں کرتا کوئی اس فن میں مہارت

کیوں ہند کی تقدیر نے کھایا ہے یہ پلٹا
بوجھی گئی اب تک نہ کسی سے یہ بجھارت

مسلم کی خطا ہے نہ ہندو ہی کی تقصیر
یہ سب ہے فقط ایک برہمن کی شرارت

اسیرانِ فرنگ

سر جان ہیفی کے کشتگانِ ناز

پیستے ہیں جیل میں چکی اسیرانِ فرنگ آسیا سے گردشِ دوراں ہے زندانِ فرنگ
جو تنفس ان کو ضمانت قید کاٹے تین سال کیوں نہ ہو تثلیث ہی ٹھہرا جو ایمانِ فرنگ
پاؤں میں بیڑی گلے میں تختی اور ہاتھوں میں داغ امتِ مرحوم پہ کیا کیا ہیں احسانِ فرنگ
آسیا کا دستہ حجت حلقۂ جولاں دلیل اپنی منطق پہ ہیں نازاں نکتہ سنجانِ فرنگ
صبح کو گوبھی کے ڈنٹھل شام کو ابلی مسور ہم سے اس شان سے برسوں ہی مہمانِ فرنگ
ہم سیہ بختوں کو روغن بھی ملا ہو کر سیاہ کیونکہ ہے روغن کی زردی حصۂ حیوانِ فرنگ
تخمِ گندم نے ہمیں اولادِ آدم کر دیا ورنہ کھاتے تھے چنے ہم مثلِ گاوانِ فرنگ
چھ چھٹانک آٹے میں مٹھی بھر تو ہو شملہ کی دھول ورنہ کیا یاد آئے گا اندازۂ نانِ فرنگ

ایک دن سر جان ہیفی سے یہ مسلم نے کہا اے کہ اس کشور میں ہے تو مظہرِ شانِ فرنگ

کچھ خبر اس کی بھی ہے تجھ کو کہ تیرے دور میں
خلق کو ہے شکوۂ جورِ فراوانِ فرنگ

صوبۂ سرحد کے اندر اک قیامت ہے بپا
غرق اٹک میں ہو گئے سب عہد و پیمانِ فرنگ

لے کے بنوں سے پشاور تک جدھر ڈالی نظر
سب کے سب ہیں خستۂ شمشیر و پیکانِ فرنگ

ان کے اندر ہندو و مسلم ہیں دونوں پائمال
ان کے خوں سے لالہ گوں ہے ستم نکرانِ فرنگ

تیرے مسلک میں ہے سنگِ راہِ مغرب کانگرس
تیری نظروں میں خلافت خارِ دامانِ فرنگ

یہ بھی سوچا تو نے ہوگا اس جفا کا حشر
کب تک آخر یہ خروش و جوشِ طوفانِ فرنگ

حضرت سیفی نے جب باتیں یہ مسلم کی سنیں
اس طرح گویا ہوا یہ نغمہ سنجِ بوستانِ فرنگ

قول تمہارا بات اچھی طرح ہم نے سن لیا
ہم ہیں استاد اور تم طفلِ دبستانِ فرنگ

تم وکالت جن کی کرتا ہے وہ باغی لوگ ہیں
ہیں وہ سب کے سب حلیفانِ حریفانِ فرنگ

کانگرس کو اور خلافت کو کریں گے ہم تباہ
گرچہ یہ دونوں رہا ہو کر غلامانِ فرنگ

یہ جواب صادق مسلم سن کے شملہ چل دیا
جس کی چوٹی پر ہے اونچی سب سے دکانِ فرنگ

لارڈ ریڈنگ اس دکان میں بیچنے کو آئے ہیں
ہندیوں کے ہاتھ جنسِ عدل و احسانِ فرنگ

دیکھیے مسلم کو کیا سودا یہاں آتا ہے ہاتھ
وزن قائم کس طرح رکھتی ہے میزانِ فرنگ

لاٹ صاحب نے بھی گر سر جانِ سیفی کی طرح
عدل کے چہرہ پہ ڈالا پردۂ آنِ فرنگ

مسلمِ شوریدہ کا یہ آخری ہوگا پیام   ربِ اکبر سے کرو خوف اے خدایانِ فرنگ

یوں ہی گر ہوتا رہا سرحد کی آبادی پہ ظلم

سب دھرا رہ جائے گا یہ ساز و سامانِ فرنگ

زمیندار ۲۵ جون ۱۹۲۱ء

نسلِ شغال

دردانیال سے انگریزی فوجوں کی پسپائی پر

برطانیہ کے شیر ہیں نسلِ شغال سے

بھاگے ہیں دُم دبا کے دردانیال سے

پسماندگانِ شہدائے سمرنا

فرض شناسیٔ نظام

اے کہ اسلامیوں کے درد سے بیتاب ہے تو
جس کی تعبیر مری زیست ہے وہ خواب ہے تو

بسملی تیری بھی ہے رقصِ کناں میری طرح
گرچہ میں ذرّہ ہوں اور مہرِ جہاں تاب ہے تو

بے کسی قوم کی آخر تجھے تڑپا ہی گئی
کیوں نہ ہو جوشِ رگِ دودہ خطاب ہے تو

اے گدازِ جگرِ خستۂ اربابِ وفا
دلِ ملت ہے اگر کعبہ تو میزاب ہے تو

فرض اپنا یونہی عثماں علی خاں پہچان
اے کہ میرے لئے مستغنی از القاب ہے تو

اے سمرنا کی زمیں تجھ پہ خدا کی رحمت
خونِ اسلام کے چھڑکاؤ سے سیراب ہے تو

ارغواں پاش ترے فیض سے ہے دیدۂ تر
ریزشِ اشک کو سرمایۂ عنّاب ہے تو

عرش تھرائے نہ کیوں فرش لرز جائے نہ کیوں
آہِ تیرا ہ سے تو گریہ بیتاب ہے تو

آلِ عثماں کی عزت کی حفاظت کی طرف
کسی تیمور کی غیرت کی عناں تاب ہے تو

تختۂ یوناں کا اُلٹ کفر کے بیڑے کو ڈبو
جیسے خود خوں کے سیلاب میں غرقاب ہے تو

۲۹ جولائی ۱۹۲۱ء

کربلا الہ آباد میں

سید عالی گہر حق پر فدا ہو ہی گیا — اے الہ آباد تو بھی کربلا ہو ہی گیا
جرم اتنا تھا کہ کیوں اسلام کی تلقین کی — پابہ زنجیر اس پہ یہ مردِ خدا ہو ہی گیا
تو اے فاخر حسینؓ ابنِ علیؓ کی یادگار — درد تیرا تیری ملت کی دوا ہو ہی گیا
روزہ رکھ اور قید کاٹ اور ساتھ ہی چکی بھی پیس — فرض اس انداز سے تیرا ادا ہو ہی گیا

تیشۂ یورپ سے جڑ انصاف کی کٹ ہی گئی! — انقطاعِ رشتۂ مہر و وفا ہو ہی گیا
خوش ہو اے یورپ بر آئی تیری صدیوں کی امید — ملکِ قسطنطنیہ سے آخر جدا ہو ہی گیا
تختۂ مشقِ جفا توحید والے کیوں نہ ہوں — غلبہ شرق و غرب میں تثلیث کا ہو ہی گیا
کفر نے اسلام کا بیڑا کیا ہے گرچہ غرق — ساتھ ہی اس کا بھی لیکن فیصلہ ہو ہی گیا

موت دیتی ہے مسلماں کو پیامِ زندگی   منکشف اسلام پر رازِ بقا ہو ہی گیا

خونِ مسلم صرفِ تعمیرِ جہاں ہونے کو ہے   اک نئی دُنیا کا ساماں برملا ہو ہی گیا

اے مسلمانو کرو دارالاماں کا عزم تم

ہم کو حکمِ خواجۂ ہر دوسرا ہو ہی گیا

۲۲ مئی ۱۹۲۰ء

پریم کا چاؤ

اک سرِ بریدہ لاش کے منھ سے بوقتِ ذبح   پیغام خالصہ کو یہ پہنچا گرنتھ کا

تجھ کو اگر ہے دعوئے الفت تو سر بکف   ننکانہ چل کے آ کہ یہ رستہ ہے پنتھ کا

بدنصیب ہرکور کی فریاد

ہز آنر سر ایڈورڈ میکلیگن کے گوشِ حق نیوش سے

بزبانِ پیر زمیندار

امر سنگھ کی مشکل پہ غور کیجے   رعایا پہ احساں یہ اک اور کیجے

اگر آپ لاہور کے حکمراں ہیں   تو پھر ہور کو چشمہ کور کیجے

ہوئیں مارشل لا کی باتیں پرانی   بس اب ختم یہ جانگزا دور کیجے

دعا لیجے ہرکور کی بندہ پرور   رہا اس کے بیٹے کو فی الفور کیجے

نہ دے عدل اجازت تو پھر رحم تو ہے
غرض حل یہ مشکل کسی طور کیجے

یکم جنوری سنہ ۱۹۳۰ء

سنٹرل جیل لاہور

یوم کرسمس

آج جن کی یہ خطا ہے کہ ذرا کالے ہیں — پی رہے اُن کا لہو جیل کے رکھوالے ہیں
کبھی کولھو کی مشقت کبھی چکی کا عذاب — جس سے ہاتھوں میں بچاروں کے پڑے چھالے ہیں
گوشت اور خون کے پرزے ہیں جو انگریزوں نے — قیصریت کی مشینوں کے لیے ڈھالے ہیں
قید گورے بھی ہیں چوری میں مگر اُن کیلئے — جیل سرکار نے گلزار بنا ڈالے ہیں!
ہم کسی بات میں کم اُن سے نہیں ہیں لیکن — اِس کو کیا کیجئے وہ گورے ہیں ہم کالے ہیں
رنگ کے فرق پہ موقوف ہے قانونِ فرنگ — یوں نکلتے نئی تہذیب کے دیوالے ہیں
ہوگئے کس لئے کونسل کے سب ارکان خاموش — وہ بھی کیا ان ستم آرائیوں کے آلے ہیں
اے خدا کیوں نہیں مظلوم کی سُنتا فریاد — پڑ گئے کیا ترے دربار میں بھی تالے ہیں
شیخ پوشوں کی زبانوں پہ ہے تکبیر کا شور — اور سینوں میں دبے نیم شبی نالے ہیں
کملی والے تری اُمت کو نہ کمل بھی ملے — ٹوپی والوں کو اڑھائے گئے دوشالے ہیں

بڑے دن کا یہی احرار کو انعام ملا ! ۔۔۔ کہ زد و کوب سے چالوں کے پڑے لالے ہیں
ہوگئیں زندہ روایات احد زنداں میں ! ۔۔۔ دانت ٹوٹے ہیں انہیں کے جو خدا والے ہیں
یوں ہی رفتار ہا اسلام تو بہ نکلیں گے ۔۔۔ عرش پہ جتنے مکافات کے پرنالے ہیں

نشہ ہو جائے گا دولت کا بہت جلد ہرن
کہدو ان سب سے جو اس نشہ کے متوالے ہیں

سنٹرل جیل لاہور
۲۵ دسمبر ۱۹۳۱ء

سر اڈورڈ گرے

وزیر صیغہ خارجہ برطانیہ

خوب جی بھر کے سر اڈورڈ گرے دیکھ چکے ۔۔۔ ہم غریبوں کے سیفانے کا ویراں ہونا
اپنے شیرازۂ ہستی کا بکھر جانا ۔۔۔ اپنی جمعیت قومی کا پریشاں ہونا
برق تثلیث کا توحید کے گھر پہ گرنا ۔۔۔ ظلمت کفر میں ایماں کا پنہاں ہونا

...بحث از مقالات ... اردو ... ہو ...
از ... — طبع نو سے انتشارات ... ۱۹۱۲ — 29 ×/34

ترک کے طرۂ طرار کا جھک جانا — چاک داماں عرب تا بہ گریباں ہونا
خاک کا درنہ و طبرق کے سر پہ اڑنا — خون میں شہر و تبریز کا غلطاں ہونا
مصر کے سینۂ صد چاک کے پرزے اڑنا — ہند کے دیدۂ نمناک کا طوفاں ہونا
صف ماتم ادھر ایران کے اندر بچھنا — اور مراکش میں ادھر حشر کا ساماں ہونا
ستم ایجادیٔ بلقان کی لکھتے ہوئے شرح — بید کی طرح مرے خامہ کا لرزاں ہونا
یہ مسلماں ہیں اس جرم میں گردن زدنی قتل — دست بلقان میں یورپ کا یہ فرماں ہونا
خانماں سوختہ مسلم کی تمناؤں کا — دشت غربت میں ... و حیراں ہونا
خانقاہوں سے مسلمانوں کا کھدیڑا جانا — اور مساجد میں صلیبیوں کا نمایاں ہونا
کبھی جن پردہ نشینوں کا نہ اٹھا تھا نقاب — ان کے ناموس کا بازار میں عریاں ہونا
یوں تبہ کرکے ہمیں آپ کو اب ہے منظور — جنگ کو روکنا اور صلح کا خواہاں ہونا

کی مرے قتل کے بعد اس نے جفا سے توبہ
ہائے اس زود پشیماں کا پشیماں ہونا

قسطنطنیہ ۱۹۱۳ء

پنج گنج

(۱)

بتانِ کاشی و لاہور

ہمیں وہ فتنہ کا بانی قرار دیتے ہیں
مگر خود اپنی روش کو بسار دیتے ہیں

بتانِ کاشی و لاہور سے خدا کی پناہ
کہ رنج دیتے ہیں اور بے شمار دیتے ہیں

دروغ گو کو نہیں حاصل ہوا فروغ کبھی
ہم اُن کے جھوٹ کو سچ سے نکھار دیتے ہیں

وہ دھرتے ہیں یہی الزام ہم پہ لے دیکر
کہ مکہ لیتے ہیں اور ہردوار دیتے ہیں

مدینہ بڑھ کے تمہیں ہے عزیز دہلی سے
ہمیں وہ طعنہ یہی بار بار دیتے ہیں

دبا ہوا تھا جو کینے کا جذبہ سینے میں
یہ کینہ جو اُسے اُٹھ کر ابھار دیتے ہیں

کبھی رسولؐ کی توہین مشغلہ اُن کا
کبھی خدا کے خلاف اشتہار دیتے ہیں

---

(۲)

نامسلمانوں اور مسلمانوں کا فرق

ہیں ایک وہ کہ ابٹنا لگا کے شدھی کا — عروسِ کفر کا جوبن نکھار دیتے ہیں
اور ایک ہم ہیں کہ دین رسولؐ اکرم کا — خود اپنے ہاتھ سے کھو اعتبار دیتے ہیں
حرم کے راہ نوردوں کی خستہ پائی کو — بشارت خلش نوک خار دیتے ہیں
حریم کعبہ میں تثلیث کا اڑے پرچم — یہ لکھنؤ سے نصاریٰ کو تار دیتے ہیں
مراد یہ ہے کہ الٹے بساط ابن سعود — ہم آپ جیت کے بازی کو ہار دیتے ہیں

(۳)

تاجدارِ دکن

دکن رہے جو سلامت یہی غنیمت ہے — وہ کب نظام کو واپس برار دیتے ہیں
وہاں بڑھی ہوئی جتنی ہو منزل جس کی — یہاں اسی قدر اس کو فشار دیتے ہیں

(۴)

محمد عربی کا نام سپہر بریں کی لوح پر

خزاں رسیدہ چمن کو طیور زمزمہ سنج — نوید آمد فصل بہار دیتے ہیں
فرشتے ملت بیضا کو آسمانوں سے — پیام رحمت پروردگار دیتے ہیں
خدا نے جس سے محمد کا نام لکھا تھا — ستاروں کو وہ قلم مستعار دیتے ہیں

(۵)

طلوع صبح امید کا انتظار

نبی جہاز سے طوفاں میں اپنی امت کو — کنارے پر بسلامت اتار دیتے ہیں
خدا کی راہ میں جو ہو کے سر بکف نکلے — اسی کو مسند عز و وقار دیتے ہیں
زمیں جس کی شہادت کے خوں سے ہو سیراب — اسی کا نام فلک پر پکار دیتے ہیں
وہ تیغ کفر کے پیکر کو جو دو نیم کرے — اسی کو مرتبۂ ذو الفقار دیتے ہیں
کب اس کے قبضۂ جوہر نگار پر دیکھیں — ہمارے بازوؤں کو اختیار دیتے ہیں

حدیث المائدہ

از

ابوالکلام آزاد

خروشِ حلقۂ زندانِ فرد کش کے لئے   ہوئے ہیں ہند میں پیدا ابوالکلام آزاد
"وطن فروش" کا آوازہ اُن پہ کستے ہیں   وہی جو سہہ نہیں سکتے کہ ہوں غلام آزاد
ہیں باغبانِ پورپ کے چمن کے سروشفیع   کہ پابگل ہے مگر اس پہ بھی ہے نام آزاد

یہ کیا غضب ہے کہ ہندوستاں غلام رہے
مگر ہوں مصر و عراق و حجاز و شام آزاد

مشہد مقدس پر روسی گولہ باری

(۱)

امام ثامن ضامن حریمش چوں حرم آمن — زمیں از عزم او ساکن سپہر از عزم او پویا

ہزبر بیشۂ امکاں نہنگ لجۂ ایماں — ولی ایزد منّان علیؑ عالی اعلا

نہال باغ علیینؑ بہار مرغزار دیں — نسیم روضۂ لیسیں شمیم دوحۂ طٰہٰ

سحاب عدل را ژالہ ریاض شرع را لالہ — قمر در چہر او والہ سہاں از مہر او شیدا

رخش مہر فروزندہ لبش یاقوت زندہ — ازاں جاں خرد زندہ ازیں نطق سخن گویا

زجودش قطرۂ قلزم زرویش پرتوے انجم — جبینش قبلۂ مردم رواقش کعبۂ دنیا

ستارہ گوے میدانش ہلال عید چوگانش — زنعل سم یکرانش غبارے تودۂ غبرا

قمر رنگے زرخسارش شکر طعمے زگفتارش — بشر را مہر دیدارش نہاں چوں روح در اعضا

نظام عالم اکبر قوام شرع پیغمبر — فروغ دیدۂ حیدر سرور سینۂ زہرا

رضائے او رضائے حق قضائے او قضائے حق — دلش از ماسوائے حق گزیدہ عزلت عنقا

رواے قدس پوشیدہ بہ ہضم نفس کوشیدہ — بزم انس نوشیدہ مے وحدت ز جام لا

مے از مینائے لاخوردہ سبق از ماسوی بردہ　　وزاں پس سر برآوردہ زجیب خانۂ اِلا

زدہ در دشتِ لاخرگہ کہ لامعبود الا اللہ　　زکاخ نفی جستہ رہ بخلوت گاہ استثنا

ہمیں نوبادۂ آدم ہمیں پیرایۂ عالم

چو خیر المرسلیں محرم بخلوت گاہ اَوْ اَدْنیٰ

(۲)

ہوا جس کی ثنا میں تر زباں اس طرح قاآنی　　وہ تھا اپنے زمانہ میں بلاشک شانِ یزدانی

ابھی تک یادگار اُن کی ہے باقی مشہد میں　　مسلمانوں کو پہنچے اُس سے جو جو فیض روحانی

مزار اُس کا ہے مرکز خلق کے حسن عقیدت کا　　پہنچے ہیں وہاں باز ندرانی اور خراسانی

عرب اور عجم سے مور چیل لے کر ارادت کا　　مسلماں کرتے ہیں اُس کے مرقد کی نگہبانی

قسم مامون عباسی نے کھائی جسکی حرمت کی　　نگہباں جسکی تھی عباس اعظم کی جہانبانی

جہاں چاروب کش ملکیں ہوئی ہیں کج کلاہونکی　　ادب سے چومتے ہیں جس کو ایرانی و تورانی

وہ مرقد جس کے گنبد کی طلاکاری سکھاتی ہے　　فلک پر قرص خورشید درخشاں کو زرافشانی

اسی مرقد کو ڈھانے آئے ہیں واحسرتا روسی　　فنا کرنے ہے جن کی توپ کے گولوں کی غلطانی

نکل کر اشقیا کا لشکر آیا ہے جہنم سے　　ہے بھرتی سسکیاں ایران میں مسلم کی گرانجانی

جوان و پیر و طفل و زن ہوئے سب قتل شہد میں | کہ گزرا سر سے کُلُّ مَنْ عَلَیْہَا فَانٍ کا پانی
وہ روضہ جس کے خادم تھے ملائک آہ کل شب تک | سپرد ابلیس کے ہوتی ہے اُس کی آج دربانی
سر ایڈورڈ آپ کو اسلامیوں کی کیوں نہیں پروا | پریشاں کیوں نہیں کرتی تمہیں اُن کی پریشانی
مسلماں ایک ہیں اس واسطے غم ایک ہے اُن کا | حقیقت کس لئے اب تک نہیں تم نے یہ پہچانی
لگایا رُوس نے پہلوے مسلم میں وہاں چھرکا | یہاں لائی ہے رنگ اس زخم کی خونابہ افشانی
ضعیفوں پر نہیں جو رحم کرتا، برملا سُن لے | یہ نکتہ جس میں مضمر ہیں حقیقت ایک یزدانی

عجب ناداں ہیں جن کو ہے عجب تاج سلطانی
فلک بال ہما کو پل میں بخشے ہے مگس رانی

۱۹۱۲ء

زمیندار کی ضبطی ضمانت

ہے کھٹکتا نگہِ برق میں خرمن میرا — خواب یہ ہے مگر اب دیکھئے اس کی تعبیر

حوصلے قیس کی دیوانہ سری کے نکلے — نغمہ گوش ہے لیلیٰ کو صدائے زنجیر

آج ہے ناز مجھے اپنی گنہگاری پر — میں کہاں ورنہ کہاں اُن کا خیالِ تعزیر

میں جو وابستۂ فتراک ہُوا خوب ہُوا — اے خوشا بخت جو کہلاؤں تمہارا نخچیر

کٹ دیئے قلب کے ٹکڑے یہ کرم تھا اُن کا — اشکِ خوں تھم نہ سکا تھی یہ ہماری تقصیر

فایدہ اس سے اگر ضبطِ ضمانت کرلی
کاش بتلاتے مجھے ضبطِ فغاں کی تدبیر

---

۲۵ ستمبر ۱۹۱۳ء

سنّتِ حسینؓ

قتلِ احمد گل قافلہ سالارِ مہاجرین

فضائے قدس کے اندر مچا ہوا ہے یہ غل
خدا کی راہ میں مارا گیا ہے احمد گل

ہے اس کے خون کی قیمت تمام ارضِ فرنگ
اور اس کی جان کا فدیہ ہے کائنات یہ کل

یہ خون وہ ہے جس سے سُرخرو اسلام
یہ جان وہ ہے جو ہے یادگارِ ختمِ رسل

شہید ہو کے وہ فردوس کو چلا جس وقت
تو لائے اس کی سواری کو مرتضےٰ دلدل

یہ اُس کے قتل کی تاریخ زد کے ہاتف نے
کہی کہ آج ہوا ہے چراغِ احمد گُل

۱۴ جولائی سنہ ۱۹۲۰ء

فتنۂ چکنور

شورِ بازار کی آفت نہ ٹلی تھی سر سے | کہ بپا غلغلۂ فتنۂ چکنور ہُوا

آن پہنچے علما کفر کے فتوے لے کر | دین سراپردۂ اوہام میں مستور ہُوا

قلم رحم گھسا جیب زِ زباں تا بہ بناں | تیغۂ عدل چمک اٹھنے پہ مجبور ہُوا

یاد آنے لگی پوتے کو روش دادا کی | سخت گیری سے جو آفاق میں مشہور ہُوا

پڑ گیا گنبدِ افلاک میں قندہار کا غل | خاور و باختر اس شور سے معمور ہُوا

چند ہی دن میں یہ دن لوگے کہ ملّاؤں کے ساتھ | کفرِ کابل کی مضافات سے کافور ہُوا

لوٹ ہی جائے گا طاغوت کی ٹولی کا طلسم
غلبۂ حق اگر اللہ کو منظور ہُوا

---

۲۳ مارچ ۱۹۲۹ء

عہدنامہ سیوری

قدیم وضع پہ اندازۂ جہاں نہ رہا ... مکیں رہے مگر اُن کا کہیں مکاں نہ رہا

زمیں پاؤں تلے سے نکلی جاتی ہے ... سروں پہ سایہ فگن تھا جو آسماں نہ رہا

ہوا ایسی یکایک چلی زمانے میں ... کہ جس کے ہم تھے عنادل وہ گلستاں نہ رہا

وہ رونقیں نظر آتی نہیں خیاباں پہ ... فضا وہ پہلی سی اگلا سا وہ سماں نہ رہا

وہ بوئے نسترن و یاسمین و گل نہ رہی ... وہ رنگ لالہ و نسرین و ارغواں نہ رہا

خموش ہے چمنستاں کہ شاخساروں میں ... خروش نالۂ مرغانِ صبح خواں نہ رہا

یہ کہہ رہے ہیں نصاریٰ کہ آج دنیا میں ... کہیں بھی سطوتِ اسلام کا نشاں نہ رہا

بچا حرم بھی نہ صید افگنوں کے ہاتھوں سے ... سلامت ایک بھی طائر کا آشیاں نہ رہا

بھٹک رہے ہیں اندھیرے میں قافلے والے ... کہ رہبری کے لئے میرِ کارواں نہ رہا

دلِ شکستہ کو امید عافیت نہ رہی ... زبانِ بستہ کو یارائے الاماں نہ رہا

کبھی زمانہ میں ڈالا تھا غلغلہ جس نے ... وہ نام زینتِ عنوانِ داستاں نہ رہا

زوالِ دولتِ عثماں پہ خوش نہ کیوں ہو رقیب ... کہ اک حجاب جو حائل تھا درمیاں نہ رہا

ہزار سال وہ سر پھوڑتا رہا جس سے — ہزار حیف وہی سنگِ آستاں نہ رہا

گلہ ہے بخت کی نیرنگیوں سے لاحاصل — عبث ہے شکوہ کہ گنبد پہ گردگاں نہ رہا

گئی جو حاتم جم ہاتھ سے تو غم کیا — خدا تو سر پہ رہا گر خدائیگاں نہ رہا

فلک نے بادہ کشوں کا الٹ دیا ساغر — تو کیا حجاز کا ساقی بھی مہرباں نہ رہا ؟

بیا کہ قاعدۂ آسماں بگردانیم

قضا بگردشِ رطلِ گراں بگردانیم

انتخابِ جداگانہ

یہ نظم ۱۹۲۶ء میں لکھی لیکن ۱۹۳۳ء میں [illegible]

مذہب کی شرط کیا ہے مسلمان کیلئے — جس کے نہ ماننے سے وہ ہے موردِ عذاب

ایمان غیب پر ہو مگر پختگی کے ساتھ — تھا اس سوال کا یہی قرآں میں جواب

اعلان کر رہے ہیں مگر مفتیانِ ہند — اس باب میں ہے نسخ خود اللہ کی کتاب

ان محرمانِ سرِ ازل کے خیال میں — اسلام کی ہے شرط جداگانہ انتخاب

یہ شرط اٹھ گئی تو بس اسلام مٹ گیا — ہندوستاں میں خانۂ ملت ہوا خراب

ہندو سے لے لیا اگر اسلامیوں نے ووٹ
تھامے ہوئے چلیں گے وہ الحاد کی رکاب

کافر ہی کا فرائیں گے اس ملک میں نظر
وہ ہوں گے اور اُن کے ستم ہائے بے حساب

فطرت میں جو ہیں شیر وہ بن جائیں گے شغال
اے ربِ کعبہ کیا ہے نرالا یہ انقلاب

کیوں ڈرنے لگ گئے ہیں بتوں سے خدا پرست
عصفور سے لرزنے لگا کس لئے عقاب

باطل کی کیا مجال کہ زک حق کو دے سکے
لائی ہے رات بھی کبھی نورِ سحر کی تاب

مخلوط انتخاب کو منظور تو کرو
ہوتے ہی رائج اس کے سب اٹھ جائیں گے حجاب

تم ظلمتوں کے وہم سے ہو پیچ و تاب میں
اور سامنے ہے حق کا درخشندہ آفتاب

---

۱۱ اکتوبر ۱۹۳۸ء

زمین اکبر

پکالیں پیس کر دو روٹیاں تھوڑے سے جو لانا
ہماری کیا ہے اے بھائی نہ مسٹر ہیں نہ مولانا

زمیں سنگلاخ اکبر نے کیسی منتخب کی ہے
کہ مشکل ہو گیا اس میں قوافی کو بٹھلانا

چلی لندن سے اک آندھی چمن میرا اڑانے کو
غضب ہے اس میں کرزن کا بگولا بن کے بولانا

چڑھا کنٹربری کا پادری تو اپنے منبر پہ
کدھر ہیں آپ مولانا جو تھے بالفضل اولانا

بچھائی آکر اس بت نے جفا کاری کی چپی
اور اس پر ہم سے کہتا ہے وفاداری کی پولانا

بہایا کفر کو جس نے خس و خاشاک کی صورت
اسی دریا کی ہاں لانے ناخدا پھر اک رولانا

حریم مصطفیٰ کے بام و در جس سے فروزاں تھے
ہے اپنے شبستاں میں اُسی مشعل کی ضو لانا

صلاح الدین نے فصل صلیبی جس سے کاٹی تھی
درانتی اس ہلال نو کی ہنگام درو لانا

کہیں ہیں جاہلا کے نعرے سے ہم کو زندہ دل
میرا خون گرم ہے پہلے ہی اب اس کو نہ کھولانا

فریاد

ہر دل میں ہے یہ آرزو ہندوستاں آزاد ہو
یہ گھر جو ہے اجڑا ہوا اک بار پھر آباد ہو

دنیا میں اس کا مرتبہ ہو ساری قوموں سے بڑا
جو بھی ہو اس کا فیصلہ عالم کا اس پہ صاد ہو

سرمایہ داری کا علم ہو ایشیا میں سرنگوں
برباد استعمار ہو، نابود استبداد ہو

یہ لوٹ ابھی چھننے لگے بندش اگر ہو آنکھوں میں
یہ قصر ابھی بننے لگے اسلام اگر بنیاد ہو

کعبے کی ساری آبرو صرف کلیسا ہو گئی
جب دل ہی پہلو میں نہیں پھر لب پہ کیوں فریاد ہو

---

۲۵ اکتوبر ۱۹۲۹ء

بیادِ میراں بخش شہید علیہ الرحمۃ

یہ نغمہ عرش سے گاتا ہوا سروش آیا | کہ تیرے کشتوں کے لئے عہدِ نا و نوش آیا

بقیہ ہے دولتِ اسلام جس سے رنگیں تھی | پھر اک زمانہ کے بعد اُس لہو میں جوش آیا

تمیز و رہبر سما جائیں گے پھر آنکھوں میں | وہ دیکھ لشکرِ احرار سرفروش آیا

سیالکوٹ میں باندھے ہوئے کفن سر سے | نظر ہر ایک مسلماں سرخ پوش آیا

ہزار سلطنتیں صدقے اُس مجاہد کے | عزہ اسکے واسطے جو عاقبت بدوش آیا

یہ کس کے خون کے چھینٹے کرشمہ سنج ہوئے
کہ ایک قرن کے سوئے ہوؤں کو ہوش آیا

---

۱۰ نومبر ۱۹۳۱ء

كَيْفَ تَكْفُرُونَ بِاللَّهِ وَكُنْتُمْ أَمْوَاتًا فَأَحْيَاكُمْ

احیاءِ زمیندار

خوش ہو اے مسلم ہوئی آخر دعا تیری قبول
عرش سے فرمانِ احیاءِ زمیندار آ گیا

قدسیوں کو بھی ہوئی مسرت کہ پیامِ تہنیت
نور کے تڑکے مبارکباد کا تار آ گیا

ملتِ بیضا کی رونق کا نکلتا ہے جلوس
سطوتِ کبریٰ کی شوکت کا علمدار آ گیا

جس کو سچی بات کہنے میں نہیں مطلق ہراس
آج میدانِ صحافت میں وہ اخبار آ گیا

اول اول غلغلہ حق کا کیا جس نے بلند
وہ مساوات اور حریت کا سردار آ گیا

بادۂ یثرب کے خم کے خم دیئے جس نے لنڈھا
آج پھر محفل میں وہ رندِ قدح خوار آ گیا

پھر بہار آئی رسول اللہ کے گلزار میں
فصلِ گل کے ساتھ ہی ساتھ ابرِ آذار آ گیا

باغباں سے گل کو تھے جتنے گلے جاتے رہے
نالۂ بلبل قفس میں تا بہ منقار آ گیا

کوئی رولٹ سے یہ کہہ دے جس سے حضرت تھے خفا
آپ کے نقطوں میں وہ باغی وہ غدار آ گیا

لیکن اس کو کیجئے گا کیا کہ کہتی ہے یہ خلق
قوم کا خادم حکومت کا وفادار آ گیا

دیکھ لی ملت نے اس کے خواب کی تعبیر آج
رشتۂ تسبیح بن کر کام زنار آ گیا

ہند و مسلم کی ہم کیشی کی ساعت آ گئی
کیونکہ خاک کعبۂ دل کا پرستار آ گیا

۲۱ اپریل سنہ ۱۹۳۰ء

نغمۂ نواس

خدا کی شان اک سقے کا بچہ
مقابل ہے محمد زائیوں کے

نہیں دیکھے پٹے کے ہاتھ اس نے
امان اللہ کے شیدائیوں کے

اسے اسلامیوں سے کیا سروکار
جو تکتا دل پہ پہلے عیسائیوں کے

سنے جاتے ہیں کابل میں ترانے
ابھی سے غزنوی شہنائیوں کے

نکل جائیں گے تنکے کی طرح بل
کسی دن کابلی بلوائیوں کے

حریف اس عہد میں پیر اور ملا
ہوئے اللہ کی یکتائیوں کے

ہوا میں ایک دن اڑتے پھریں گے
پہاڑ ان ننھی منی رائیوں کے

جگر میں جس قدر چرکے لگے ہیں
کچوکے ہیں خود اپنے بھائیوں کے

الٰہی ناپنے والے کدھر ہیں — ہمارے زخم کی گہرائیوں کے
سہے کہ جن کی اک دنیا سے ان رشتہ — وہ سر ہیں کچھ نہیں سودائیوں کے

"مدینہ"[1] کی طرح ہم بھی ہیں حقدار
حکومت کی کرم فرمائیوں کے

۲۲ جنوری سنہ ۱۹۲۹ء

تخت یا تختہ

نکہتِ گل کے عوض دوشِ صبا پر اب کی بار — لوٹنے جانِ گلشن میں لائی ہے بہار انقلاب
جھومتے آتے ہیں محفل میں وہ رندِ لم یزل — جن کی آنکھوں سے ٹپکتا ہے خمار انقلاب
وضعِ عالم میں تغیّر کے ہویدا ہیں نشاں — جوش میں ہے جذبۂ بے اختیار انقلاب

---

[1] : مولوی نور الرحمٰن بی۔ اے مدیر مدینہ اس الزام میں گرفتار کیے گئے۔ کہ انہوں نے ۲۸ دسمبر سنہ ۱۹۲۸ء کے مدینہ میں افغانستان کے متعلق ایک قابل اعتراض شذرہ تحریر کیا تھا۔

پھوٹنے والی ہے آزادی کے سورج کی کرن
اٹھ رہا ہے پردۂ شب ہائے تار انقلاب

خیرہ ہو جانے کو ہے بینائی استبداد کی
سر پہ چمکی ہے تیغ آبدار انقلاب

الحذر اے خرمن بیداد مغرب الحذر
پھر مشرق میں رقصاں ہے شرار انقلاب

ہند کے چاک گریباں کا ہے اس میں قصور
پنجۂ یورپ سے ہے خود پیدا ہوا انقلاب

سر بکف میدان میں آ پہنچے جوانان وطن
جن کی قربانی پہ ہے دار و مدار انقلاب

کھیلتے آئے ہیں تل کے وقت ہندو جوا
ان کی یہ فطرت ہے اب ہیں قمار انقلاب

گھر سے نکلے ہیں مسلماں بھی کفن باندھے ہوئے
نعرۂ تکبیر ہے عذاب نار انقلاب

خاک میں مل جائے گا سرمایہ داری کا غرور
کیسی ہے گردش لیل نہار انقلاب

وقت آ پہنچا کہ یا مر جاؤ یا آزاد ہو
تخت یا تختہ ہے حکم تاجدار انقلاب

دستۂ گل

کھلنے کو ہیں پنجاب کے گلشن میں نئے پھول
دینے کو پیام آئی صبا اور ہی کچھ ہے

تکبیر کے نعروں نے بلایا ہے فلک کو
آج آ رہی گنبد سے صدا اور ہی کچھ ہے

پو پھٹنے نہ پائی کہ ہوئی نور کی بارش
لاہور کی گلیوں کی فضا اور ہی کچھ ہے

شوریدہ سری کا تو ہے الزام ہی الزام
اللہ کے بندوں کی سزا اور ہی کچھ ہے

نے تاج کی خواہش نہ تمنا ہے نگیں کی
اسلام کا مقصد بخدا اور ہی کچھ ہے

مغرب میں بھی اچھوں کو برا کہتے ہیں لیکن
اس جرم کی مشرق میں سزا اور ہی کچھ ہے

فرعون نے بچوں کو تہِ تیغ کیا تھا
پر آپ کا اندازِ جفا اور ہی کچھ ہے

مانا کہ ہیں ٹیگور کے اشعار دل آویز
اقبال کے نغموں میں مزا اور ہی کچھ ہے

یہ سچ ہے کہ اٹلی کے حسیں آفتِ جاں ہیں
بنگالہ کے جادو کی ادا اور ہی کچھ ہے

دیتے ہیں قرار آپ نصاریٰ کو اولی الامر
فرمودۂ شاہِ دوسرا اور ہی کچھ ہے

توحید کے پرچم کو جھکانے وہ چلے ہیں
پر فیصلۂ کلکِ قضا اور ہی کچھ ہے

ہم سنتے ہیں کچھ اور ہی راوی کی زباں سے
یاروں نے اٹک پار کہا اور ہی کچھ ہے

رد وہم خدا ہی سے ہے جو زائل بھولوں سے
تنظیم کے پردہ میں چھپا اور ہی کچھ ہے

تلوار کا شکوہ ہے نہ جزیہ کی شکایت
کافر کو مسلماں سے گلا اور ہی کچھ ہے

تم کہتے ہو ہرگز نہیں مرتد کی سزا قتل
ہم نے تو شریعت سے سنا اور ہی کچھ ہے

ان آریہ پرشوں کو خدارا کوئی سمجھائے
منو کی سمرتی کی کتھا اور ہی کچھ ہے

ویدوں کی بیوستھا ہے ادھرمی کو جلادو
آج آپ یہ کہتے ہیں کہ لا اور ہی کچھ ہے

چرخے سے علاج مرض ہند نہ ہوگا
یہ درد وہ ہے جس کی دوا اور ہی کچھ ہے

---

۱۵ مارچ ۱۹۲۵ء

فحش اشتہار

سرکار کے بجٹ میں ہے کس بات کی کمی　　خرمہرہ بھی ہے سیم بھی ہے اور طلا بھی ہے
ابواب جلب زر کے جہاں اور ہیں وہاں　　چکلے بھی ہیں شراب بھی ہے اور جوا بھی ہے
سرکار کے خزانہ میں کچھ حصہ ساتھ ساتھ　　آزادیٔ ضمیر کے جرمانہ کا بھی ہے

"فحش اشتہار" پہلے بھی چھپتے تھے لیکن آج
ان میں ملا مقاطعہ کا فلسفہ بھی ہے

---

۲۴ دسمبر ۱۹۲۷ء

خطاب چہارگانہ

(۱) ملکاؤں سے:-

ترک کر تقلید ابن خلیلؑ اور بت کو توڑ
ماسوا کو چھوڑ رب العالمین سے رشتہ جوڑ

یاد کر بھولا ہوا والرجز فاهجر کا سبق
شرک کی رسموں سے باز آ کفر کی ریتوں کو چھوڑ

اس نبیؐ کا اتمام سے دامن جو ہے ختم رسل
جس کی حرمت ہے دو عالم کی سعادت کا نچوڑ

چشمۂ دین محمدؐ خشک ہو سکتا نہیں
اس کنوئیں سے آ کے پانی بھر جو ہے پاتال توڑ

(۲) مذبذبین سے:-

جا رہا ہے محو و حرم کو ناقۂ منزل شناس!
ساربان پڑ کر تذبذب میں مہار اسکی نہ موڑ

(۳) پرستاران ہرالات سے:-

ووٹ لے کر کونسل میں جا کرسی پہ ڈٹ تقریر کر

(۴) سوامی جی سے:-

یہ چیلنج اسلام کی ہے اس سے گھبراتا ہے کیوں
ہند میں توحید کا جھنڈا نہ ہوگا سرنگوں

اسلام کا بے باک بیڑا

کنبھ کی گنگا جمنی گاگر رنگا رنگی ساگر ہے
ہر ناری کے ننگے بدن پر جس کے تریڑے پڑتے ہیں

جانی کے نازک ہاتھ کے صدقے جس کی حنائی شوخی سے
شیخ کے منہ پر دل کے لبھانے والے تھپیڑے پڑتے ہیں

مولویوں کو نان جویں بھی کعبہ میں ہو کر مل نہ سکی
نائیوں کے حصہ میں ہر [illegible] پوڑی کے پیڑے پڑتے ہیں

سنگٹھن اور شدھی کا جھمیلا یہ نہ سمجھئے ختم ہوا
اور ابھی اس میں دیکھتے رہئے کتنے بکھیڑے پڑتے ہیں

رات ہے کالی دور ہے منزل ساتھ ہی یاروں کو ہے یہ خوف
رستہ میں ڈاکے ڈالنے والے بیسیوں کھیڑے پڑتے ہیں

مطلبی ہمت ہو کہو یا ہاشمی غیرت لشکر ہو!
یثربیوں کے یوں ہی نہیں منجدھار میں بیڑے پڑتے ہیں

۲۹ اپریل ۱۹۲۶ء

اٹک پار

سرزمیں بے آئیں ہو چلی ہے با آئیں
حق نے سر نکالا ہے پردۂ پشاور سے

بولشن سے کب دبتا جذبہ اُس اخوت کا
جو ملا ہی دیتا ہے باختر کو خاور سے

پاس وضع داری کا اُن کو ہے تو ہم کو بھی
داوری مسلماں کی ہے خود اپنے داور سے

صدقہ اپنی رحمت کا ایک گھونٹ مجھ کو بھی
ساقی اپنے ساغر کے دُرد مستی آور سے

جو نہ تیرنا جانے لے اٹک ذرا اُس کو
کیوں الجھ رہا ہے تو سدیوں کے شناور سے

بھاؤ ہو گیا سستا بائیکاٹ کا اتنا
اب یہ مال بکتا ہے مفت بر ساور سے

مغربی سمند اپنی تیزیوں پہ نازاں ہے
شوخیاں ابھی سیکھے مشرقی تگاور سے

حق ہے ہندوؤں کا بھی یہ ہی جیب داماں پہ
لوٹ لیں ابھی جتنے دل اس نچھاور سے

۳۰ نومبر ۱۹۲۹ء

نوید امن

لے کر نوید امن جب اسلام آگیا — آزادیٔ حیات کا پیغام آگیا

زندانِ ہند جس کو ترستے تھے دیر سے — گردش میں پھر وہ روح فزا جام آگیا

سر جان سائمن کو ہمارے خروج میں — اپنے عروج کا نظر انجام آگیا

صیّاد پھانسنے ہمیں آیا تھا جال میں — آتے ہی لیکن آپ تہِ دام آگیا

برطانیہ سے ہم نے موالات ترک کی — تھا پاس ایک حربہ وہی کام آگیا

پیدا ہوئی وطن میں فضا اتحاد کی — ہندوستاں بزمرۂ اقوام آگیا

بھولا جو صبح کا ہو نہ بھولا کہو اُسے
گر اپنے گھر وہ چل کے سرِ شام آگیا

---

۱۸ فروری ۱۹۲۸ء

بھوجن

وہ تہذیب اے ہندو ہو گئی کیا
بجا جس کا ڈنکا تھا دنیا کے اندر

ہوئی کیا وہ دولت کہ شوکت تھی اُس کی
چمکنے میں بجلی گرجنے میں تندر

کدھر چل دیا ہے تمہارا وہ کس بل
بنایا تھا ارجن کو جس نے سکندر

کہاں ہے وہ مشعل کسی وقت جس سے
پڑے جگمگاتے تھے کاشی کے مندر

کدھر گم ہُوا ساغر اس ودیا کا
بہا جس سے تھا معرفت کا سمندر

تمہارا دھرم بن گیا کھیل اب تو
ہنومان بندر ہے اور تم قلندر

جو گیتا ہی چشم بصیرت سے پڑھ لو
تو نورِ خدا دیکھ لو دل کے اندر

حقیقت شناسی کی گر جستجو ہے
سبق تم کو دیں گے سری رام چندر

---

۳۱ اکتوبر ۱۹۱۷ء

ضبطی

زمیندار مورخہ ۱۹ نومبر ۱۹۲۷ء کے تمام پرچوں کی ضبطی پر یہ قطعہ بطور مقالہ افتتاحیہ شائع ہوا تھا۔

دل ضبط زباں ضبط فغاں ضبط قلم ضبط
دنیا میں چھپے ہوں گے یہ ساماں کہیں کم ضبط

آنسو مری آنکھوں کے گئے پہلے ہی سے سوکھ
تھے ورنہ وہ اس فکر میں ان کا بھی ہو نم ضبط

پنجاب میں یوں ضبط ہوا آج "زمیندار"
بنگال میں جس طرح ہوا کرتے ہیں بم ضبط

آزادیٔ اسلام کی ضبطی پہ ہے خوش تو
ہو جائے کہیں یوں ہی نہ تیرا بھی دھرم ضبط

برطانیہ کا شیوہ رہا گر یہی کچھ روز!
سن لو گے عزیزو کہ ہوئے دیر و حرم ضبط

---

۱۹ نومبر ۱۹۲۷ء

بچّہ سقّا کی گرفتاری

درّانیوں کی فوج جو میدان میں ڈٹ گئی
سقّے کی مشک ایک ہی ٹھوکر میں پھٹ گئی

ہوتا ہے پھر بلند امان اللّٰہی علم
چوروں کے سرگروہ کی تقدیر الٹ گئی

خود کوہ دامنی ہی گرے اس پہ ٹوٹ کر
اچھا ہوا کہ جوتیوں میں دال بٹ گئی

ہر وہ بلا جو عرش سے اتری تھی فرش پر
دارالامان کے رہزنوں سے لپٹ گئی

سقّے کا ہاتھ جیب پہ پڑتا تھا تلا ہوا
قسمت بلند تر اب تھی تلوار اچٹ گئی

مانجھا نہ تیز تھا تو نہ آیا تھا کیوں پتنگ
پڑتے ہی ایک پیچ کے جھٹ ڈور کٹ گئی

اسلامیوں کا مرتبہ دنیا میں بڑھ گیا
نصرانیوں کی دہر میں توقیر گھٹ گئی

خوشیوں کی ساعت آ گئی ایامِ غم گئے
نورِ طلوع ہوا رات کٹ گئی

---

۱۰ اکتوبر ۱۹۲۹ء

ناٹال اور ہندوستان

جس جلسہ میں بمقام لندن یہ نظم پڑھی گئی۔ اس میں گاندھی جی جو جنوبی افریقہ سے آگئے تھے اپنی بی بی سمیت موجود تھے۔

سنا ہے درد دل رکھتا ہے اے ہندوستاں تو بھی
جگر کے خوں کو دے سکتا ہے پلکوں کا نشاں تو بھی

جہاں سر پہ اٹھایا بلبلوں نے اپنے نالوں سے
دکھا انداز محشر ہو کے سرگرم فغاں تو بھی

ستم ناٹال میں جو جو تیرے بچوں پہ ٹوٹے ہیں
بہت کچھ سن چکا ہے ان کی رنگیں داستاں تو بھی

مچا رکھا ہے اودھم کیپ کالونی میں گوروں نے
کرا اپنی قوت بازو کا کچھ تو امتحاں تو بھی

دکھا اپنے جگر کا داغ جو شرمائے سورج کو
بنا مغرب کو مشرق اور زمیں کو آسماں تو بھی

جھلس دے سوزِ دل سے ٹیمز کی موجوں کے داماں کو
کہانی اپنی دہرا جو کہ ہے آتش بجاں تو بھی
غلط انداز ہیں صید افگنوں کے بے اماں ناوک
نکال اک تیر ترکش سے کہ رکھتا ہے کماں تو بھی
سنی ہے ہم نے ٹن ٹن پال کے گرجا کے گھنٹے کی
بجا مندر میں سنکھ اور دے مساجد میں اذاں تو بھی
لگا ہے کون سا سرخاب کا پر کیپ والوں میں
قبائے سلطنت وہ ہیں تو ہے تاج جہاں تو بھی
اگر شرمندۂ معنی ذرا بھی ہے شہنشاہی
تو ہے برطانیہ پر ہند کی لازم ہوا خواہی
یہ کیسا دیس ہے جس دیس کے ہم رہنے والے ہیں
گرفتار بلا ہیں اور خطا یہ ہے کہ کالے ہیں
غنیمت تھا قفس میں بال و پر کا پھڑپھڑا لینا
مگر صیاد نے افسوس وہ بھی نوچ ڈالے ہیں
بنی ناداں ہیں یہ گت ہے ہم خانہ بدوشوں کی
نہ چولہا ہے نہ ہنڈیا ہے نہ لڑکے ہیں نہ بالے ہیں

چمکتے ہیں ہمارے داغِ دل اس طرح رہ رہ کر
لپکتے جن اداؤں سے خیابانوں میں لالے ہیں

پڑے تھے پاؤں میں گاندھی کے جو صحرائے غربت میں
ہمارے یہ درخشاں داغ ہائے دل وہ چھالے ہیں

نچائیں گے اسے اک روز بوئر ناچ نگنی کا
یہ انگلستاں نے اپنی آستیں میں سانپ پالے ہیں

وزیرِ ہند ہی سنتے ہیں اونچا کم نصیبی سے
پہنچ سکتے زحل تک ورنہ ہم لوگوں کے نالے ہیں

یہ نو بہ نو تغافل اور یہ پیہم سختیاں کب تک
یہ ظلم آرائیاں تا کے یہ حشر انگیزیاں کب تک

لندن فروری ۱۹۱۴ء

دنیائے توحید پر دنیائے تثلیث کی آفت

ڈالا کسی نے ڈاکہ مارا کسی نے چھاپا ! — رٹتے ہیں نارڈ و لارڈ درسِ جناب پاپا

روتی ہے تجھ کو یورپ افریقیہ کی بیٹیاں — اور تجھ کو پیٹتا ہے ایران کا رنڈاپا

انصاف اور ایماں ہم کو نظر نہ آئے — مغرب کو ہم نے چھانا مشرق کو ہم نے تاپا

گاتے ہیں روس والے ہل کھرچ کی بیں — پیچھے لگے ہیں جو والٹیر نے الاپا

ہر تیر اس کماں کا جوشن گذار ہوگا — لائق تمھیں ہی تھے اسلام کا چھاپا

جو چاہے ورج کرے کیا ڈر ہے پانیر کو — اپنے ہی گھر کی بجلی اپنے ہی سر کا چھاپا

مذہب وفا ہمارا مسلک جفا تمھارا — ہم نے تمھیں سراہا تم نے ہمیں سراپا

ہندوستاں کی قومیں کچھ ہوں کہیں نہ ہیں ہیں — کس دن سے پھیر ان کی آپس میں ہو ملاپا

مسلم اور ہندو ہندوستاں کا زیور
وہ مخلصی سراسر یہ آشتی سراپا

J. Yusuf Kazim

"آفتاب"

بکوریؑ چشم سنسر

مولوی وجاہت حسین صاحب ایڈیٹر "آفتاب" بھی ایک عرصہ تک جناب سنسر کے بیداد وجفا کا تختۂ مشق رہ چکے ہیں۔ آپ کی جو شامت آئی، آپ نے آنرزسر ایڈورڈ میکلیگن کی شان میں ایک بہاریہ قصیدہ لکھا۔ میکلیگن کے ساتھ قافیہ گلشن بھی بندھ گیا تھا۔ نظم جب سنسر صاحب کے پاس پہنچی، تو ان لال بھبکڑ صاحب نے یہ سمجھ کر کہ اس سے سر مائیکل اڈوائر کا باغ خارستان ہوا جاتا ہے۔ بیچارے ایڈیٹر "آفتاب" کی نظم کی اشاعت ہی روک دی۔ میں نے ان سے یہ واقعہ سن کر انہیں کی طرف سے اسے یوں نظم کر ڈالا۔

دل ہو تو ایک اور حکایت نئی سنو	آزادیٔ خیال کے عہدِ عذاب کی
سر مائیکل سے جائزہ جب سے لیا گیا	جس وقت ختم ہو گئی مدت جناب کی
ہم سمجھے آ گئی چمنِ علم میں بہار	چھائی ہوئی تھی جس پہ خزاں انقلاب کی

انجان اللہ

سنہ کے ہاتھ سے ابھی چھوٹا نہ تھا قلم — جس نے ادب کی خوب ہی مٹی خراب کی

پنجاب کی صحافتِ مسکین و کس مپرس — شاکی تھی آپ کے ستمِ بے حساب کی

اک روز میں نے مدح سر ایڈورڈ میں کہی — اک نظم جو ہے جان وفا کی کتاب کی

اس کو بھی کردیا نظری دیکھنے کے ساتھ — کیا بات ہے جناب رقابت مآب کی

گلشن کے ساتھ قافیہ میکلیگن آگیا — سب سے بڑی خطا تھی یہی "آفتاب" کی

ازبسکہ ذلہ خوار تھے عہدِ قدیم کے — مجھ کو دکھائی شان بڑے نے عتاب کی

کہنے لگے کہ لکھ کے قصیدہ یہ آپ نے — "پاپوش میں لگائی کرن آفتاب کی"

سرپیٹ کردیا انھیں میں نے بھی یہ جواب
"جو بات کی خدا کی قسم لاجواب کی"

---

۲۵ اپریل سنہ ۱۹۲۰ء

پردہ داران پردہ در

دین کی شوکت گھٹانا کوئی ہم سے سیکھ جائے
کفر کی عزت بڑھانا کوئی ہم سے سیکھ جائے

دیتے ہیں ترجیح ہم قرآن پہ ژند و اوستا کو
اپنی ہستی کو مٹانا کوئی ہم سے سیکھ جائے

آنریبل[۱] ہو کر اور سرکار سے لیکر خطاب
منہ شریعت کا چڑھانا کوئی ہم سے سیکھ جائے

مغربی لے میں نوا آموزیٔ ابلیس سے
مشرقی پے کا گانا کوئی ہم سے سیکھ جائے

تار و پود اسلام کا ہم نے بکھیرا آپ ہی
اپنے ہاتھوں گھر لٹانا کوئی ہم سے سیکھ جائے

---

۷ جولائی ۱۹۱۲ء

۱؎ مرزا عباس علی بیگ ممبر انڈیا کونسل

تابوت استعمار کی آخری میخ

جس مئے گلرنگ سے سرمست تھے احرار ہند
اور بھی ساقی کے جادو سے نشیلی ہو گئی

پیچ گاندھی کی لنگوٹی کا چلے تھے کھولنے
کشمکش میں اپنی ہی پتلون ڈھیلی ہو گئی

تھی کمی جس میخ کی تابوت استعمار میں
ہم مسلمانوں کی ضربوں سے نکیلی ہو گئی

گھٹ گیا سونے کا نرخ اور بڑھ گیا چاندی کا بھاؤ
گوری گوری ان کی رنگت آج پیلی ہو گئی

میرے مینا میں چھلکتا ہے مزاج زنجبیل
اور میرے ساغر کی فطرت سلسبیلی ہو گئی

جب اڑا لی رتّل القرآن ترتیلا کی تان
جبرئیلی ساز خاگت بھی سُریلی ہو گئی

قافیہ تنگ اور زمیں سخت اس فضا میں بھی یہ نظم
میرے خامہ کی زباں پہ تھی سُریلی ہو گئی

---

۱۲ ستمبر ۱۹۳۱ء

مارشل لا

حکومت جن دنوں پنجاب میں تھی مارشل لا کی
تو قابلِ دید کیسے تھی اوڈوائر کی غضب ناکی

جب امرتسر میں ہم پر گولیاں برسیں تو ہم سمجھے
کہ بوندیں ہیں یہ اہلِ ہند کے خونِ تمنا کی

خدا کے قہر کی بجلی گرا کرتی ہے ظالم پر
مگر پنجاب میں اس سبق کے مظلوم تھے نشا کی

مساوات اسکو کہتے ہیں کہ مشقِ قطعِ اعضا میں
نہ بوڑھوں ہی کو دیکھا اور نہ بچوں ہی کی پروا کی

جنابِ اوڈوائر کی بم اندازی کے کیا کہنے
ثریٰ کے لینے والے سیر کرتے تھے ثریا کی

ہمارے بازوؤں کی دھجیاں اڑتی تھیں گردوں تک
ہماری ٹانگ کے تسمے خبر لاتے تھے جوزا کی

یہ صورت تھی ہماری خواہ مسلم خواہ ہندو تھے
یہ حالت تھی جنابِ جارج پنجم کی رعایا کی

۲۷ مئی سنہ ۲۰ء

کنار اٹک پر رندانِ لم یزل کی سرمستیاں

اس نظم میں متعدد تلمیحات ہیں گل مست سے گل مست خاں ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس اور بلبل سے محمد حسین خاں انسپکٹر مراد ہیں جو راقم الحروف اور سید عطاء اللہ شاہ بخاری کو اٹک پار اتر کر صوبہ سرحد میں داخل ہونے سے روکنے کے لئے منجانب حکومت سرحد مامور ہوئے تھے اور جب تک ہم لوگوں کا اٹک کے اس پار دریا خاں میں رہا یہاں اہل ڈیرہ اسمٰعیل خاں جلسہ میں شرکت کیلئے آ گئے تھے۔ یہ دونوں افسران پولیس اپنے فرائض نگرانی انجام دیتے رہے۔ نواب سیف اللہ خاں ڈیرہ اسمٰعیل خاں کے رئیس اعظم ہیں اور مولوی احمد اس علاقہ کے مشہور مکفر مولوی ہیں جنہوں نے شاہ امان اللہ خاں غازی کے خلاف کفر کا فتویٰ دیا تھا۔ جان بل سے مراد یہاں سر نارمن بولٹن ہیں جو جان بل کے سرحدی نمائندے ہیں اور جنہیں یہ شرف حاصل ہے کہ جس کی چاہیں دستار فضیلت چھین لیں اور جسے چاہیں عالم بنا دیں۔

اٹک کی موج کی سرگوشیاں دیکھ — ہیں دریا خاں میں بلبل مست و گل مست
چڑھا ہے نشہ سیف اللہ خاں کو — ظفر مست و بخاری مست و گل مست

رہے اک مولوی احمد سو اُن کو — کرے گا قلقلِ مینائے مُل مست
نچائیں گے اُسی تگنی کا ہم ناچ — کرے رقص ہو کر حبابِ مُل مست
ہلا دیں گے مسیحیت کی بنیاد — اگر اِس بات پر جائیں گے مُل مست

"الٰہی خانہ انگریز گرجا"
مچائیں گے لبِ دریا یہ غُل مست

---

۱۰ دسمبر ۱۹۲۹ء

قسمت

ہند میں بستا ہوا تیمور کا گھر لُٹ گیا — چھین لی انگریز نے دِلّی چلو چھٹی ہوئی
مُلک کی پھوٹی ہوئی قسمت کو اب کیا روئیے — ایک ٹھوکر میں پھٹی تِلّی چلو چھٹی ہوئی!

نوشتۂ تقدیر

بھگت سنگھ، راج گرو اور سکھدیو کے حوالہ رسن و دار ہونے پر

توانائوں کے بس میں ہے سراپائے حقارت ہے
کروڑوں ناتوانوں کی تمناؤں کو ٹھکرانا

دبا دینا کسی مظلوم کی آہوں کو سینے میں
کسی بیکس کو ساری عمر آنسو خوں کے رلوانا

ہے جن کے دل میں آزادی کی دھن ان نوجوانوں کو
وطن کے عشق کی پاداش میں سولی پہ لٹکانا

بہا دینا کسی کی راکھ کو ستلج کی موجوں میں
کسی کی لاش اٹک کے پار خاک و خوں میں تڑپانا

ملوکیت پرستوں کیلئے یہ سب کچھ آساں ہے
مگر دشوار ہے قانون فطرت کا بدل جانا

زوال اس سلطنت کا ٹل نہیں سکتا ہے ٹالے سے
خود اپنی ہی رعایا سے پڑا ہے جس کو ٹکرانا

مکافات عمل سے گر وہ غافل ہیں تو بیشک ہوں
ہمارا کام تھا نیک اور بد کا ان کو سمجھانا!

---

۲۵ مارچ ۱۹۳۱ء

فرشتہ و حیوان

آدمی زادہ طرفہ معجون است — از فرشتہ سرشتہ واز حیوان
گر کند میل ایں شود بہ ازیں — ور کند میل آں شود کم ازاں"

چو مسلم علم دین وزید "فخر الدین رازی" شد — سپے چوں در عمل کوشید "امان اللہ غازی" شد
گہے "طلعت" شد و بر خاک و خوں غلطید در برلن — گہے در نیل "چو نادر خاں" "علم در یکہ تازی شد
بچنگ ملت بیضا گہے زد نغمہ چوں "طرزی" — نوا پیرا بہ بزم اندر بآہنگ حجازی شد
سمرنا را چو یک ملک او آصف جاہ ہشتم گشت — نوالش رشتۂ اسلام را وجہ درازی شد
چو از یزداں دلش بگرفت با طاغوتیاں پیوست
گذشت از خویش و فیصل گشت و انگلیس مجازی شد

---

۵ اکتوبر ۱۹۳۰ء

ارمغانِ عید

اس آبِ سرخ کا ساقی اِدھر بھی ایک کنٹر لا
لنڈھا کر جس کے خم کے خم ہوئے سرشار بونر لا

سمرنا کی مئے گلرنگ اگر تیزی میں کچھ کم ہو
حرم میں جا کے یورپ کے لئے خونِ کبوتر لا

مے آشامانِ مغرب کو اگر ساغر کی حاجت ہے
کسی مسلم کا مٹی میں ملا اک کاسۂ سر لا

مری آغوش میں آئے تو اس بت سے سمجھ لوں میں
کسی حیلے سے اس کو گھیر کر اک شب مرے گھر لا

حریفوں کو مٹا جس طرح وہ ہم کو مٹاتے ہیں
بحقِ مصطفےٰ یارب مرادِ اسلام کی بر لا

مجھے بچوں کو عیدی جا کے دینی ہوگی کابل میں
جگر سے مانگ کر کچھ لعل و گوہر دیدۂ تر لا

مرے اشعار لکھنے چاہئیں سونے کے پانی سے
اگر سونا نہیں ملتا کم از کم کاغذِ زر لا

---

۲۹ جون سنہ ۱۹۲۰ء

از دیباچہ سیرِ ظلمات

خواستم گفتن از اعجازِ بیانم سرّے — منکہ صد نقش بہ یک پردہ ہویدا کردم

رہنمونم خضرے گشت کہ از تائیدش — در ظلمات بہ مضمونِ قلم وا کردم

آمد از جانبِ لندن چو عروسی معنے — من زپیرایۂ دلہیش محلّا کردم

گیسوئے خامۂ من مشک فشاں گشت ہمی — رشکِ صد تبّت و تاتار و اروپا کردم

آمدم از درِ تہذیب و تمدّن گاہے — گہ تماشائے کہ و وادی و صحرا کردم

پردہ بر داشتم از چہرۂ فطرت گاہے — قوّتِ واہمہ را گاہ تجسّسی کردم

کاشتم سنبلِ حسرت بہ زمینِ انشا
کشتِ خودرو کشِ گلگشتِ مصلّا کردم

جون سنہ ۱۹۰۰ء

"زمیندار" کے شہید نمبر اسلام نمبر اور کشمیر نمبر کی ضبطی

دل ضبط جگر ضبط زباں ضبط فغاں ضبط	سب سازِ عیاں ضبط ہے سب سوزِ نہاں ضبط
مظلوم کو فریاد بھی کرنے نہیں دیتے	ڈر ہے کہ نہ ہو جائے یہ سب امن و اماں ضبط
اٹھتی ہے جو سینے سے تو ہو جاتی ہے آہ ضبط	آئے جو دہن پر وہیں ہوتا ہے گماں ضبط
روکیں گے وہ کیونکر مرے مضمون کی روانی	تنکے سے بھی ہوتا ہے کہیں سیلِ رواں ضبط
وہ ضبط کریں میری دوات اور قلم کو	ہو جائیں گے خود ان کے تفنگ اور سناں ضبط

تم ضبط "زمیندار" کے نمبر نہیں کرتے
کرتے ہو حقیقت میں محمدؐ کا نشاں ضبط

---

۱۰ دسمبر ۱۹۳۰ء

نوید امن

دہلی سے نوید امن کی لائی ہے صبا آج — ہوتا ہے وطن قید مصیبت سے رہا آج
مضبوط ہوا عدل و مساوات کا رشتہ — اور قطع ہوا سلسلۂ جور و جفا آج
ہے ناؤ حکومت کی مظالم کی بھنور میں — بیڑا یہ تباہی کے قریب آن لگا آج
چرچل کی خرافات کے بکھرے ہوئے پرزے — اک پل میں اڑا لے گئی دہلی کی ہوا آج
بیدار ہوئی ہند کی سوئی ہوئی تقدیر — کیوں مرتبہ مشرق کا نہ ہو کل سے سوا آج
مظلوم کی فریاد کو بخشی گئی تاثیر — اور عرش سے لے آئی اجابت کو دعا آج
برسائے گی پھر دولت و اقبال کے موتی — اٹھی ہے پھر اللہ کی رحمت کی گھٹا آج
رندوں کے لیے بادے سے لبریز ہے ساغر — ہر جرعہ ہے اس بادہ کا اندوہ ربا آج
ہر شہر کے ہر کوچہ میں ہے آج چراغاں — ہر قریہ کے ہر گھر میں جلا گھی کا دیا آج
گاڑا تھا جسے قوم نے آزادی کے کنارے — گردوں سے بھی اونچا وہ علم اڑ کے ہوا آج

آزاد کرے ساری خدائی کو اب اللہ
اس عہد کی تجدید کریں ما دستمان

۱۰ مارچ سنہ ۱۹۳۱ء

قانون انتقال اراضی

قانون انتقال اراضی سے آج کل
بے حد خفا ہیں صوبۂ پنجاب کے ہنود

ان کو یہ شکوہ ہے کہ جب اس ملک کے لئے
ہر طرح سے مفید ہمارا بھی ہے وجود

دن رات اگل رہی ہیں ہماری ہی تھیلیاں
سرکار کے خزانہ میں ہیں جس قدر نقود

پھر کیوں ہمیں خریدنے دیتے نہیں زمیں
کیوں ہو گئے حقوق ہمارے ہی غتربود

آزاد کیوں ہے بیع و شری میں کسان ہی
کل کائنات جس کی ہے افلاس کا نمود

انصاف مقتضی ہے کہ اٹھ جائیں یک قلم
اس سلسلہ میں جتنی ہیں قانون کی قیود

ہر طرح سے بجا ہیں یہ سب ہی شکایتیں
بے شک زمیں کی ملک کے حقدار ہیں ہنود

لیکن یہ شرط ہے کہ زمیندار کی طرح
خود ہل چلائیں اور غریبوں سے لیں نہ سود

---

۱۷ دسمبر ۱۹۳۱ء

سائمن کمیشن کی نوازشات کا تجربہ

کمیشن سے تعاون کرنیوالے یہ تو فرمائیں — کہ آخر اس خوشامد کا صلہ اُن کو وہ کیا دے گا
نئی عزت ملے گی کون سی ان کاسہ لیسوں کو — وہ کس سرخاب کے پر ان کی ٹوپی میں لگا دے گا
وفا کی ناک رگڑیں گے اگر یہ اسکی چوکھٹ پر — تو کیا وہ بیڑیاں ان کی غلامی کی بڑھا دے گا
مسلماں گر اقلیت میں ہیں مدراس کے اندر — تو کیا وہ ہندوؤں کی اکثریت کو گھٹا دے گا
تناسب ہندوؤں کا کشور پنجاب میں کم ہے — تو کیا اسلام کی خاطر وہ مندر ان کے ڈھا دے گا
یہ سچ ہے سر بنیں گے کچھ نہ کچھ ان سے موالاتی — کسی کو سر کرا دے گا کسی کو جج بنا دے گا
مگر یہ وہ چچوڑی ہڈیاں ہیں خوان مغرب کی — جنہیں وہ پھینک کر مشرق کے کتوں کو لڑا دیگا
مسلمانو اب تو ناموس وطن اس وقت خطرے میں — بچا لوگے جو تم اس کو خدا تم کو جزا دے گا
اگر ٹھکرا دیا تم نے کمیشن کو تو سن لینا — تمہارے نام کا ہندوستاں ڈنکا بجا دیگا

تعاون کر کے انگریزوں سے اب تک کیا لیا تم نے
نہ سمجھے ہو تو سمجھو اب، تم کو جو دے گا خدا دے گا

۱۷ دسمبر ۱۹۲۷ء

دو سائے

کبھی ہندوستاں میں بھی صلیب تاج رنگیں ہوگا
سنیں گے لارڈ برکن ہیڈ ہماری بھی کبھی دھمکی

بدل دے گا الٰہ العلمین ذلت کو عزت سے
ذلیل اس طرح رہ سکتی نہیں اولاد آدم کی

علم احرار کا لہرائے گا مینار دہلی پہ
صف استبداد کے حلقوں میں بچھ جائیگی ماتم کی

یکایک خیرہ ہوں گی دیدۂ استعمار کی آنکھیں
ہماری تیغ جوہر دار عریاں ہو کے جب چمکی

کہاں تک اس کے آگے بند باندھو گے غلامی کا
روانی رک نہیں سکتی ہے آزادی کے قلزم کی

خوشامد ہو نہیں سکتی محمدؐ کے غلاموں سے
ان ابن اللعینوں کی جو ہیں امت میں مریم کی

ہمارے سر پہ دو سائے ہیں، ایک اللہ کا سایہ
اور ایک اس ذات اقدس کا جو رحمت ہے دو عالم کی

---

۲۵ فروری سنہ ۲۸ء

پیام آزادی

کھول آنکھ اور دیکھ مقدر کا بند و بست | ہیں آج زیر دست جو کل تھے دراز دست
حق سر فگندہ تھا مگر اب سر بلند ہے | باطل جو تھا بلند نظر آ رہا ہے پست
سر جان سائمن کے پجاری ہوئے ذلیل | کھائی اسمبلی میں گورمنٹ نے شکست
خم خانۂ فرنگ کے رسیا کدھر گئے | محفل پہ چھائے جاتے ہیں مشرق کے مے پرست
جو ہوشیار ہیں انہیں مستی کی دے نوید | اے جرعہ نوش بادۂ خم خانۂ الست
ہندوستاں غلام ہے آزاد کرا اسے | تلقین کر رہا ہے یہی ہر وطن پرست

ہیں مالوی بھی میرے شریک اس پیام میں
"از یک چراغ کعبہ و بت خانہ روشن است"

---

۲۲ فروری ۱۹۲۸ء

مہاتما گاندھی کا ترانہ

کبھی اپنی آتما سے نہ میں دشمنی کروں گا
نہ بسوں گا جا کے بن میں نہ میں خودکشی کروں گا

مجھے ایسی کیا پڑی ہے کہ ہمالیہ کو جاؤں
یہیں گھر میں بیٹھے بیٹھے میں ہری ہری کروں گا

یہ فرنگیوں سے کہہ دو کہ میں ہوں دھرم کی مورت
جو کریں گے وہ عداوت تو میں آشتی کروں گا

ہے مرا دھرم اہنسا ہے اسی میں سب کی مکتی
مرے پاس ہے جو ہنڈی اسے درشنی کروں گا

مرے من کی جھلملی میں نئی جوت کی جھلک ہے
نہ ٹھہر سکیں گی آنکھیں میں وہ روشنی کروں گا

کوئی دن میں سبز ہوگا وہ چمن جو جل رہا ہے
میں ان اپنے آنسوؤں سے وہ فسوں گری کروں گا

پُرانی شراب نئی بوتل میں

مسٹر ریمزے میکڈانلڈ رہنمائے حزب العمال کا دورِ حکومت

پہلا دور

کس مپرسی کے دنوں میں تو ہمارے نئے صدر — کرتے رہتے تھے بہت دعوائے غمخواریٔ ہند

کہتے رہتے تھے کہ عمال کا ہوتے ہی عروج — ختم ہو جائیں گے ایام نگوں ساریٔ ہند

بے سبب ہم سے نہ تھی آپکی یہ ہمدردی — آپ بے وجہ نہ کرتے تھے طرفداریٔ ہند

آپ واقف تھے اُن اسباب سے جن کے باعث — بڑھتی جاتی تھی ہر انگریز سے بیزاریٔ ہند

ہم تو کیا چیز ہیں خود آپ کی یہ حالت تھی — کہ نہ ضبطی سے بچی آپ کی "بیداریٔ ہند"

آپ کو اچھی طرح تھی یہ حقیقت معلوم — کہ گرفتاریٔ گاندھی ہے گرفتاریٔ ہند

اب جو ہاتھ آپکے آئی ہے حکومت کی عنان — تو اس انداز سے فرماتے ہیں دلداریٔ ہند

کہ "نہ چھوڑی روشِ ترکِ موالات اس نے — تو یہ مشکل ہے کہ آسان ہو دشواریٔ ہند"

"اچھی" ہے سلف گورمنٹ کی خواہش لیکن — ہونے پائے متزلزل نہ وفاداریٔ ہند"

"کوئی انگریز نہ سمجھے یہ کہ ہوگا مرعوب — اس سے ہلکی کبھی ہوگی نہ گرانباریٔ ہند"

ہے یہ وہ قوم جو کل تک ہماری دمساز — آج کرتی ہے مگر وعظ غلط کاریٔ ہند

دل نوازی میں یہی لوگ تھے کل تک مشہور — آج کرتے ہیں جو اس طرح دل آزاریٔ ہند

تہنیت کے اگر اس پر بھی انہیں جائیں سلام — متقاضی ہے کب اس بات کی خودداریٔ ہند

دوسرا دور

اس میں ہیرو ہو کہ لبرل ہوں کہ کنسرویٹو — سب کا مقصود ہے ایک اور وہ ہے خواریٔ ہند

باہمی جنگ کا ہے سلسلہ قائم جب تک — علم انگریز کا ہے اور عملداریٔ ہند

ڈیڑھ سو سال کے ہاتھ اور گریباں ہیں گواہ — آسکا کام نہ زور و نہ زر و زاریٔ ہند

جب تک اپنے ہی مسیحا نہ معالج ہوں گے
نہیں ممکن کہ کبھی دور ہو بیماریٔ ہند

---

۷ جون ۱۹۳۱ء

واپسی برار

کبھی تھے سب سے آگے جرمنی جن کے حریفوں میں
دکن اس وقت تک ہے ان کے یار بھی حلیفوں میں

نظام الملک آصف جاہ اگر ہمت نہ فرماتے
قوی جن کے ہیں بازو جا ملے ہوتے ضعیفوں میں

مگر یا للعجب جب ساعت آئی حق شناسی کی
ہوا عنقا بنا منت گذاری کے صحیفوں میں

یکایک ہز مجسٹی بن گئے نیپال کے راجہ
اور اس پر تھیلیاں بھی دی گئیں انکو وظیفوں میں

نظام اپنا فقط حق مانگتے ہیں حق نوازوں سے
جزا احسان کی احسان ہوتی ہے شریفوں میں

برار اب بھی نہ واپس ہو تو ہم سمجھیں تو کیا سمجھیں
یہ نکتہ آپ کو ہم نے سجھایا ہی لطیفوں میں

---

۹ فروری سنہ۲۰ء

گاندھی اور مالوی

ادھر گاندھی ہمیں تلقین کرتے ہیں اہنسا کی
کہ مضمر ہے نجات اس مسئلہ میں ساری دنیا کی

وہ اُنسا کی طرح گر شعلہ افشاں ہوں تو جلنے دو
مگر تم پیروی چھوڑو نہ خاموشی میں گنگا کی

تشدد ہو تو دو ان کو تحمل سے جواب اس کا
کہ ہیبت یوں ہی زائل ہو سکے گی مارشل لا کی

اسی حربہ سے الٹا تھا مسیحیت نے روما کو
چلن سیزر کا چھوڑو عادتیں سیکھو مسیحا کی

ادھر سنگم سے اٹھ کر مالوی اُپدیش دیتے ہیں
کہ مٹ جائے گی جاتی گر نہ عامل ہو گی گیتا کی

ابھی تک نسل بابر حکمراں اس دیس پہ ہوتی
اہنسا ہی کے بل پہ زندگی کٹتی جو سانگا کی

تم اک چانٹے کے بدلے چار چانٹوں کا کرو ساماں
یہی تہذیب ہے در اصل کاشی اور متھرا کی

کمر میں گو پیاں پستول گھر سے باندھ کر نکلیں
تو اندر لوک میں خوش آتما ہو گی کنھیا کی

اگر ہتھیار بے لیسنس مل سکتے نہیں تم کو
تو کر سکتے ہو اینٹوں سے مدارات اپنے اعدا کی

ہر اک چھوٹا بڑا اس سن کے یہ باتیں ہے دبدھا میں
عجب اس وقت حالت ہو رہی ہے پیر و برنا کی

مقلد مالوی جی کے ہوں یا پیرو ہوں گاندھی کے
سراسر آتشی بن جائیں یا ہوں سر بسر خاکی

پٹیل کا پیغام

دے رہا ہے ہمیں زنداں سے یہ پیغام پٹیل
منزل آزادیٔ کامل کی ہے اِس عہد میں جیل

آئے دن اپنوں میں ہوتی جو نہ دانتا کل کل
ہونے پاتے نہ وہ اِس طرح پرایوں کے دبیل

جان بل بہمن و شیخ سے ہے برسرِ جنگ
ایک ہوتا تو پھر ان دونوں میں ہوتا کب میل

سر ہتھیلی پہ لیے جب نکل آیا پنجاب
تو یہ سمجھو کہ منڈھے چڑھ گئی اِس دیس کی بیل

پھیلتی جاتی ہے گاندھی کی لگائی ہوئی آگ
کوئی اردن سے یہ کہہ دو کہ نہ اس آگ سے کھیل

ڈیڑھ سو سال تک انگریز شتربان رہا
اب اس اونٹ کی خود ہاتھ میں تھامیں گے نکیل

جبر اور صبر

جھک گئی سکھوں کے آگے کس طرح سرکار دیکھ
دیکھتے کیونکر ہیں نیچا زبردست آزار دیکھ

ڈوبتی ہے کس طرح منجدھار میں ظالم کی ناؤ
کس طرح ہوتا ہے مظلوموں کا بیڑا پار دیکھ

تو نے چلتے دیکھ لی بات فروشوں کی دکاں
سر فروشوں کی بھی آ گرمیٔ بازار دیکھ

مالوی جی کے پرانے ہتھکنڈے کس کام کے
خالصہ جی کا نرالا شیوۂ پیکار دیکھ

جبر کی تلوار چلتے چلتے آخر گر گئی
صبر کا ہتھیار کام آیا ہے آخر کار دیکھ

اے کہ تھا بالسمع و الطاعت کبھی تیرا شعار
ہو گئے بیزار اس حقیقت کے علم بردار دیکھ

اے کہ تیری وضع کو کچھ ضد سی ہے تغییر سے
الٹ ایام کی بدلی ہوئی رفتار دیکھ

تو نے دیکھے ہیں شہنشاہوں کے درباروں کے ٹھاٹ
اب فقیروں کا بھی جنگل میں لگا دربار دیکھ

کٹ مری سکھوں کی قوم اپنے گرو کے نام پر
تو بھی مسلم اپنی جاں اپنے نبیؐ پہ وار دیکھ

آموختہ ۸۳

کیا حکومت نے چند دن کے لئے جو زنداں میں بند تجھ کو
تو شکرِ حق کر کہ راہِ حق میں پہنچ رہا ہے گزند تجھ کو

جس آزمائش میں پڑنے والے حیاتِ جاوید پا چکے ہیں
اُس امتحان کے لئے کیا ہے ترے خدا نے پسند تجھ کو

جو تجھ کو صیاد چھوڑ دیتا سمجھ کے صیدِ زبوں تو کیا تھا
کشاں کشاں لے گئے حرم تک مگر خود اس کی کمند تجھ کو

حسین کا سر ہے آسماں پر کہ رہ چکا تھا کبھی سناں پر
تو کم سے کم سر بکف تو ہو جا جو سر ہے کرنا بلند تجھ کو

بھرا ہوا زہر کا پیالہ جو آگے آئے تو اس طرح پی
کہ گھول کر دے رہا ہے گویا حریفِ ساغر میں قند تجھ کو

زمیں کو لرزا فلک کو چکرا عرب کو گرما عجم کو تڑپا
ملا ہے فطرت کی ارجمندی سے دل اگر دردمند تجھ کو

وہی ہو انداز بسملی کا جو شیوۂ ترک نیم جاں ہے
اگر کٹانا پڑے محمد کے نام پر بند بند تجھ کو

یہ چند نکتے ہیں اس سبق کے جو تو کئی بار پڑھ چکا ہے
وہی سمجھائی ہوئی حقیقت سمجھاؤں پھر تا بچند تجھ کو

ہنوز دہلی دور است

کشمیر ہے کہیں تو کہیں کان پور ہے
پیدا ہر اک گوشہ سے شور نشور ہے

ہے تار تار پیرہن امن و عافیت
زخموں سے جسم سنگہنی چور چور ہے

زینت ہے اس زمانہ میں نسیاں کے طاق کی
وہ مسلک قویم جو خیر الامور ہے

ہے شیخ کا دماغ توازن سے بے نیاز
اور برہمن کی عقل کے اندر فتور ہے

لگی ہوئی ہیں سر پہ غلامی کی لعنتیں
"ہے سنگٹھن" کہیں تو کہیں "جی حضور" ہے

آپس کی پھوٹ کر کے رہے گی ہمیں تباہ
سمجھیں یہ نکتہ! کب ہمیں اتنا شعور ہے

لندن کی گول میز کو یاروں نے جالیا لیکن یہ قافلہ ابھی دہلی سے دُور ہے
اس وقت تک اگر نہیں آزاد ہو سکا
ہندوستاں! خود یہ تیرا ہی قصور ہے

۲۹ اگست ۱۹۳۱ء

ہندوؤں کی محکومی کے اسباب

لالہ لاجپت رائے کی تاریخ ہند پر نظر

لاجپت رائے نے تاریخ تو لکھی ہے مگر
جس سے روشن ہو ضمیر اس میں وہ تحکیم نہیں
مسئلہ یہ ہے کہ باایں ہمہ عظمت ہندو
کشورِ ہند میں کیوں صاحب دیہیم نہیں
سینکڑوں سال سے اغیار کے ہیں کیوں آج ذلیل
اور دبے ان کی غلامی سے کے جراثیم نہیں
اس تنزل کے علل پر ہے مؤرخ کو عبور
لیکن اصلی جو سبب ہے وہی تسلیم نہیں
ہیں فقط اس لئے اغیار کے محکوم ہنود
کہ انہیں دی گئی توحید کی تعلیم نہیں

آج جھک جائیں اگر ایک خدا کے آگے
سر افلاک جھکے اُن کی ادا کے آگے

خالصہ بھی تو وہی قوم ہے جس کے معبود
کثرت اندوز تھے کاشی کے صنم خانوں سے

ان میں بھی جمع تھے گو سالہ پرستوں کے عیوب
ظلم انسانوں پہ ہوا کرتے تھے حیوانوں سے

کبھی ان کو بھی اچھوتوں سے وہی نفرت تھی
ہندوؤں کو ہے جو ان سوختہ سامانوں سے

ان کی ہر بزم کی رونق بھی بڑھا کرتی تھی
قرن ہا قرن کے اوہام کے افسانوں سے

مگر اک گھونٹ پلایا انہیں جب نانک نے
مانگ کر ساقیٔ یثرب کے خمستانوں سے

تو کرامت وہ نمایاں ہوئی ان کے ہاتھوں
جس کو تھی نسبت تخصیص مسلمانوں سے

آج تم دیکھ رہے ہو کہ ہوئی ہے پیدا
ید بیضا کی چمک ان کے گریبانوں سے

کاٹنے نکلی ہے زنجیر غلامی کی یہ قوم
اپنے ہی خون میں نہائی ہوئی کرپانوں سے

اس طرف تیغ و تفنگ اس طرف اک ذوقِ عمل
جا کے ٹکراتے ہیں درویش جہانبانوں سے

عقل اور عشق کا یہ معرکہ پھر گرم ہوا
جنگ پھر ہوتی ہے دیوانوں فرزانوں سے

شانِ نمرود اُدھر آنِ براہیم ادھر
آتشِ تیز اُدھر شیوۂ تسلیم ادھر

تو بھی اے ہمدم آئینِ براہیمی سیکھ
توڑ دے بت کی جو گردن وہ تبر پیدا کر

اب بنا اپنے لئے کوئی نیا ہی مندر
نئی دیوار کے اندر نئے در پیدا کر

تاکہ ہر وقت ترے گھر کی نگہبانی ہو　　جس کا ہمسایہ ہو اللہ گا وہ گھر پیدا کر
جو ہر انسان کی گردن میں حمائل ہو جائے　　ایسے زنار کی بندش کا ہنر پیدا کر
جو ابد تک نہ مٹے قشقہ جبیں میں وہ لگا　　خاک سے سجدۂ پیہم کا اثر پیدا کر
خود بخود غیر پہ طاری تیری ہیبت ہوگی　　دل میں پہلے مگر اللہ کا ڈر پیدا کر
سلطنت کی ہے تمنا تو موحد بن جا　　خاک اکسیر ہو جس سے وہ نظر پیدا کر

تجھ میں گر علتِ گوسالہ پرستی نہ رہے
یوں حکومت کو تیری قوم ترستی نہ رہے

کلکتہ

کلکتہ کا جو ذکر کیا تو نے ہم نشیں
اک تیر ایسا سینہ میں مارا کہ ہائے ہائے

انگشت رام پور کا پنجاب کی طرف
ہگلی کے گھاٹ پر وہ اشارا کہ ہائے ہائے

عبرت کی آنکھ کھول کے آپس کی پھوٹ کا
دیکھا وہ جانخراش نظارا کہ ہائے ہائے

آزادیٔ وطن کی تڑپ نے ہنود میں
وہ دل نواز جذبہ ابھارا کہ ہائے ہائے

ان میں وہ اتفاق کی طاقت کہ واہ وا
ہم میں وہ اختلاف کا یارا کہ ہائے ہائے

ملت کی آبرو سے علی بھائیوں کی ضد
لانے لگی وہ رنگ خود آرا کہ ہائے ہائے

بنگال کے افق میں کچھ ایسا ہوا غروب
ان دونوں بھائیوں کا ستارا کہ ہائے ہائے

ہندوستاں کے صدر کی عزت کو دیکھ کر
ہر سائمن پرست پکارا کہ ہائے ہائے

---

۲۵ دسمبر ۱۹۲۸ء

ناخن مدراس اور عقدۂ بھوپال

کمند شہ اسلام کے مشرق کے ہر ساحل پہ بکھرے ہیں
قیامت بن گیا تثلیث کے بھونچال کا جھٹکا

یہ سمجھے ہیں کہ چھلکے گی وہی گاگر جو ادھ جل ہو
فرح افزوں ہے نظارہ کاشی جی کے پنگھٹ کا

سما جاتا ہے کلیسا کی پری میری ان آنکھوں میں
مگر دل میں اترنے کو خدارا یوں نہ لٹ چھٹکا

میں اے شیخ طریقت تیرے مکر و فن سے واقف ہوں
تصوف کا بنا کر بھاؤ کولے کو نہ یوں مٹکا

شراب خانہ ساز آئی ہے یثرب کے خمستاں سے
ہے اک حوض کوثر قطرہ قطرہ جس کی تلچھٹ کا

دھمک اس پاؤں کی پھر کان میں پڑنے ہی والی ہے
کنوڑا تھا کبھی شور قیامت جس کی آہٹ کا

وہی تکبیر جو خیبر سے مالا بار تک گونجی
کراچی سے ملایا چاہتی ہے رشتہ سلہٹ کا

کیا مدراس نے حل عقدۂ بھوپال تنگ آ کر
تماشا کب تک آخر دیکھتا آپس کی کھٹ پٹ کا

حیاتِ جاوداں اُس "وقت" کے منصور کا حق ہے
اَنَا الحق کہہ کے جو ہنستا ہوا پھانسی پہ جا لٹکا

۰ جولائی ۱۹۳۱ء

سوراج

ہے کل کی ابھی بات کہ تھے ہند کے سرتاج
دیتے تھے تمہیں آ کے سلاطین زمیں باج

یا رنگ زمانے نے یہ بدلا ہے کہ تم کو
دنیا کی ہر ایک قوم سمجھتی ہے ذلیل آج

داماں نگہ جس کی فضا کے لئے تھا تنگ
وہ باغ ہوا دیکھتے ہی دیکھتے تاراج

محفل میں ضیا ہے نہ ساقی ہے نہ ساغر
گلشن میں نوا ریز نہ بلبل ہے نہ دراج

سوچو ذرا تم کہ تمہارا ہی سفینہ — کیوں ہو گیا بازیچۂ زخّاریٔ امواج

ہر برق جو کوندی ہے گری ہے وہ تمہیں پر — ہر فتنہ جب اٹھتا ہے تمہیں بنتے ہو آماج

جب تک رہے تم دست نگر اپنے خدا کے — ہونے نہ دیا اس نے تمہیں غیر کا محتاج

جس وقت مگر ہاتھ سے سر رشتہ رضا کا — چھوٹا تو نہ تھا تخت نہ تھا تاج

جھک جاؤ گے اب بھی اگر اللہ کے آگے — بن جاؤ گے گر خاک در صاحب معراج

مٹی بھی اٹھا لو گے تو ہو جائے گی سونا — کنکر بھی اٹھا لو گے تو بن جائے گا پکھراج

جو ہو گئے اس کے وہ ہوا ان کا نگہبان — اس کی ہے جنہیں شرم ہے انکی بھی ہے لاج

ترکوں ہی کو دیکھو کہ جب اس پہ ہوئے قرباں — یورپ کی دھری رہ گئی سب کثرت افواج

داتا کی یہ ہے دین رنگ اس کے نیارے — مانگے نہ ملی بھیک نہ مانگا تو ملا راج

اک سجدہ میں حاصل ہوئے جاتے ہیں دو عالم — وہ کیوں نہ کرو بات کہ اک پنتھ ہو دو کاج

رٹ جاؤ مگر حق کو نہ مٹتے ہوئے دیکھو
سیکھو یہ روش گر تمہیں لینا ہے سوراج

کینیا

وہ جو خود غلام بن کے دیئے جاتے ہیں دہائی
کہ سکھائی جا رہی ہے انہیں بندگی پرائی

جنہیں بندشِ زباں کا ہے خطر قدم قدم پہ
بقصورِ رفتہ گویا ہی خطائے لب کشائی

یہ ہے جن کی آج عزت کہ خود اپنے گھر کے اندر
کوئی جلسہ کر جو بیٹھے تو پولیس دوڑ آئی

جنہیں اپنی کونسلوں میں ہے یہ اختیار حاصل
کہ خود اپنے قیدیوں کو نہ دلا سکے رہائی

جنہیں اپنی ہی زمیں پر جنہیں اپنے ہی وطن میں
نہیں مل سکے ہیں اب تک یہ حقوق ابتدائی

کوئی مدعا بھی جن کا نہیں ہو سکا ہے پورا
کوئی آرزو بھی جن کی نہیں آج تک بر آئی

ہے خدا کی شان یہ بھی کہ وہ بت اکڑ اکڑ کر
چلے جا رہے ہیں کینیا کو وہیں کریں خدائی

بحوالہ عراقی کوئی جا کے ان سے پوچھے
"تو دروں در چہ کردی کہ بروں خانہ آئی"

- - - - - - - -

فرمانروائے کشمیر کا اعلان عمومی

فرمانے لگے ہنس کے مہاراجہ ہری سنگھ — جنبش مرے خامہ کی ہے اِس نکتہ کی تفسیر

تقدیر فرنگ اَور ہے تقدیر خدا اور — وہ نقش ہے پانی کا یہ پتھر کی ہے تحریر

تقدیر یہ موخر تو ٹلی ہے نہ ٹلے گی — تقدیر مقدم پہ ہے غالب مری تدبیر

دیں گے وہی کچھ داد مری بانکی کماں کی — جن کے جگر و دل میں ترازو ہے مرا تیر

خوش مجھ سے ہو گر میری مسلمان رعایا
پھر خطۂ اغیار سے آزاد ہے کشمیر

۱۰ اکتوبر ۱۹۳۱ء

جنگِ آزادی میں شامل ہو گیا لاہور بھی!

مرد عورت پہ ہاتھ اٹھاتا نہ تھا اس دیس میں
آج ان آنکھوں سے دیکھا یہ ستم یہ جور بھی

حجرۂ زنداں کی آرائش ہوں خاتونانِ ہند
آ گیا ہندوستاں میں اس جفا کا دور بھی

لاٹھیاں برسیں نہتوں پر تو آ کر جوش میں
چوٹ کی لذت پکار اٹھی کہ ہاں کچھ اور بھی

جبر سہنے کے لیے اور صبر کرنے کیلئے
اس حقیقت پہ کبھی تم نے کیا ہے غور بھی

امن کی تلقین ہیں اور خود تشدد پہ عمل
کیا عجب گر سیکھ جائیں تم سے ہم یہ طور بھی

گرم تھا پنجاب کا خوں کیوں نہ آخر کھولتا
جنگِ آزادی میں شامل ہو گیا لاہور بھی

فانوسِ ہند کا شعلہ

زندہ باش اے انقلاب اے شعلۂ فانوسِ ہند
گرمیاں جس کی حصارِ روح منتقل جاں ہو گئیں

بستیوں پر چھا رہی تھیں موت کی خاموشیاں
تو نے صور اپنا جو پھونکا محشرستاں ہو گئیں

جن بلاؤں سے گھرے رہتے تھے صبح و شام ہم
تیرے آتے ہی وہ انگریزوں کی درباں ہو گئیں

جتنی بوندیں تھیں شہیدانِ وطن کے خون کی
قصرِ آزادی کی آرائش کا ساماں ہو گئیں

مرحبا اے نو گرفتارانِ بیدادِ فرنگ
جن کی زنجیریں خروش افزائے زنداں ہو گئیں

زندگی اُن کی ہے دین اُن کا ہے دنیا اُن کی ہے
جن کی جانیں قوم کی عزت پہ قرباں ہو گئیں

سر عبداللہ ماموں السہروردی کی شان میں

الدین کے چراغ کی لو اور ریمزے میکڈانلڈ کے برقی قمقمہ کی ضو

يُرِيدُونَ لِيُطْفِئُوا نُورَ اللّٰهِ بِأَفْوَاهِهِمْ

خدا نے دولت کونین سب ہم کو — بقدر رحمت خیر البشر دی
الہ آباد میں ملت کی مشعل — حیات نو کے انگاروں سے بھر دی
سکھائی ہم کو آزادی کی ترکیب — بتایا فرق نامردی و مردی
بنایا ہم کو عفو و کل کا نمونہ — ہمیں توفیق شرح خشک و تر دی
یہ سب کچھ قوم کو مل ہی چکا تھا — مگر آئے نہ اس میں سہروردی
اور ان کے ہم وطن پر قضا نے — اجانب کی غلامی ختم کر دی
اتروا کر ہمارے سر سے وہ تاج — رسول اللہ نے جس کی خبر دی

وہ پہنانا ہمیں اب چاہتے ہیں
کسی چرچل کے چپراسی کی وردی

الہ آباد ۲۰ دسمبر ۱۹۳۲ء

اصلی مجرم

وہ اعلان آج میں نے بھی پڑھا جس میں حکومت نے
گنایا ہے رضاکارانِ ملت کے گناہوں کو

خدایانِ فرنگ اس میں یہ فرماتے ہیں جھنجلا کر
کہ ہم دم لیں گے سیدھا کر کے ان گم کردہ راہوں کو

انہوں نے جب سے ٹوپی سر پہ گاندھی کی جما لی ہے
اُسی دن سے نہیں خاطر میں لاتے کج کلاہوں کو

برس پڑتے ہیں جلسوں میں ہمارے جاں نثاروں پر
سُنا دیتے ہیں صلواتیں ہمارے خیر خواہوں کو

پُورے اور پُوری

کبھی میخانے میں پیرِ مغاں کو تنگ کرتے ہیں
ستاتے ہیں کبھی بازار کے حبادو نگاہوں کو

ہوا ہڑتال کا وہ زور اِن کی کوچہ گردی سے
گذرنا ہو گیا شہروں میں مشکل بادشاہوں کو

اگر دو چار ہنر محتسب اِن کو لگاتا ہے
تو پہنچاتے ہیں چوتھے آسماں پر اپنی آہوں کو

کہا اِس پہ یہ میں نے سہے گنہ اک اور بھی اِن کا
سیاہی جس کی شرماتی ہے اِن سارے گناہوں کو

یہ اُن کا جرمِ اصلی ہے کہ ان کی چیرہ دستی سے
چھٹی کا دودھ یاد آیا ہے لندن کے جلاہوں کو

V. Good

فکاہی نظمیں

کاتب عبدالجبار

معبودِ وقت کی پرستش

حکومت کیا کرو گے رے سکے انگریزوں سے نادانو ‏ ‏ بنا مسجدوں کے آگے باجا گانے کو پوچھو

وطن اور اس کی آزادی سے ایسی بھی عداوت کیا ‏ ‏ کر امنگ سے پھر کربلا جیت کی راے کو پوچھو

خدا کا نور مالا بار سے پیدا ہے خیبر تک

جو آنکھیں ہیں تو اس کو ورنہ اس کے سائے کو پوچھو

---

۱۵ نومبر ۱۹۲۷ء

پٹواری

آپ نے اب تک کیوں نہ بڑھایا درماہہ پٹواری کا
قطع نہ ہو جائے کہیں صاحب سلسلہ مال گذاری کا

اسکی بھی آنکھ سے کھل گئی پٹی آپ کی دی ہوئی عزت کی
ہو ہی گیا احساس اُسے بھی اپنی ذلت و خواری کا

کھائیے چاپ اور پیجئے وسکی شوق سے لیکن بندہ نواز
اس کو بھی حصہ دیجئے اس کی ابلی ہوئی ترکاری کا

پیٹ ہے بھوکا جسم ہے ننگا ہونٹ ہیں خشک اور آنکھ ہے تر
پھر یہ شیخ کہیئے گا کہ ہے لاحق اس کو مرض غداری کا

حق طلبی کی آگ لگی ہے شہر میں بھی اور گاؤں میں بھی
کیونکہ گھسیٹا مد مقابل ہو گیا عبدالباری کا

چشم خانم کا جو دیا ہے آپ کو آپ کی دولت نے
ہم کو بھی استحقاق دیا ہے بخت نے شکوہ گذاری کا

سیکھی خاطر باغ میں جا کر آپ نے سیکھا خندۂ گل
آگے سکھا گئی خود ہمیں شبنم مشغلہ گریۂ زاری کا

۲۹ مئی ۱۹۲۰ء

مسجد اور بوٹ

ایک دن پیش امام دہلی سے — ڈرتے ڈرتے کیا یہ میں نے سوال
آپ ہیں نور دیدۂ بزم قبول — آپ ہیں آب و رنگ محفل قال
آپ کو میں نے کھینچتے دیکھا — شرع کے مسئلوں کی بال کی کھال
الذہن شرع سب اگر رخسار — تو ہیں آپ اس کے اک دل آرا خال
پھر یہ کیا بات ہے کہ وہ مسجد — جو ہے کعبہ کا عکس بے تمثال
جس سے قائم ہے محضر پیغمبر — جس پہ نازاں ہے ایزد متعال
جس کے منبر کے آپ ہیں سورج — جس کے محراب کے ہیں آپ ہلال
صبح اور شام بوٹ پہنوں کی — ٹھوکروں سے ہو اس طرح پامال

ہنس کے کہنے لگے یہ مولانا — آپ کیا جانیں اس زمانہ کا حال

ہیں انہیں ٹھوکروں کے صدقے میں — ہو گیا صاحبِ خطاب و منال

حشر تک بوٹ یہ رہیں قائم — اور سلامت رہے یہ ان کی چال

ہیں ہماری سریں اسی قابل

کہ ہو ان کے تلے سے اُن کا وصال

---

۶ ستمبر ۱۹۱۲ء

رابغیات

ریل اور تیل

رابغ میں مسٹر فلبی سے ملاقات ہوئی۔ اُن سے چند باتیں ہوئیں۔ وہ ذیل کے اشعار میں نظم کر دی گئی ہیں :-

اگر نجد میں بھی پہنچ جائے ریل — اور اس سرزمیں سے نکل آئے تیل

تو خوش حال ہو جائے ابن سعود — پھرے کیوں نہ اونٹوں کی قطارِ نکیل
عرب میں بہے جو سے سیم و طلا — ہر اک سمت دولت کی ہو ریل پیل

کہا میں نے سن کر یہ قلبی کا قول — منڈھے چڑھنے والی نہیں ہے یہ بیل
میں سنکر تمہیں ریل اور تیل کا — کہ اچھے ہیں یہ سب تمدن کے کھیل
یہ مقصد ہے لیکن اگر آپ کا — کہ نجدی ہو نصرانیوں کی ڈھیل
تو رکھیے مری آج کی بات یاد — فرنگی سے بدو کا ہوگا نہ میل
یہ ہے ناقۂ ریگ زارِ حرم — وہ ہے رود بار کلیسا کی ڈھیل

وہ نشاطہ پیدا ہوئی سب سے نہ ہو — جو ڈالے چھچھوندر کے سر میں پھلیل
مری صاف گوئی کو کیجے معاف
کہ رائج نہیں منٹگمری کا جبیل

---

۳ دسمبر سنہ ۱۹۲۵ء

بسنت

آئی بہار لالہ و گل کو لئے ہوئے — چھیڑا ہے بلبلوں نے ترانہ بسنت کا

چلنے لگی وطن میں ہوا اتفاق کی — صوفی سے اتحاد ہوا ہے مہنت کا

شیخ اور برہمن تو بغل گیر ہو گئے — اب کون انہیں دکھائے تماشا لڑنت کا

مل کر لگاؤ زور کہ ہو زیر سائمن — ہندوستانیو! ہے یہی وقت تنت کا

ساری بہار ہند مسلماں نے لوٹ لی — سہرا ہے سر ملاپ کے اس من گھڑنت کا

خوشحال چند بن گئے ہندو دھرم کی لاج — کانوں میں تل رہا ہے بھرم لاجونت کا

لکھ پڑھ کے بھی وہ جاہل و کودن ہی جب رہے
کیا فائدہ پھر ایسی لکھنت اور پڑھنت کا

۲۰ جنوری ۱۹۲۸ء

محمدؐ سے خطا ممکن مگر بے عیب ذات اُس کی
خدایا تو کہاں ہے کیا ہوئی تیری غضب ناکی

کبھی حج ہوگیا ساقط کبھی قید جہاد اٹھی
شریعت قادیاں کی ہے رضا جوئی نصاریٰ کی

قیامت بن چلا یہ فتنہ اور خاموش بیٹھے ہو
نہیں اے عالمانِ دیں ہیں تم سے بے سبب شاکی

۱۹ اکتوبر ۱۹۳۱ء

سلسبیل کی چند بوندیں

۴ جون ۱۹۲۷ء کی صبح کو میں ڈلہوزی جانے والا تھا۔ رات کے بارہ بجے تک ملاقاتیوں کا تانتا بندھا رہا۔ ملک لال دین قیصر بھی آئے۔ اور چند اشعار کی فرمائش کی جو چند منٹ میں لکھوا دیئے گئے۔ وہ اشعار یہ ہیں:-

مٹی کی جون میں تحویل ہوئی جاتی ہے — جسم کیا روح بھی تحلیل ہوئی جاتی ہے

میر عثمان علی خاں نے پکائی تھی جو کھیرا — دیکھتے دیکھتے انجیل ہوئی جاتی ہے
بہ ندہ و ندوہ و بہ زاری و بہ زن شدھی بھی — عمرو عیار کی زنبیل ہوئی جاتی ہے
منجی و مالوی نے گانٹھے تھے جو منصوبے — ان کی لاہور میں تکمیل ہوئی جاتی ہے
لاجپت رائے کو ہم نے بہ حقارت دیکھا — آج شہباز وہی چیل ہوئی جاتی ہے
راجپال آج عدالت سے ہوا صاف بری — شرع اسلام کی تذلیل ہوئی جاتی ہے
ابر یہ لکھنؤ والے ہوئے جاتے ہیں اگر — دولت نجد ابابیل ہوئی جاتی ہے
کبھی گوکل میں بجی تھی جو دل آرا مرلی — وہی اب صور سرافیل ہوئی جاتی ہے
بھائی سے بھائی جدا دوست ہے دوست الگ — فطرت اسلام کی تبدیل ہوئی جاتی ہے
ہونے والا ہے پھر اسلام کا خورشید طلوع — شمعِ گل تری قندیل ہوئی جاتی ہے

مجھ سے قیصر نے کہا تھا کہ کچھ اشعار
ان کے ارشاد کی تعمیل ہوئی جاتی ہے

۳ جون سنہ ۱۹۲۷ء

ستہ بہ اصطلاح دکن جوار کا دبہ

تل کی اوٹ میں ہمالہ

خمیر پایۂ مسلم خدا نے — اٹھایا ہے عرب کے آب و گل سے

نبی نے درس آزادی دیا ہے — نہیں ہم نے سبق سیکھا یہ بل سے

نہیں اسلام وہ دھبا کہ مٹ جائے — سپیدی سے کسی کے بٹا اور نل سے

مشاغل کی محبت ہے زبانی — جو مومن ہے ملا کرتا ہے دل سے

کبھی تھا ٹوڈیوں کا ناک میں دم — ہمارے جملہ ہائے جاں گسل سے

اب ایسا انقلاب آیا جہاں میں — یہ چوہے بھی نکل آئے ہیں بل سے

بہت جلد اس بلا کو ٹال دے گا — خدا خود اپنے فضل مستقل سے

اسی کی کم نگہ ہے یہ کا جادو
ہمالہ کو چھپا لیتا ہے تل سے

۱۰ جون ۱۹۱۶ء

ہفت خوان ہند

ہمالیہ سے تا بہ انتہائے خیبر ضیا ریز ہے مالوی جی کا جلوا

کہیں گائے کی پونچھ پر سر پھٹول کہیں باجے سے جھگڑا جماعت پہ بلوا

مسلماں بیچارہ کس کس سے نبٹے ادھر جین بنیا ادھر سیر کلوا

کسی طرح نیچا دکھا دے جو ان کو تو موجود ہے ابھی سنگھ دلوا

نہیں پیر بہت ہی کواں سے شکایت یہ تا شدہ دیں ابن تیغی پہ نکلوا

خدایا محمد کی عزت کے صدقے ہمارا ابھی ایک ارمان نکلوا

جو منجی کو متھرا کے لڈو دیئے ہیں ہماری تو بھی بخش دے من و سلوی

مسلماں کے بازو کو زور علی دے

حریفوں کی چھاتی پہ مونگ اس سے دلوا

۱۴ اگست ۱۹۲۶ء

گوشِ ہوش کو صلائے عام

دیئے ہیں کان خدا نے تو ان سے کام بھی لے — مہابھائیوں کے سنگٹھن کی ٹن ٹن سن
کہاں تک اور لنگوٹی میں پھاگ کھیلے گا — مہاجنوں کی بھری تھیلیوں کی چھن چھن سن
نبیؐ کے نام پہ کر کائنات کو قرباں
یہ قول سرورِ دو عالم سے من و عن سن

۲۶ اگست ۱۹۲۷ء

کیا پدی اور کیا پدی کا شوربا

سنا بھی تم نے اے اسلام والو! — کہ حال اس وقت ہے اسلام کا کیا
دبایا جا رہا ہے حق کو باطل! — بدلتا آسماں ہے رنگ کیا کیا
جہاں دیکھو وہاں ہیں بت سے پیدا — پجاری کیا اور ان کے دیوتا کیا

خدا کا ڈر ہی دل سے اٹھ گیا جب — تمہیں کہہ دو کہ پھر باقی بچا کیا
حکومت ہے نہ حکمت ہے نہ دولت — کچھ ایسی زندگانی کا مزا کیا
ہم اپنے آپ دشمن ہو رہے ہیں — ہے اس میں مولوی جی کی خطا کیا
جہاں جاؤ ہر طرف رہزن ہی رہزن — وہ منزل کیا اور اس کا قافلہ کیا

بہت ہندو دلوں کے دوست بن جائیں — سوا اس کے ہے شدھی میں دھرا کیا
مسلماں ہو گئے دس بیس مرتد — تو اس سے حق کے پرستار و ہوا کیا
یہ شدھی کیا اور اس کی کیا حقیقت — یہ پدی کیا اور اس کا شوربا کیا

سر

سرفروشوں کے ہیں ہم سر، آپ سرکار کے ۔ آپ کا منصب ہے سرکاری ہمارا خانگی،

فیصلہ کرلے گی دنیا ہم میں افضل کون ہے ۔ آیئے چل کر دکھادیں اپنی اپنی بانگی،

پاؤں میں زنجیر ہے زنداں سے گھبراتے نہیں ۔ ہم محبان وطن کا شیوہ ہے دیوانگی

عافیت کوشی ہے پہلے دن سے مسلک آپ کا ۔ اور اسی میں مضمر ہے آپ کی فرزانگی

چھوڑ کر اپنوں کو غیروں کا دیا ساتھ آپ نے ۔ بات ہے یہ عقل کی یا عقل سے بیگانگی

"مسلم خوابیدہ اٹھ، ہند کا سر آرا تو بھی ہو"
چھوڑ دے اس بزدلی کو اور دکھا مردانگی

---

۲۹ دسمبر ۱۹۲۷ء

باریش بابا ہم بازی

شایگاں گنجے کہ عمر رائیگاں را حاصل است / قطرهٔ خون امیدستے کہ بنگاهش دل است

در حق ما ہر چہ گوید از رہ طعن انقلاب / باطل اندر باطل اندر باطل اندر باطل است

دست گستاخش نگر بر ریش بابا ہم رسید / طفلک نادان ز بازیہائے بابا غافل است

دیدهٔ بینا رہ بر سرزمین قادیاں / آنکہ بینا دست می ز شست او بین بابل است

باش تا بینی کہ خاکش در جہاں بر باد رفت

قادیاں دنیائے عقلی پست و خاکش سافل است

۲۰ ستمبر ۱۹۲۱ء

شدھی اور سنگٹھن کے چار رتن

پوجیہ مالوی جی

سنگھاسن پہ بھارت کے بیٹھا کریں — تو گوکل میں گاڑوں گا جھنڈا دھرم کا
گھمائے گا اسلام کے سر پہ نوجی — جہاں بستے کنوا سکے ڈنڈا دھرم کا
بنارس کے ڈربے میں شدھی کی مرغی — دیئے جائے گی روز انڈا دھرم کا
حفاظت کرے گا ورن آشرم کی — اچھوتوں کے متھے لگے گنڈا دھرم کا
ہمالے سے لنکا تک اک آگ شن — کروں گا عبث کیوں میں ہنڈا دھرم کا
مسلماں جہاں حل کے تل ڈالے جائیں — یہی ہوگا اس وقت انیڈا دھرم کا

مری راج دھانی میں تم دیکھ لوگے
نہ ہوگا کبھی جوش ٹھنڈا دھرم کا

مانیہ بپن چندر پال جی

کسی وقت اگر ساری جاتی نے مل کر — کیا مجھ کو تسلیم بھارت کا راجا

تو سن لے گی دنیا کہ مسجد کے آگے　　بجے گا دھڑلے سے دن رات باجا

دیوتا سروپ بھائی پرمانند جی

مرے تاج کا سنتری نیپال ہوگا　　مرے راج کی سنتری گائے ہوگی
چلیں گی جب اک ساتھ کوٹھوں سے نکلیں　　تو ہمراہ ان کے مری ستے ہوگی
اذاں کی صدا کی جگہ مسجدوں میں
کہیں ہائے ہوگی کہیں ٹنے ہوگی

بھارت بھوشن شری سوامی شردھانند جی

بنا چکے ورتی مہاراج اگر میں　　تو پہلے کروں گا یگانوں کی شدھی
اچھوت اور مسلمان سے ہو کے فارغ　　مرا فرض ہوگا پٹھانوں کی شدھی
بڑھاپا مرا ایک دن دیکھ لے گا　　مجھے کے چھبیلے جوانوں کی شدھی
مرے عہد کی آخری یاد ہوگی　　حرم کے نئے پاسبانوں کی شدھی
نہ پھر بھی مرا میں تو یورپ میں جاکر
کروں گا مسیحی گھرانوں کی شدھی

۶ جولائی سنہ ۱۹۲۶ء

بُرے دن

شورِ بازار کے مُلّا سے کہا ستّے نے — تیرے اور میرے مقاصد کے بُرے دن آئے

تجھے کہتے ہیں ضراری مجھے استعماری — مرے ہیکل تری مسجد کے بُرے دن آئے

تو جہالت کا مرید اور میں رذالت کا عبید — تیرے پیر اور مرے مرشد کے بُرے دن آئے

ہم سے شیخ اور برہمن کو ہے یکساں پرخاش — ہم اسیرانِ شدائد کے بُرے دن آئے

جن کو دیں کر کے مرے حلق میں ٹھونسا تو نے — تیرے ان سارے عقائد کے بُرے دن آئے

سینہ کوبی میں ہیں بابائے خلافت مصروف — جن کے اک مردِ مجاہد کے بُرے دن آئے

پگڑیاں جن میں شریفوں کی اُچھالی جائیں
اُن بدانجام جرائد کے بُرے دن آئے

---

۲۳ جون سنہ ۱۹۲۹ء

بیلویّات

لگ گیا ہاتھ کہیں سے مجھے اُن کا فتویٰ — دستِ توحید ہے اور شرکِ جلی کی داڑھی

کہہ دو آدمؑ سے کہ دو بال ہمیں بھی بخشیں — نوچ کر اپنے حریفِ ازلی کی داڑھی

پیٹ میں اپنی درازی کو چھپا لیتی ہے — اژدر یافانِ بریلی کی نلی کی داڑھی

بال کے آم کی چوسی ہوئی گٹھلی کا ہے جوت — یا کہ ہے قبلۂ دیدار علی کی داڑھی

اِس کو اسلام کی لاج اُس کو فقط لاج اپنی
چور کے ہاتھ میں ہے آج ولی کی داڑھی

---

۱۲ جون ۱۹۲۵ء

بچہ اور اس کی انا

مشرقی بچے کی خاطر دایہ اصلاحات کی　　لائی مغرب سے دوغلی کا اچھوتا جھنجھنا

چائے پینے کیلئے جب اس نے مانگی گوالمیز　　کیتلی میں لائی پانی بھر کے وہ بھی کنکنا

اس ادا پر ہے اگر تلمیح اسے بیشک نہ سُن　　اپنی انا ہی کی میٹھی میٹھی لوری گنگنا

مسلم خوابیدہ اُٹھ ہنگامہ آرا تو بھی ہو
وہ نکل آئی سحر سرگرم تقاضا تو بھی ہو　(اقبال)

---

۱۲ جنوری ۱۹۲۸ء

رالبغیات

علی کے ہوائی کارنامے

کہیں سے آ گئی ہاتھ اک گرہ ہلدی کی چوہے کو
تو رکھ کر اس کو اپنے بل میں بن بیٹھا وہ پنساری

علی بھی لے کے اک طیارہ آقایانِ مغرب سے
سمجھتا ہے کہ میں ہوں اور عرب کی حکم برداری

شہید اب تک ہوئی ہے ایک بکری ہی اُس کے گولوں سے
اب اس سے بڑھ کے ہو گی کارگر کیا اُس کی بمباری

دیئے رہ رہ کے اُس کے باپ نے اسلام کو چرکے
اب اُس کے حصّہ میں آئی ہے یہ دیرینہ غدّاری

مگر بطشِ شدیدِ ربِ اکبر سے نہ چھوٹے گا
کہ ہے سخت انتقام اُس کا اور اُس کی ضرب ہے کاری

بعجلت جس طرح مکّے سے راتوں رات بھاگا تھا
مدینے سے بھی اب اُس کے نکلنے کی ہے تیاری

۱۷ جنوری سنہ ۱۹۲۶ء

سرکار کا نظر ٹٹو

کبھی ہندو سے ہے گردش میں کبھی مسلم سے چکر میں
یہ پھرا کرتا ہے یوں ہی چرخِ ناہموار کا ٹٹو

عنایت کی نظر اس وقت منشی رام جی پر ہے
انہیں آنکھوں کا تارا ہے کل تک میاں جھٹو

خوشامد کا عراقی اڑ رہا ہے سید کے نیچے پہ
مسلماں ہی کو ہے آخر یہ اڑیل مشرقی ٹٹو

مری سرکار کا توکل کر جا نہیں سکتا
کبھی ہندو بنے ٹٹو کبھی مسلم نظر ٹٹو

۲۱ ستمبر سنہ ۱۹۰۳ء

آپ جو یوں چپ چھپے بیٹھے ہیں پٹ داؤں تو بیشک اچھا ہے
آنکھ میں لیکن پڑ نہیں سکتی دھول اب اس عیاری سے

دامن سیٹھ اور آزاد سے پوچھ پنڈت کے میثاق کا راز
عقدہ یہ ہرگز کھل نہ سکے گا لاجپت اور انصاری سے

کاش رہا وہ قائد ملت سبھی بیر وداع ہو جائے
ہندو مسلم ایک ہوئے تھے جس کی علم برداری سے

انگریز کا حسن مذاق

لو نہیں نئے تصوف کے باغ کی — انگریز کا مذاق بھی کتنا لطیف ہے
توڑی بھی شریعت ملی یورپ کی شریعت — المختصر جو شریف ہے اس کا حلیف ہے

تہذیب

لاش ہندی کی جلا دی واہ کیا تہذیب ہے
پھر ہوا میں راکھ اڑا دی واہ کیا تہذیب ہے

ضد تو اس کو یہ سے تھی لیکن معین الدین کی
قبر پہ گولی چلا دی واہ کیا تہذیب ہے

اہرمن تو خوب ہے لیکن تہمت اپنے پیش کی
اولیاؤں پر چلا دی واہ کیا تہذیب ہے

کہتے کہتے وعظ امن و شانتی درس صلح
خون کی ندی بہا دی واہ کیا تہذیب ہے

تاکہ اپنے لیپ میں جو تیل ہے وہ تھوڑا جلے
آگ محل میں لگا دی واہ کیا تہذیب ہے

گر کسی اخبار نے کچھ بھی کہہ دی ہے الگ بات
اس کی چھٹ فوراً کرا دی واہ کیا تہذیب ہے

قابلیت کی جب اک شرط پوری ہو چکی
قید رنگت کی بڑھا دی واہ کیا تہذیب ہے

خاکساروں نے اکڑ کر سر پھروں کے سامنے
عجز سے گردن جھکا دی واہ کیا تہذیب ہے

جس نے پیمانِ وفا باندھا اسی کم بخت کو
اپنے پیماں کی سزا دی واہ کیا تہذیب ہے

یار سے چھینا ہرا اور جب کیا عہد حسین
جنگ کی دھمکی سنا دی واہ کیا تہذیب ہے

دوستی کے پردے میں مرحوم ست کی دشمنی
ایک عالم کو دغا دی واہ کیا تہذیب ہے

غلاموں کا مذہب

غیر کے محکوم ہونے سے کہیں اچھی ہے موت
تف ہے ایسی زندگی پہ جو غلامی میں کٹے

قدح ثامی شغل جلوت ہی سہی لیکن یہ کیا!
یعنی خلوت کی جو مہلت صبح شامی میں کٹے

تھا بری طعنہ زن کل تک تو ہے لاہو آج
دن ہمارے شہرت کفر و دوامی میں کٹے

شوق سے بدنام کر لیں ہم کو یاران کہن
یوں ہی شاید اُن کی فرصت نیکنامی میں کٹے

جب تلک آزادی ہو گی ہم نہ ہوں گے شاد کام
دیکھئے یہ عمر کب تک تلخ کامی میں کٹے

---

۲۷ جنوری ۱۹۳۶ء

چٹنی

ننکانہ کے مہنت کو قید فرنگ میں
ملتی ہے چپڑی روٹیوں کے ساتھ کھیر بھی

لیکن ستم رسیدہ بخاری کو آج تک
چٹنی کے واسطے نہ ملا کوتمیر بھی

یہ کیا نیا غضب ہے کہ برق تابیوں کے ساتھ
شامل ہیں انقلاب کے دونوں مدیر بھی

پیٹیں گے سر شفیع اب ان کی جفا کا ڈھول
اور ساتھ ہی پرانی وفا کی لکیر بھی

مجموعہ انقلاب کا اقبال دونوں سے
دونوں کی ناک میں تھا مگر چرخ پیر بھی

ہم خود ہیں اپنے تین جرائم کے معترف
جاہل بھی ہیں ذلیل بھی ہیں اور فقیر بھی

پنجے میں اب ہما جنوں کے بھی پھنسے ہوئے
اور چل رہے ہیں ہم پہ حکومت کے تیر بھی

---

۲۴ فروری ۱۹۲۶ء

راون پرستی

نہیں لنکا سے کچھ بھی کم یہ پنجاب
جسے دیکھو یہاں راون گرا ہے

ہوا تھا یاں مذہب کا پڑاوہ
مگر جھگڑا وہی ڈیڑھ اینٹ کا ہے

خدا کو چھوڑ بیٹھے لالہ و شیخ
پڑا شیطان گھر گھر پُج رہا ہے

کوئی کرتا ہے احمدؐ کی غلامی
مگر بنتا بروز مصطفےٰ ہے

کوئی لیتا ہے مُنہ سے رام کا نام
مگر کہتا ہے راون ہی خدا ہے

ٹھٹک کر رہ گیا ہے پیکرِ عقل
تماشا پتلیوں کا ہو رہا ہے

۱۰ نومبر سنہ ۱۹۱۷ء

آریہ اخباروں کے مسلمان قلم کاروں کا ترانہ

لڈو ہمیں کھلوا دو ٹھرا ہمیں پلوا دو جانا ہے تھیٹر تک کچھ پیسے ہمیں دلوا دو

پھر کرنے کو حاضر ہیں ہم ہجو پیمبر بھی

اور حملہ خدا پر بھی ہم پیٹ کے بندے ہیں

کعبہ کو مٹا دیجے قرآں کو جلا دیجے اسلام کی خاکستر گنگا میں بھرے بیتم

اجرت ہمیں ملتی ہے جب آریوں کے گھر سے

پرتاپ کے دفتر سے روٹی کے یہ ٹکڑے ہیں

ناموس عرب کیسا! یثرب کا ادب کیسا! بے مایہ جو ہو ایسا کعبہ کا وہ رب کیسا!

ہم رہتے ہیں بھارت میں لچھمی کا جو زیور ہے

کان گہر و زر ہے چاندی کے سکے ہیں

ہم بھوکے ہیں روٹی کے محتاج لنگوٹی کے روزی کیلئے مضمون لکھ دیں - لچھمی کے

اسلام کے بے فکرے چلاتے ہیں جھلا کر

یہ ماتھے پہ بل لا کر مضمون گندے ہیں گلا ان کیا رہے ہیں

۷ نومبر ۱۹۲۷ء

ووٹ

(۱)

منڈلوا ہے حقیقت راز اور مجاز ووٹ — کرتا ہے ناؤ نوش کا افشا راز ووٹ

خود ووٹ خود ہی ووٹ گر اور خود ہی ووٹ گیر — کیوں پردہ دار لیگ نہ ہو خانہ ساز ووٹ

کچھ فرض یہ نہیں کہ پڑھیں وہ نماز بھی — دیتی ہے لیڈری کا جنہیں امتیاز ووٹ

محمود تھا جو ناظمِ بزمِ صنم گری — لایا برہمنوں سے چُرا کر ایاز ووٹ

مضرابِ مصلحت سے بجائیں نہ کیوں اسے — ہے نغمۂ ہوس کے لئے مثلِ ساز ووٹ

(۲)

برپا کرے گا شہر میں شورِ نشور ووٹ — لانے کو ہیں مزنگ سے اہلِ قبور ووٹ

نئی پارٹی بہانۂ تحصیلِ ووٹ ہے — بسکٹ جو ہیں سطور تو ہیں اسطور ووٹ

ٹرخا تیں ہے وضو کی نماز اس کے واسطے — ہے زاہدانِ لیگ کی آنکھوں میں حور ووٹ

حکام میں رسوخ نہیں قربِ حق سے کم — اس دور کے کلیم کو ہے کوہِ طور ووٹ

آقا تھے بدحواس کہ آتے ہیں آن کر — ٹھونسے دی لو نیذر لیجے حضور ووٹ

ہمدم تجھے بھی چاہئے کونسل میں جدوجہد — جونیر سے کالیس نہ دیں گے ضرور ووٹ

کچھ اور بھی ہوں شعر کہ مشکل نہیں زمیں
بکتا ہے پیسہ پیسہ میں نزدیک و دور ووٹ

۲۲ مئی ۱۹۱۲ء

گورا رنگ

کمزور کو لوٹ اور نہتوں کا گلا کاٹ
کس سے تجھے اندیشہ ہے کس کی تجھے پڑی

اس عہد کے تہذیب کے فتوے پہ عمل کر
سب تجھ کو روا ہے تری رنگت ہے جو گوری

فکاہات

ہم کو بھی کفن کے لئے مل جائے گا گاڑھا ۔۔۔ گاندھی کو ہے گر ضبط جلاہے کی نلی کا

انگریز کے حقے میں ہے بیت اور ٹن چاپ ۔۔۔ اور خیرہ مسلماں کو ملا مونگ پھلی کا

اشدھی ابھی کرنے بھی نہیں پائی سبھائیں ۔۔۔ اور شور ہے پہلے ہی سے برپا دہ چلی کا

بھوسا گئو ماتا کے لئے مالوی لائے ۔۔۔ سانی کے لئے فکر ہے منیجی کو کھلی کا

لالے سے لائٹ کو بحث ہے کیا کیا گلہ لیکن ۔۔۔ مضموں یہ ہے مولوی ممتاز علی کا

فطرت میں عرب ہوں تو سلیقہ میں عجم ہوں
اکبر کی زباں میں ہے تخیل شبلی کا

---

۰ جولائی ۱۹۲۷ء

شدھی کی قاتلانہ دھمکیاں[1]

اسلام کا جواب

ہو جائے کہیں بھی کوئی مظلوم اگر قتل — سمجھو کہ ہاں ساتھ ہی سب نوع بشر قتل

شدھی کے جہابیر یہ لائے ہیں سندیہ — اک دن وہ کرے گی مجھے آکر مرے گھر قتل

اے کفر کے خنجر نکل آ اپنی کمیں سے — ہر وقت میں حاضر ہوں مجھے شوق ہے کر قتل

میری بھی پیمبر کی طرح ہے یہ تمنا — ہوتا رہوں رہ رہ کے اُدھر زندہ ادھر قتل

دنیا میں مسلماں کی یہی تو ہے نشانی — اللہ کے رستے میں ہو بے خوف و خطر قتل

کٹواتے ہو کیوں سر کو زمین و زر و زن پہ — ہونا ہے تو ہو نام خدا لو ہی پہ قتل

پیغام دیا ہے یہ حسین ابن علی نے — لاتا ہے نئی زندگی اسلام میں ہر قتل

بھارت کی فضا گونجے گی اسلام کی جے سے
جس دن خبر آئی کہ ہوا آج ظفر قتل

۲۷ مئی سنہ ۱۹۲۷ء

---

[1] مولانا ظفر علی خاں کو دھمکی دی گئی تھی کہ آپ کو قتل کر دیا جائے گا۔

خواجہ امرتسر!

میں نے امرتسر میں اک دن اپنے خواجہ سے کہا
پیٹ کے بل رینگیے بندہ پرور آپ بھی

ایک تو آماس کی تا فربہی پر جائیے چڑھ
کھائیے ہر روز صبح و شام ہنٹر آپ بھی

ناک سے کچھ دن زمیں پہ کھینچتے رہیے لکیر
پھیریے کوچی سفیدی کی بدن پر آپ بھی

بعد مغرب جائیے مسجد کو اور اس جرم میں
پیٹھ پر کھنچوائیے چابک سے مسطر آپ بھی

بنیے دولہا اور نکلیے لے کے گلیوں میں برات
دیکھئے ساتھ اس کے پھر سامان محشر آپ بھی

سجدہ ٹوپی کو نہ کیجے اور اس کے ساتھ ساتھ
درس حبل من مسد کا پڑھیے فر فر آپ بھی

چلیے سولہ میل دن میں ہانپتے اور کانپتے
پاؤں میں کچھ روز ڈالے رہیے چکر آپ بھی

بیٹھے جا کر جیل میں اور کھائیے ارہر کی دال
میہمان بنیے ذرا سرکار کے گھر آپ بھی

پھر یہ کہیے مارشل لا حشر تک قائم رہے
ورنہ ہوں گے منکر جنرل ڈائر آپ بھی

---

٦ فروری سنہ ۱۹۲۰ء

گیسو دراز ولیوں کی کرامتیں

میں اپنی کرامت کا جھنڈا جو کھڑا کر دوں
اک رائی کے دانے کو پربت سے بڑا کر دوں

چاہوں تو کر دوں پل میں خشکی سے تری پیدا
سوکھے ہوئے پیپل کی ٹہنی کو ہرا کر دوں

قرآں کی فضیلت کو خود گائے سے منوا کر
گوسالہ پرستوں میں اک حشر بپا کر دوں

کافر کو کر دوں مومن جھوٹے کو کروں سچا
پیتل کو طلا کر دوں کھوٹے کو کھرا کر دوں

بندر سے بنا لینا انسان کا آساں ہے
میں وہ ہوں کہ انساں کو اک دم میں گدھا کر دوں

واعظ کی ضرورت کیا تبلیغ کی حاجت کیا
اس طرح جو میں حق سے باطل کو جدا کر دوں

کیا ابوالکلام آزاد اسلام فروش ہیں

ہے جن کو یاد رام کی اسلام دشمنی
بھولے ہیں کیوں وہ شام کی اسلام دشمنی

اس کا عناد نام کی اسلام دشمنی
اس کا فساد کام کی اسلام دشمنی

رام اور شام کو بھی مگر ہے کہاں نصیب
ٹوڈی بدلگام کی اسلام دشمنی

ہے شعر فہمی آپ کی سمجھے ہوئے ہیں آپ
جس کو ابوالکلام کی اسلام دشمنی

کیا انقلاب ہے کہ ہو آزاد کی حریف
انگریز کے غلام کی اسلام دشمنی

---

۲۵ اپریل ۱۹۲۱ء

پُرانی روشنی

ہمارے شاہ کا ہمسر نہ دارا ہے نہ خسرو ہے
کہ اُس کی ذات پر نازاں بساطِ کہنہ و نو ہے

اگر اُس کی سلامی کے لئے نواب جھکتے ہیں
تو راجاؤں نے بھی چھدوائی اپنے کان کی لو ہے

کئی مسلک کئے ہیں لازمی تعلیم نے پیدا
احمد شہ کا کوئی پیرو کوئی آغا کا پیرو ہے

عجب ہے کھیل قسمت کا کہ پیسی الکشن کی
بچھائی شیخ جیلے نے لالا کو بڑی لو ہے

نہیں ہے بہرِ اظہارِ وفا لازم نمود اصلا
کہ بحرِ شعر میں پانی نہیں مطلق مگر رَو ہے

حصولِ جاہ و عزت جس وفاداری کا مقصد ہو
وہ جنسِ ناروا گندم نہیں گندم نما جَو ہے

ملے گی تشنۂ عزت کو کب اعزاز کی تھیلی
مہینہ جون کا ہے اور یہ سرگرمِ تگ و دَو ہے

مبارک ہے جشنِ تاج پوشی جس کے قصد میں
وہ مسجد تک چلا آیا کلب گھر کا جو رہرو ہے

مسلمانوں کی جمعیت اگر کم ہے تو کیا پروا
عدد سو کے چھپا سکتے ہو مگر مفہوم تو سو ہے

نہیں سمجھے ہیں پیدا اُن میں پیدا قابلیت ہے
مسلمانوں میں یہ مخلوق مثلِ سبزہ خود رو ہے

خوشامد نے جلا ڈالا ہے خود داری کے خرمن کو
ذرا سی شمع ہے کم بخت اور کتنی بڑی لو ہے

ضرورت کچھ نہ کچھ دنیا میں ہے عصمت فروشوں کی
یہ روحانی قدمچہ ہے یہ اخلاقی بدرو ہے

پرانی روشنی میں دیکھ لو ہے پختگی کیسی !
کہ اب مدت سے مہر و ماہ میں قائم وہی ضو ہے

یکم جولائی ۱۹۱۱ء

ڈیڑھ سو سال کی وفاداری کا صلہ

ہوئی طبیعت سے خوش انگریز — میری کوشش یہ انتہائی تھی
میں نے اپنے غرور کی گردن — اُن کی دہلیز پہ جھکائی تھی
میں جو حاکم تھا خود بنا محکوم — یہ بھی اک شانِ کبریائی تھی
اُس کے قدموں میں ڈال دی لاکر — باپ دادا کی جو کمائی تھی
تاکہ بڑھ جائے آبرو اُس کی — اپنی توقیر خود گھٹائی تھی
اُس کی خاطر نہ کی جو اپنوں سے — کونسی ایسی وہ برائی تھی
آج میں ہوں اور اُس کی ٹھوکر ہے — کہ اسی تک میری رسائی تھی
آج روتا ہوں میں کہ کیوں میں نے — اپنی بنیاد آپ ڈھائی تھی

میں نے اپنے کئے کا پھل پایا ۔۔۔ اُس سے کیا میں نے کیوں کھلائی تھی

کہہ گئے خوب میرزا غالبؔ ۔۔۔ کیا وہ نمرود کی خدائی تھی

بندگی میں میرا بھلا نہ ہُوا

۲۳ فروری ۲۰ء

حجامت

میری داڑھی نے کیا بڑھ کر یہ آج اُن سے سوال ۔۔۔ کیا یہاں کے نائی بھی کونسل کے ممبر ہو گئے

ہو گیا منسوخ شاید اسلحہ کا ایکٹ بھی ۔۔۔ ورنہ کیوں ناحق بڑھے اُسترے[۱] کہ نشتر ہو گئے

کس لئے کرتے نہیں قانونِ موسٰی کا نفاذ

لارڈ ریڈنگ[۲] آتے ہی عیسائی کے کیوں خر ہو گئے

---

۱ اُسترے کو بھی کہتے ہیں ۲ موسائی یعنی یہودی ہیں

پیمبر کی شفاعت پر میرا حق

مراکش میں رگیدی جا رہی ہے امتِ عیسیٰ
ادھر آقطع میں ہسپانی اُدھر ابتر فرانسیسی

مسلمانوں سے ہنٹنگ لئے تو تھے لیکن خبر کیا تھی
پٹے گا منہ پہ اک تھپڑ تو جھڑ جائیگی تلبیسی

جدھر دیکھا اُدھر دشمن ہی دشمن تھے نصاریٰ کے
کہیں تھے شیخ سنوسی کہیں تھے سید ادریسی

شہادت میں لذت ہے اُسے یہ لوگ کیا جانیں
رموزِ عَلَّمَ الْاَسْمَا چہ داند ذوقِ ابلیسی

برستے آسماں سے بھی ہیں پتھر فتنہ و شر کے
مگر سختی کب اس تھپراؤ میں ہے سنگھٹن کی سی

سبق لیتے ہیں ناحق مالوی جی شاہ نامہ کا
پڑھیں بیٹھے ہوئے پریاگ میں بیتال پچیسی

خدا کی شان انہیں بھی شہسواری کی تمنا ہو
مقدر میں ہے جن کے لارڈ برکن ہیڈ کی سائیسی

پیمبر کی شفاعت پر مری اس عرض کا حق ہے
کہ آقا تیری خاطر میں نے چکی جیل میں پیسی

۱۷ اگست سنہ ۱۹۲۵ء

توبہ فرمایاں چرا توبہ کمتر می کنند

ہم کو تاکید ہے تصوف کی ۔۔۔ کہ دنیائے دُوں خیال مبند
ہمہ ہیچ است کارِ ایں دنیا ۔۔۔ ہیچ را نہ برائے خود مپسند
بہت اچھا یہ فلسفہ ہے مگر ۔۔۔ صوفیہ خود بھی اِس کے ہیں پابند؟
کیا ہماری ہی گردنوں کے لئے ۔۔۔ رہ گئی ہے نجات کی یہ کمند
خود ہی جب ٹس سے مس نہ ہوں ناصح ۔۔۔ ہے عبث آپ کی نصیحت و پند
منع ہم کو ہے گڑ کی بھیلی بھی ۔۔۔ آپ پیتے ہیں گھول گھول کے قند
ہم ہیں جھونپڑوں کے اندر۔ اور ۔۔۔ آپ کا قصر ہو رفیع و بلند
آپ "نفس" بھی پڑھیں تو ہو وہ "نص" ۔۔۔ ہم جو "نص" بھی پڑھیں تو ہو "پاژند"
وہی حضرت ہیں لوٹ چندے کی ۔۔۔ جن کی ہے بات بات میں تاچند
کہہ گئے خوب ہی جناب سعدیؒ ۔۔۔ ترکِ دنیا بہ مسلم آموزند

خویشتن سیم و غلہ اندوزند

۲۳ دسمبر ۱۹۱۷ء

مِنکم کی ضمیر کا متصوفانہ مرجع

کیوں جنسِ وفا کوڑیوں کے بھاؤ نہ بک جائے
جب گرم ہو پنجاب میں بازارِ طریقت

قرآں میں اولی الامر کے معنی ہیں نصاریٰ
پیدا ہے کوئی پوچھے مِنکم کی حقیقت

مغربی بجلی اور مشرقی بھونچال

گومتی چل کر گئی راوی سے تہذیبِ فرنگ
لکھنؤ میں لاٹھیاں برسیں جو ہلال پہ

دیکھئے [illegible]
مغربی بجلی گری ہے مشرقی بھونچال پہ

حکمت جدیدہ

لسان العصر حضرت اکبر کے رنگ میں

فلسفہ انرجی و بنرجی

ہندو نے یہ مسلم سے کہا از رہِ غیرت — مشرق میں ہے پھیلی ہوئی مغرب کی انرجی
پھر کس لئے تم لوگ ہو اک عضوِ معطل! — کیوں ہند میں اسلام کی بدلی نہیں گرجی
مسلم نے یہ حسرت سے کہا اس سے کہ بھائی! — ہم میں نہیں کوئی بھی چیٹرجی بنرجی

فلسفہ علّت و معلول

مالوی بھی علتی اور "مولوی" بھی علتی — حرفِ علت گر نکل جائے تو ملت ہو ایک
رنج و راحت میں برابر کے ہوں دونوں حصہ دار — ننگ و ناموس ایک ہو عزت و ذلت ہو ایک
متحد ہو جائیں باہم سارے مسلم اور ہنود — تفرقے مٹ جائیں ان کے کثرت و قلت ہو ایک
ڈھانپ لے دونوں کو دامن رحمتِ اسلام کا — کیمیا خانے کے اندر زر مس و حلت ہو ایک

حکمت قدیمہ

(وہ بھی جنابِ لسان العصر کے انداز خاص میں)

نکتۂ وحدتِ واجب الوجود کی نئی تفسیر

اَلْوَاحِدُ لَا یَصْدُرُ اِلَّا الْوَاحِدُ

مسلم ہیں پہلے اور ہیں کچھ اور بعد میں — اُمّت ہیں ہم جنابِ رسالت مآب کی
جغرافیہ سے ہم نہ کبھی ہوں گے منقسم — تاریخ لاجواب ہے اِس انتخاب کی
واحد ہی کا صدور ہے واحد کی ذات سے — یہ انتہا سمجھیے ہمارے حساب کی
لیکن کچھ اس زمانے میں ایسے بھی ہیں ترک — ڈالی جنہوں نے اس پہ نظر احتساب کی

جو بات کی خدا کی قسم لاجواب کی
پاپوش میں لگائی کرن آفتاب کی

۹ ستمبر ۱۹۱۷ء

علامہ طرزی کی غزل کے انتظار میں

گل ونسریں نے طرزی کو لبھایا ہے مسوری میں
وہ کاش اک شرح لکھتے میرے دل کی ناصبوری پہ

چڑھی لندن کے چولھے پہ ہے لائڈ جارج کی ہنڈیا
نیا اک حاشیہ لکھنے کو ہوں میں بھی قدوری پہ

تمہارا دور ہے یا کو ہے نزدیک اس لیے ریوٹر
نہیں الفرد جو ہاتھ آئے برس پڑتا ہے لوری پہ

کہیں مسلم بھی داماں خلافت چھوڑ سکتے ہیں
ہنسی آتی ہے مجھ کو ناصحوں کی بے شعوری پہ

میں سوز درد دل سے ایشیا کو پھونک سکتا ہوں
مگر موقوف ہے اظہار درد دل حضوری پہ

---

۲۴ جولائی سنہ ۱۹۲۰ء

رائے صاحب متبسم ہوئے اور مجھ سے کہا — لوگ جھلائے ہوئے ہیں انہیں جھلانے دو

چیخ لینے دو انہیں شور یہ آخر کب تک — شوق سے ان کو گلا پھاڑ کر چلانے دو

بے سبب آنے بل ابرو پہ تو پڑ لینے دو — گرم ہوتے ہیں جو بے وجہ تو گرمانے دو

دیکھتے دیکھتے ہر شعلے سے اگ آئیں گے پھول — اور تنور رقابت انہیں بھڑکانے دو

طعنہ دیتے ہیں مری طرح اگر تم کو بھی — اس خرافات سے تیور پہ نہ میل آنے دو

میں بھی جاسوس سہی قوم کا اور تم بھی سہی
خوب گزرے گی جو مل بیٹھیں گے دیوانے دو

۲ ستمبر ۱۹۱۷ء

پدّی

مسلمان ہو گئے وہ ایک مرتد — تو اے حق کے پرستار و ہوا کیا

یہ شدھی کیا ہے اور اس کی کیا حقیقت — یہ پدّی کیا اور اس کا شوربا کیا

پبلک سیفٹی بل

نہ بم سے ڈر اور نہ پستول سے | ہے جیوٹ بلا کا ہمارا پٹیل
معاً سیفٹی بل کو ٹھکرا دیا | منہ سے چھٹنے پائی نہ ارون کی بیل
تھا اپنا ہی مجلس میں اپنا دیا | تھی اپنی ہی بتی اور اپنا ہی تیل
وہی آشا ہے ہر دانائے وطن | جو ہرگز نہ ہو جان بل کا دبیل
مسلماں بھی ہو لیں ہم سر بکت | تو ہوتا ہے آج اس کا ہندو سے میل
وہ اس وقت اسلام کا نام لے | ڈرائے جب اس کو نہ پھانسی نہ جیل
حرم تک نکل جائے کیونکہ وہ اونٹ | کلیسا نے تھامی ہو جس کی نکیل
محمد علی اس سے سیکھیں سبق | نہ سمجھیں سیاست کو بچوں کا کھیل
یہ کھیل آپ کھیلے مگر اس طرح | کہ غلّا ہیں آپ اور حکومت غلیل

سلامت رہے اس کا خوانِ کرم
اور اس خوان پر چاء کی ریل پیل

۱۳ اپریل سنہ ۲۹ء

تخئیل ہفت رنگ

جولائی ۱۹۱۲ء کی حیات عموی پر تبصرہ

"ہندوستان" کی چھڑ گئی "اخبار عام" سے
گویا جھڑپ ہوئی ہے روپے کی چھدام سے

وہ برق پا ہے اور ٹکے گز کی اس کی چال
چھکڑا انکل کے جا نہیں سکتا ٹرام سے

رستہ ہے سنگلاخ ہمیں خوف ہے یہی
ٹھوکر نہ کھا کے گر پڑیں لالہ دھڑام سے

"اخبار عام" کا نہ ہو کیوں سوقیانہ رنگ
منطق ہی مستعار جو لی ہے عوام سے

سٹھیا گئے ہیں لالہ بڑھاپے کا دور ہے
چڑھتا بخار ہے انہیں "سارنس" کے نام سے

فرماتے ہیں کہ قتل حبیب علی ہوا
مسلم سب انسپکٹروں کے اہتمام سے

لالہ کو آٹے دال کا آجائے یاد بھاؤ
نالش کا طشت پھینکیں یہ افسر جو بام سے

مسلم کی بدنصیبی سے ارباب حل و عقد
غافل ہیں شائد آگرہ کے انتظام سے

سرسلی پورٹر جو ہیں ساقی، انجمن
لائے ہیں خم بھرا ہوا ایک اولڈام سے

سنتے ہیں سرکشن کی کمال اب اتر گئی | معزول ہو گئے ہیں وزارت کے کام سے
سالار جنگ کو یہ سلام دان آ گیا | حق دار کو ملا ہے حق اپنے نظام سے
تم ہو ہمارے مرکز اقبال بے مدار | سکتے ہیں قسمت اپنے مدار المہام سے

برسات کی بہار کا آغاز ہو گیا | اب یار لوگ لطف اڑائیں گے آم سے
سیراب ہوں گے کھیت نکھر جائیں گے شجر | اور سبزہ سر نکالے گا دیوار و بام سے
آئیں گے جھونکے عطر میں بس کر نسیم کے | نکلے گا دم بدم نہ پسینہ مسام سے

کچھ پردہ در یہ چاہتے ہیں گھر کی عورتیں | لوگوں کے دل کو خوش کریں دیدار عام سے
اک میرزا الجھ گئے مغرب کی آن میں | جس کو نکل سکے نہ وہ لندن کے دام سے
بے پردگی کی لذت سریاں کو دیکھ کر | بول اٹھے فائدہ نہیں کچھ روک تھام سے
مسلم بھی عورتوں کو کھلے منہ کرائیں سیر | پردے کو کیا غرض ہے حلال و حرام سے

ڈپٹی کمشنری بھی خدائی سے کم نہیں | اب گئے وہ پاک تجھے جو انتظام سے
کرنا بیگ ہیں عجب اک شیر ببر ... | [illegible]
سارے سیال ہوتے ہیں ... | [illegible]

مسلم دعائیں دیتے ہیں صاحب کی جان کو — فارغ ہوئے غریب کمیٹی کے کام سے

بانکا دیال جھنگ سے لاہور آگیا — شائی ہے اس نے جنگ خاص و عوام سے

لٹھ ہاتھ میں لئے ہوئے لڑتا ہے چوکھی — ہندو تنگ راجپوت سے اخبار عام سے

میدان "جہ نلزم" کے جتنے سوار ہیں — تنگ آ گئے ہیں اس فرس بدلگام سے

ایسے بھی ضلعدار ہیں جہلم کی نہر پر — آباد کار کانپتے ہیں جن کے نام سے

بیچارے کاشتکار کا گھر لوٹ لوٹ کر — کوٹھے سب اپنے بھر لئے ہیں مفت خام سے

چمڑی ہی خواہ اتار کے دینی پڑے اسے — ہے لالچی کا کام ملا اپنے دام سے

ان لالچی سے وقت پہ کیا ہوتی پوچھ گچھ — گیہوں گڑ اور کپاس نکلتی گدام سے

موجود اب بھی ریل کی ہیں چند بلٹیاں — منکر نہیں ہیں اپنی جو تو اور فرام سے

حاسد کے تن بدن میں حسد کی لگی ہے آگ — اک اک شرارہ چھوٹتا ہے اک اک مسام سے

یہ آگ وہ ہے جس کی جلن لاکھ تپ سے — بڑھ کر ہے تپ دق و حاویہ کے اضطرام سے

کرے گداز صبح گداز حسود سے — پگھلا یہ صبح سے وہ پگھلتا ہے شام سے

اک یونیورسٹی ہمیں خود اپنی چاہیے ہو یادِ تازہ قرطبہ جس کے نام سے
ملتا نہیں وہ علم ترستے ہیں جس کو ہم بیگانہ بوئے گل سے ہے ہمارے مشام سے
ممکن نہیں کہ قوم کی اصلاح ہو سکے تدریس و درس حال کے بگڑے قوام سے
نوکِ زباں ہیں مارسڈن اور لتھبرج کے نام ہم بے خبر ہیں طبری و ابن ہشام سے
بیت الصنم کو آنکھ کے بل اور سر کے بل جاتے ہیں کبھی کاٹ کے بیت الحرام سے

مشہد میں روحِ امام کی ہے تلملا رہی محشر بپا ہے روس کے طرزِ خرام سے
روضہ سے حالِ زار ہمارا نکل کے دیکھ فریاد کر رہے ہیں مسلماں امام سے
آزاد جس زمیں میں کل تک تھے اہلِ دیں آج اُن کا حال اس میں ہے بدتر غلام سے

یحییٰ اطالوی کی نگہ میں تڑپ گئی جب تیغِ تیز ترک نے کھینچی نیام سے
چمکا طرابلس میں ستارہ وہ صبح کا تھے جس کے انتظار میں بیدار شام سے
اور یہ ستارہ پیش روِ آفتاب ہے ہوگا جو اب طلوع حجابِ ظلام سے

آگاہ رازِ قوتِ اسلام سے بھی ہو کل شب کیا سوال یہ دل نے شام سے
یہ قوتِ یگانہ، دیا شام نے جواب سیم اور زر سے بنتی ہے روز قیام سے

الصلح خیر

نواب ذوالفقار علی خاں کو چھیڑ کر
عزت رہی سہی بھی گنوا بیٹھے لاجپت

پھرتے ہیں دم دبائے ہوئے لومڑی کی طرح
پنجاب کے ببر کی بنائی گئی وہ گت

بیگانۂ عقل سے ہے بنارس میں مالوی
بمبئی کی تال پور ہیں ماری گئی ہے مت

ہے ہیچ اور ملاپ میں نسبت تو سب کی
وہ بھوت کا نچوڑ ہے یہ کالیوں کا ست

وہ ہندسے ماتر جو کبھی تھا وطن پرست
اب کانگریس کی کرنے لگا وہ بھی منقصت

دھرپت پہ گا رہا ہے دیانندیوں کے گن
بھیشم کو بھی سماجیوں کی پڑ گئی ہے دھت

ہندو سبھا کے کام نہ آئیں کے شت شنات
چندہ بنا یہ پڑ گئی جو خیانت کی ایک چپت

پرشوں کے سنگٹھن سے نہ جب کچھ بھی بن سکا
اب دیویوں کو کرنے لگے ہیں وہ سنگٹھت

ٹامی سے لڑ سکیں جسے ملتا ہے روز بیف
ہے دال کھانے والوں میں اتنی کہاں سکت

سارے کفر کینے جمع ہیں تیرے ہی سینہ میں
اسلام کا حساب ہے اس بنک میں چلپت

آندھی ہے اس کی تاک میں اقبالِ غیب کی
جس ڈھائی دن کے جھونپڑے کی آڑ میں چھپت

"فوارہ چوں بلند شود سرنگوں شود"
شدھی کی رسم بھی ہوئی ہے ودیعت ہی ملت

کلکتہ تجھ کو شملہ سے بھیجا سری نواس   بنگر کہ از کجا بکجا می فرستمت

سن لیں پیام ہم سے بھی "الصلح خیر" کا   وہ سب سناتنی جو ہیں بھگوان کے بھگت

سکھوں سے دشمنی کوئی اسلام کو نہیں   اسلامیوں کے بھائی ہیں جو خالصہ ہیں نت

پرتاپ کے لیے نہیں باقی بچا کوئی

تھی اتنے قافیوں ہی کی اس نظم میں کھپت

۱۳ نومبر ۱۹۲۴ء

ہندو

ہر ایک پرش ہو بھارت کا ہمسرِ ٹیگور   ہر استری کا تخلص سروجنی ہو جائے

ہر ایک شہر میں ہو دیا کا دان اتنا   کہ ملک بھر میں جو کنگال ہے دھنی ہو جائے

کرشن اور یدھشٹر بنے ہر اک بالک   ہر ایک کنیا سیتا و پدمنی ہو جائے

نہ امتیاز رہے ذات پات کا کچھ بھی

ہر ایک شودر کی لڑکی برہمنی ہو جائے

۹ دسمبر ۱۹۱۲ء

مالوی جی اور اُن کے سمدھی

مالوی جی اگرچہ شدھی کے علم بردار ہیں
پاسیوں کے اور چماروں کے بڑے غم خوار ہیں

بھنگیوں کے ساتھ بھوجن چھکنے سے جن کو ہو عذر
آپ ہو جاتے ہیں اُن کے گلے کا ہار ہیں

دے چکے ہیں آپ کو درشن کنہیا اور کپل
آپ کی نظروں میں پرمیشر کے سب اوتار ہیں

آپ کو ان دیوتاؤں نے دیا ہے یہ پیام
خوش ہیں ہم ان سب سے جو کرتے اچھوت اُدھار ہیں

الغرض اٹھے ہیں لے کر آپ جھنڈا دھرم کا
منتظر جس کے حرم کے بھی در و دیوار ہیں

لیکن اپنے کنبے والوں سے ہے اُلٹا ہی سلوک
اپنے سمدھی تک سے آپ آتے نظر بیزار ہیں

گو ہے باہر کیا داماد کیوں اُس نے پسند
اس خطا پر اُس کو دکھلانے لگے پیزار ہیں

مرتے دم سمدھن کی صورت تک نہ دیکھی آپ نے
آپ کی آنکھوں میں پھول اُس کے ابھی تک خار ہیں

اُس کی ارتھی لے کے جو شمشان بھومی تک گیا
برہمن بھی تھا تو اس سے جنگ کو تیار ہیں

کیا یہی وہ سنگٹھن ہے جس کا جھنڈا تھام کر
مالوی کرنے چلے جاتی کا بیڑا پار ہیں

اس دھرم سے کیا ڈریں گی ہمتیں اسلام کی
جس کے گھر میں لعنتوں کے اس قدر انبار ہیں

ڈاکٹر کچلو

مچا رکھا ہے غل پنجاب کے جنت پسندوں نے
کہ دشمن قوم کے اور ملک کے ہیں ڈاکٹر کچلو

کوئی گالی نہیں ایسی جو اُن کو دی نہ جاتی ہو
مسلط ہو گئے ہیں جب سے مسلم لیگ پر کچلو

یہ تعلیق و پھبتی اُن پہ ہر محفل میں اڑتی ہے
کہ جیتے جی ہیں اگر جینا تو ہیں عیسیٰ کے خر کچلو

کہوں فرطِ غضب سے کٹ کٹا کر دانت کہتا ہے
کچلنا چاہیے جس کو ہے اُس فتنہ کا سر کچلو

کبھی پھیکی نہ پڑتی جلسۂ لاہور کی رونق
لگا دیتے اگر اٹھ کر نہ کلکتہ کی ڈگر کچلو

غرض جب سنگ میں دیکھو جہاں ڈھونڈو وہیں ہیں
یہاں کچلو وہاں کچلو ادھر کچلو اُدھر کچلو

یہ عزت پا نہ سکتے گر نہ اتنی گالیاں کھاتے
گن اُن کے گائیں گھر میں بیٹھ کر اب عمر بھر کچلو

رجعت پسندانِ لاہور کی طرف سے سائمن کمیشن کی حمایت

لاہور میں سائمن کمیشن کی آمد پر ۲۰ فروری ۱۹۲۸ء کو ہڑتال ہوئی۔ سر محمد شفیع، ڈاکٹر اقبال، سر ذوالفقار علی خاں اور سر عبدالقادر وغیرہم نے ہڑتال کو ناکام بنانے کے لئے اس مضمون کے اشتہار اپنے دستخطوں سے شہر کے در و دیوار پر چسپاں کرائے کہ ہڑتال مسلمانوں کے حق میں سخت مضر بلکہ مہلک اور خودکشی کے مترادف ہے۔ اس پر ذیل کے اشعار پیرزادہ نظم کئے گئے۔

مانگ کر امداد رجعت پسندی کی کمال — قبر آزادی کی کھودی کس نے؟ سر اقبال نے

دشمنانِ ہند کو خوش کرنے کی خاطر شکست — آپ اپنی قوم کو دی کس نے؟ سر اقبال نے

کاٹ لی پنجاب کی ناک اپنے ہاتھ سے — آبروئے ملت کی کھو دی کس نے؟ سر اقبال نے

تھی ضرورت جس کو وہ ہمسایہ آئے نظر میں — شوق اور اپنی مجبوری کس نے؟ سر اقبال نے

ہند کے ناموس کی تذلیل سے لاہور میں — بھر دی انگلستان کی گودی کس نے؟ سر اقبال نے

کہہ رہے تھے ڈاکٹر عالم یہ افضل حق سے آج
قوم کی لٹیا ڈبو دی کس نے؟ سر اقبال نے

۲۴ فروری ۱۹۲۸ء

میرزا ہادی علی بیگ اور پوجیہ پاد مالوی جی

وطن سے نوکری کی جستجو میں بنارس کو گئے ہادی علی بیگ
جہاں چرچا ہے گھر گھر وِدّیا کا چڑھی رہتی ہے مایا کی جہاں تیگ

برستی ہے جہاں دولت چھنا چھن
پرکھتی ہے جسے "جالی" کھنا کھن

بچارے میرزا ہادی علی بیگ سنا کرتے تھے یاروں سے وطن میں
کہ سب سے کے پوجیہ ہیں مالوی جی ہیں ساجھی خویش و اغیار اُنکو دھن میں

ہیں شیخ و لالہ ایک اُن کی نظر میں
اگر ہوں ایک سے فضل و ہنر میں

یہ پوچھا آپ نے ایک ابرٹے سے کدھر ہے مالوی جی کی حویلی
کہ لایا ہوں یہاں اُن کے لوٹنے کو جو ہیں کی وِدیا کے گُڑ کی بھیلی

خدا شرمائے ایسے حسن ظن کو
جو حبل اللہ سمجھے شاطرن کو

مغل تھے اور وہ بھی رام پوری ‏ ‏ رگِ گردن میں اسلامی اکڑ تھی
اِدھر بازو میں تھا تنکا نہ کس بل ‏ ‏ اُدھر پنجہ میں افغانی پکڑ تھی

انہیں دیکھا تو جاتی تھی کے مہابیر
یہ سمجھے سر پہ آپہنچی ہے تقدیر

بھبھوکے سے پکارے مالوی جی ‏ ‏ نکالو اِس مُسلٹے کو یہاں سے
ملیچھوں کا رہے پھاٹک پہ کیا کام ‏ ‏ اسے پہنچاؤ آیا ہے جہاں سے

لگے سرکار کی دینے دہائی
کہ ہے یہ دہلوی غازی کا بھائی

بنارس میں مچا کہرام گھر گھر ‏ ‏ لرزنے لگ گئے شدھی کے چیلے
یہی کہتا تھا ہر ہندو کہ ہے رام ‏ ‏ بچا اِس کو کہ آپہنچے رہیلے

پولس کی دوڑ پہنچی سن کے یہ غُل
کہ ہو جائے نہ شدھی کا کہیں قُل

کیا قابو بچارے میرزا کو ‏ ‏ کہ شاید کوئی خنجر ہو بغل میں
تلاشی میں مگر کچھ بھی نہ نکلا، ‏ ‏ کھلی ساری حقیقت پل کے پل میں

فضیلت کی سند تھی یا قلم تھا
یہی ملزم کا پستول اور بم تھا

مگر بیکل تھے اب بھی مالوی جی ‏ کسی ڈھب بندھنی پاتی تھی نہ ڈھارس

کہے جاتے تھے کیا معلوم تم کو ‏ کہ یہ تغلق بھی ہو دراصل سازش

کئی دن تک رگیدا اور جھنجھوڑا

پولس نے جب کہیں مرزا کو چھوڑا

کوئی اس سادہ دل مسلم سے پوچھے ‏ صلابت خانہ میں تھا کیا ترا کام

گیا کیوں آستان کفر پہ تو ‏ ترے آگے تھی جب دہلیز اسلام

نہیں قشقہ لگا سکتا جبیں پہ

تو کر صبر اپنی ہی نان جویں پہ

۔ جون سنہ ۲۷ء

شدھی

یکایک کی ہے گم پتا تما نے ‏ ان اندھی کوپری والوں کی شدھی

نہیں مسلم بھی بن سکتا ہے کافر ‏ کبھی مومن بھی ہو سکتا ہے شدھی

نمدا

"بھیشم" کی پہلواڑی میں پروفیسر لالہ گلشن رائے ایم۔ اے نے ۱۰ جون کو ایک سنیاگل کھلایا اس کی بہار ملاحظہ ہو :-

> خواجہ حسن نظامی کے اخبار میں جو یہ خبر نکلی تھی کہ "شدھ ہو جاؤ اور پسند کرلو" وہ در اصل سخت دل آزار اور ہتک آمیز تھی اور بظاہر بے بنیاد۔ وہ نکلی بھی بے سر و پا جس کے لئے خواجہ صاحب کو اپنے اخبار میں گڑ گڑا کر معافی مانگنی پڑی۔ بہت ترسے گیدی کی دُم میں نمدا !

لالہ گلشن رائے اب تک نہ جانتے ہوں گے کہ ان کی لالایانہ نثر کے آخری فقرہ نے خود بخود ایک مصرعہ موزون کی شکل اختیار کر لی ہے۔ جس کی سنر نمانہ برجستگی پر پہلا حق شاعری کا ہے کہ وہ قیامت تک ان کے حصہ میں نہیں آ سکتی۔ پھر بھی ہم ان کے الفاظ کی کورانہ موزونیت کے ممنون ہیں جس نے ذوق سلیم کو ذیل کا پھڑکتا ہوا ترانہ سجھا دیا۔ لالہ صاحب ناراض نہ ہوں۔ ہے یہ گنبد کی صدا جیسی کہے ویسی سنے۔

سُندر ناریوں والی لاری جب ہوئی ثابت اصل سے عاری
خواجہ نے فوراً کر دی تلافی مانگ لی لالاؤں سے معافی
صبر انہیں لیکن پھر بھی نہ آیا جاتی کا بچھڑا یوں ڈکرایا

بہت ترسے گیدی کی دم میں نمدا

مُریوں کی اس گالی کے صدقے — جاتی کی اس رکھوالی کے صدقے
خواجہ جو ہیں سچ بات کے عادی — وہ بھی نہ کردیں کیوں یہ منادی
سُن کے جسے سر پیٹ لیں لالہ — بہت ترے نخرے میں گرم مسالہ

بہت ترے گیدی کی دُم میں ندا!

آئی ہے جب سے دیش میں شُدھی — ماری گئی ہے جاتی کی بُدھی
ہے کہیں لاٹھی ہیں کہیں اینٹیں! — اڑتی ہیں جن سے خون کی چھینٹیں
مار ترے ان غمزوں نے ڈالا — بہت ترے نخرے میں گرم مسالہ

بہت ترے گیدی کی دُم میں ندا!

جاتی اگر بس خود ہی نہ ہوتی — لالہ کی دھوتی ڈھیلی نہ ہوتی!
پہلے جب اُس نے ہم کو ستایا — ہم نے بھی اُس کو ناچ نچایا
دل کا بخار اس طرح نکالا — بہت ترے نخرے میں گرم مسالہ

بہت ترے گیدی کی دُم میں ندا!

---

۱۳ جون سنہ ۱۹۲۷ء

سپاس نامہ

دیوتا سروپ پنڈت مدن موہن مالوی کے پوتر چرنوں میں

"پرتاپ" کی زبان اور "زمیندار" کے قلم سے

اوم

(۱)

ہر سبھا میں ذکر ہے پنڈت مدن موہن ترا
نام سورج کی طرح اخبارات میں ہے روشن ترا

اس نے گویا سرب شکتی مان کا دیکھا سروپ
جس نے اٹھ کر منہ اندھیرے کر لیا درشن ترا

تو کھویا ہے تو کیا ڈر ہے دھرم کی ناؤ کو
شنکراچارج نے بھی سیکھا نہیں تھا فن ترا

تیر تیرا بے کماں ہے زخم تیرا بے نشاں
ناوک اندازی میں کیا ہوگا سہیم ارجن ترا

تیری جاتی تیرے احسانوں کو گن سکتی نہیں
بندہ و دل پہ ہو چکا قربان تن من دھن ترا

تیرے اس اپدیش نے کایا پلٹ دی ہند کی
شکل ایکے کے بغیر اب دیش ہے پالن"!

کر لیا جاتی نے جب ایکا تو شکتی آ گئی
آ گئی گر شکتی تو ہو سکتا نہیں کھنڈن ترا

ایک ہی مت ایک ہی بولی نہ ہو جب تک تری
راج کے پربت پہ جم سکتا نہیں آسن ترا

دیش کے اُپدیش دے دے کر جگاتا رہ یونہی
رات دن بھائی کی ہمت کو بڑھاتا رہ یونہی

(۲)

ہند کی رونق نہ ترکوں سے نہ افغانوں سے ہے
بلکہ تجھ سے اور تجھ ایسے دیا والوں سے ہے

بیکنٹھ دوت اترا ہے اندر لوک سے کاشی میں آج
اور پیام اس کا سنا میں نے بھی ان کانوں سے ہے

وقت آ پہنچا کہ پھیلا دو ہری سو بھارت کی ہری
جو خود آرائی میں بڑھ کر گلستانوں سے ہے

وقت آ پہنچا کہ نام اچھلے پھر اس تہذیب کا
جس کی ہستی ہے اگر قائم تو بت خانوں سے ہے

وقت آ پہنچا کہ شدھ ہو جائیں سارے اچھوت
گو کمی اب تک دھرتی جن کے فسانوں سے ہے

وقت آ پہنچا کہ اپنوں کو یہ آ جائے سمجھ
اختلاف اس ملک میں جتنا ہے بیگانوں سے ہے

ہے یہ سب پاکھنڈ یہ بلا ہوا توحید کا
دیش میں جتنی خرابی ہے مسلمانوں سے ہے

مار اک پھونک اور بجھا دے مشعل اسلام کو
سونپ دے دنیا یہ مقدس کام منشی رام کو

۲۳ اپریل سنہ ۱۹۲۳ء

چند دل نشیں نکتے

گورنمنٹ پنجاب کے حکم سے — بڑھا دی گئی ہے مدارس کی فیس

مبارک ہو خواجہ احمد شاہ کو — اور اُن کو جو ہیں خواجہ کے ہم جلیس

نہ تعلیم اب پا سکیں گے عوام — جہالت غریبوں کو ڈالے گی پیس

بہت آج کل ہے گراں نرخ علم — ہیں اشراف انیس اور اجلاف بیس

نہیں شوق امیروں کو تعلیم کا — غریبوں کو ملتی نہیں آہ! فیس

ہے لڑکا زمیندار کا پا بگل — کرے کیا وہ بنٹے کے بیٹے کی ریس

بڑا ہو کے چٹخائے گا جوتیاں — بنے گا کسی ناسزا کا سئیس

یہ حالت جب آتی ہے مجھ کو نظر — تو رہ رہ کے اٹھتی جگر میں ہے ٹیس

یہ گتھی جو سلجھائیں سرلوی ڈین — تو دیں گے زمیندار ان کو اسیس

ہیں تو بارہ قبیلوں کے اس عہد میں — کہ ہم تو رعیت ہیں اور وہ رئیس

سب ہیں کچہری میں سر رشتہ دار — تو ہیں سارے صاحب عرائض نویس

انہیں ہم نے جانا تھا گوبر گنیش — مگر یہ تو نکلے بڑے ہی فنز بیس

کیا غلط ہے جو سمجھ دل کھول کر　　سمجھتے تھے ہم لالجی کو نفیس!

جسے آپ کہتے ہیں ہندی زباں　　حقیقت میں وہ ریختہ ہے سلیس
کئی ان کو ہیرے کی کھانے کو دو　　جو ہیرا کو سمجھے ہیں ہیرا کسیس
مجھے وہ زباں سیکھنے کی کہاں　　کہ میں ہوں پیدا ہوا داغ و نفیس

زمانہ مراد دے تو ہم سب ہیں
گزر جائے دو سال تو پانچ تیس

۷ مئی سنہ ۱۹۱۱ء

شام راج

یہ تو ممکن ہے کہ پنجاب میں اسلام کا راج　　یہ نہیں ممکن کہ دہر پرستانہ ہو یہاں شام راج
یوں تو ہے لاہوتی دین و مسلماں کی بہشت　　اٹھ نہیں سکتا قیامت تک بھی یاد شام راج

آزادی اور غلامی

آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس کلکتہ کے موقع پر سائمن کمیشن کے مقاطعہ کا فیصلہ ہوا۔
اور سر شفیع کی جماعت نے اس فیصلے سے ناراض ہو کر اپنی مسلم لیگ الگ بنا لی۔

نہیں جن کو ملی توفیق اقدام عمل اب تک
ہے مرکز آج کل لاہور ان جدت پسندوں کا

ہمالے سے بھی اونچا لگ رہا ہے ڈھیر ادنیٰ پہ
وفاداری کے دفتر میں خوشامد کے پلندوں کا

کھلایا ان کو جب سینہ در افضل حق کی منطق نے
تو ٹینے لگ گئے کھسیانے ہو کر طعنہ چیندوں کا

کلیسا کے یہ پیوستہ آزادی کی کیا جانیں
مقام اس جذبہ کا ہے دل حرم کے دردمندوں کا

مبارک رہتی دنیا تک غلامی ان کو غیروں کی
جنہیں کتنا نظر آتا ہے دشوار اس کے پھندوں کا

وطن کی آبرو کے یہ حریف اچھی طرح سن لیں
کہ رب کعبہ کو پیارا ہے ناموس اپنے بندوں کا

---

۳ جنوری ۱۹۲۹ء

فاعتبروا یا اولی الابصار

نظر آتے ہیں اب تک بھی مسلمانوں کی محفل میں
کہیں شاعر کہیں بہروپ کہیں بھانڈ اور کہیں ہنڈی

حریف گرم و کلکل سے چڑھ دوڑا دریشے پہ
مگر ان سے نہ ٹے ہے پڑتی یا سر کی ٹنڈی

خدارا ان کی آنکھیں مولوی احمد مسلی کھولیں
دکھائیں گلشن کی ان کو لہراتی ہوئی جھنڈی

پھر ان کو لے چلیں شدھی کے جیونگی دکانوں تک
چلن جن کا ہے سودا تولنا اور مارنا ڈنڈی

خبیثین اور خبیثات آج کل ہیں خوب زوروں پہ
اگر ہے شانِ مومن تو شدھی بھی ہے ٹھنڈی

جنہیں لینی ہو گالی لے لیں پیتا پیٹ آئے ہیں
لیے ستار کی ہے بھاؤ اپنا کفر کی منڈی

خدا محفوظ رکھے ان دیانندی حریفوں سے
قیامت کی ہے چال ان کی بلا کے ہیں یہ پاکھنڈی

ہر اک ہندو کی ناٹی میں خدا نا تیر ہوتی ہے
ملا بند رکو کاشی اور ملی سلمیٰ کو تلونڈی

---

١٥ جون سنہ ١٩٢٦ء

سمندِ انور

کرے گا کیا وہاں جنرل[1] کنیاوا
جہاں بگڑا ہو سب آوے کا آوا

پڑھاتے ہیں انہیں پٹی جبنا کی
وہ پاپا جو کہ ہیں ان سب کے باوا

گلاٹی[2] نے ٹرپلی پر صد افسوس
کیا شیطان کی شہ پا کے دھاوا

کیا دجال نے اٹلی میں جا کر
وہاں ظلمت حرص و ہوا وا

چلا تازی سے لڑنے کو خرِ لنگ
قضا نے اس کو بھیجا ہے بلاوا

بچے گا کوئی دم میں کوہ اٹنا!
بہا دے گا تمام اٹلی میں لاوا

لڑائی کی خبر سن کر ہے بیکل
مسلمانانِ ہند و چین و جاوا!

شکستوں پر شکستیں کھا رہے ہیں
ہیں ریوٹر کی یہ سب خبریں بناوا!

ہوئی پتلون ڈھیلی آبری[3] کی
دیا گھوڑے کو جب انور نے کاوا

غزا کا شوق اور عشقِ شہادت
مسلمانوں کو دیتا ہے بڑھاوا

۱۹۱۲ء

---

[1] اطالوی سپہ سالار [2] وزیر اعظم اٹلی [3] اطالوی امیر البحر

محمدؐ علی

نہ چھوڑا ابھی تک محمد علی کو
نہ پرکھا سکے آپ میری گلی کو

یہ کہہ دے گورنمنٹ سے کوئی جاکر
خفی کو نہ ترجیح دیجئے جلی کو

سیاست کے رہبر تو لازم نہیں ہیں
سڑک پر چلے اور چھوڑے گلی کو

پسند آپ کو جائیں اور آپ ان کو
کہ سمجھا تھا سب نے ولی ہی ولی کو

مجھے ہے تو بس اپنے قرآں سے مطلب
میں کیا جانوں صاحب کی پالیٹکلی کو

شکر بانٹتے آپ پھرتے ہیں گھر گھر
ترستے ہیں مصری کی ہم اک ڈلی کو

۲۵ ستمبر ۱۹۱۴ء

ہاتھی کے دانت

سوامی شردھانند کے قتل نے ہندوؤں اور مسلمانوں کے تعلقات میں جو خوفناک کشیدگی پیدا کر دی تھی، اُسے دور کرنے کی بجائے کوشش کرتے ہوئے پنڈت مدن موہن مالوی اور لالہ لاجپت رائے نے ۶ جنوری ۱۹۲۷ء کو ہندوؤں کے نام حسب ذیل پیغام شائع کیا۔

"ہم ہندوستان بھر کے اور بالخصوص پنجاب اور دہلی کے ہندو اخبار نویسوں کو ہدایت کرتے ہیں کہ وہ سوامی شردھانند جی کے قتل کے متعلق رائے زنی کرنے میں نہایت ضبط اور تدبر سے کام لیں اور چند دن تک اس واقعہ کی سرکاری تفتیش کے نتیجہ کا خاموشی سے انتظار کریں۔"

اس ہدایت کی تعمیل ملاپ نے ۱۰ جنوری کی اشاعت میں یوں کی۔

"آؤ اے ہندو بھائیو! جہاں ہم نے شری سوامی شردھانند جی کا ماتم منایا ہے وہاں ہم اس امر کی کوشش کریں کہ جس سے اُن دشمنوں کے سارے منصوبے خاک میں مل جائیں جنہوں نے شری سوامی شردھانند جی کو شہید کر کے یہ سمجھ لیا ہے کہ انہوں نے شدھی اور سنگٹھن کے سرکردہ رہنما کو مار لیا ہے۔ مخالفوں نے چھروں اور پستولوں کے ذریعہ ہمیں صاف اور واضح چیلنج دے دیا ہے۔ اب ہمارا فرض اولین ہے کہ ہم اس چیلنج کو سب سے بڑائی سے قبول کرتے ہوئے [illegible] شاندار آگے بڑھتے جائیں۔ اور اس وقت تک دم نہ لیں جب تک اپنے تمام گمراہ بھائیوں کو شدھی کا امرت اور آب حیات نہ پلا لیں۔"

لالہ لاجپت رائے کے اخبار بندے ماترم میں ۲۶ جنوری والی ہدایت پہ یوں عمل کیا گیا۔

کون کہتا ہے سوامی مر گئے ہرگز نہیں! | موت کے پردہ میں مرنا اک بہانہ ہو گیا
ورنہ کرنے کیلئے شدھی گئے افلاک پر | اہل جنت کی بھی شدھی کا بہانہ ہو گیا
جنت الفردوس میں شدھی کی لہریں دیکھیو | کھل گیا رستہ اُدھر کا آنا جانا ہو گیا
چرخ ہفتم پر بھی آخر گڑ گئے شدھی کے کیمپ | واں بھی استادہ ہمارا شامیانہ ہو گیا
نت نئی ہو کر مرتب جائے گی شدھی کی فوج | قائد سالار پہلے ہی روانہ ہو گیا

عاصی جنت والے بھی ہندو بنائے جائیں گے
سوامی شردھانند کا وہاں بھی گھرانہ ہو گیا!

بس ان آزاد صاحب کے گورو ستر خرافات سے متاثر ہو کر اشعار ذیل سپرد قلم کئے گئے۔

کوئی مالوی جی سے جا کر یہ کہہ دے | ستانے ہوؤں کو اگر تم نے چھیڑا
تو نکلے گا بے اختیار اُن کے منہ سے | کرو غرق تم نا میں شدھی کا بیڑا
انہیں پاؤ گے ہو کے آپ لڈو | جنہیں آپ سمجھے ہیں متھرا کا پیڑا
سلا دو گے جاتی کی چھاتی کو کس سے | اگر تم نے ایک ایک ٹانکا اُدھیڑا
کہ ملا ایک لائیں گے اچھی تو سب ہی | اگر کوئی مردہ جو تم نے اکھیڑا

جہانگیری دین برحق کی زد سے بچے گا نہ بھارت کا کوئی بھی کھیڑا

ہیں ہم تم سے خوش اور ہمارا خدا خوش
اگر چھوڑ دو سنگٹھن کا بکھیڑا

۸ جنوری ۱۹۲۷ء

نوکاہات

عشائے ربانی

ملوکیت کی ربانی عشا میں
شراب ناب ہے پنجاب کا خون

یہ ہے وہ مسائیں کی حقیقت
بتا دیں گے ملک زیرِ زمان یوں

کیا کرتے تھے قربانی کی تلقین
جنہیں ازبر تھے آزادی کے مضمون

مگر جب امتحاں کا وقت آیا
تو ڈھیلی ہوگئی یاروں کی تپلون

جان بل کا حشر

لگا جب سنکھ بجنے سنگھٹن کا
پھٹے جب کان اس کے شور و غل سے

تو ایوانِ حکومت میں پہنچ کر
کہا بدھو میاں نے جان بل سے

مری اک عرض سن لو بندہ پرور
اگر فرصت ہو تم کو جان بل سے

جسے تم بھیڑ ہیں سمجھے ہو بے دل
نہ تم کو بھی کہیں تان اس کی جھلسے

کریں گے مالوی جی تم کو محروم
کسی دن اختیارِ جزو و کل سے

پکڑ کر کان شردھانند جی پھر
گزاریں گے تمہیں شدھی کے پل سے

لہکتا دیکھ لو گے لالہ کا باغ
جو پھولے گا تمہاری فصلِ گل سے

ہمیں تو کچھ نہ کچھ پھر بھی ہے امید
نزولِ رحمتِ ختمِ رسل سے

مگر تم ان مہا بیروں کی ہاتھوں
بچو گے کس طرح اور کس سبل سے

کلوا تا گلو

فی البدیہہ

ہیں الاسکلہ جیسے کا منہو کا : سبق رٹ رہا تھا کلوا تا گلو کا

نیستانِ وحدت کا ساقی شہرت پلا دے مجھے بادۂ لاتقنطوا کا

پشاور کو ہجرت نے خالی کیا ہے وہاں جا کے دیکھا تو عالم تھا ہو کا

شہادت کے خوں سے کہا رب نے لازم مزا چکھ لیا ہے مجھے اس وضو کا

دکھائے مجھے کا اللہ نصرانیوں کو تماشا حباب لب آب جو کا

کہا پڑھ کے لبیک ازبیوں نے وہاں جب گیا قافلہ جنگجو کا

بنا دے کی مار کو اسلم یہ ہجرت
چھپا جس میں ہے راز حق سرہ کا

۲ جون سنہ [illegible]

چندہ کا صحیح مصرف

لکھا ہے "خلافت" نے کہ چندہ کی ضرورت — ہرگز نہیں قندھار کے اربابِ وفا کو
قندھار کو جانا بھی نہیں مصلحتِ وقت — کیا جانئے منظور ہو کیا اُن کی ادا کو
مانا کہ فسحِ بیرت فرنگی کی فضا بھی — کیا پہنچے کی چوپائی کی جاں بخش ہوا کو

چندہ ہی اگر آپ کو دینا ہے تو صاحب
دلوائیے کچھ آج خلافت کے گدا کو

۲۳ مارچ سنہ ۲۹ء

آئینہ

پوچھا انہوں نے ہنس کے یہ مجھ سے براہِ طنز — جب کرنے آئے جیل کا اک دن معائنہ
کیسی ہے اور کہاں ہے حکومت کی شیطنت — میں نے کہا جواب میں پیش اُن کو آئینہ

لیڈر کی نوعیت

لیڈر کیسے اور کس قسم کے ہونے چاہئیں؟ شاعرانہ تمثیل کی دنیا سے اس سوال کا جواب لیجئے:-

جناب سنسر کا قول ہے:-

لیڈر تو نام ہے قلم احتساب کا — لیکن قلم میں لغزشِ مستانہ چاہیے

سی۔ آئی۔ ڈی کا ارشاد ہے:-

لیڈر وہی ہے جس کو ہو سی۔ آئی۔ ڈی کا ڈر — خوفِ خدائے پاک اسے اصلا نہ چاہیے

کبیدہ خاطر معتقدیانِ قوم فرماتے ہیں:-

فرزانگی کی قدر نہیں اس زمانہ میں — لیڈر اس اعتبار سے دیوانہ چاہیے

مسلم لیگ کے ریزولیوشن متعلقہ ذبیحہ گاؤ کے نکتہ چینوں کا گروہ ازراہ تعریض پکارتا ہے:-

لیڈر وہ ہے جو گائے کی سیوا کیا کرے — لیڈر کو گھاس چاہیے اور دانہ چاہیے

ایک ہمدرد آواز آتی ہے:-

ہے لیڈری کا لازمہ دعوئے ہوم رول — گیسوئے لیڈری کو یہی شانہ چاہیے

ایک مسلمان آواز کا دعویٰ ہے :-

لیڈر وہ ہے جو دینِ محمدؐ پہ ہو نثار — لیڈر نبیؐ کی شمع کا پروانہ چاہیئے

عوام الناس کا خیال ہے :-

جو ڈر گیا ہو قید سے اور تازیانے سے — لیڈر ہماری قوم کو ایسا نہ چاہیئے

بونڈلا کی منطق

شرابِ مغرب کا ساقی اِدھر بھی ایک گنڈلا — ادا کہ جس کے خم سے خُم ہو سرشار بونڈلا

مجھے کے جام میں منظور ہے تجھ کو جہاں پینی — تو میکش کے لئے جا لے ہے کا سہرا

رسول اللہ کے دربار میں گر نذر دینی ہو

تو مسلم کے جگر سے لال اور آنکھوں کے گوہر لا

سول اینڈ ملٹری گزٹ اور بلدیہ لاہور

سول نرش ہو کہ رعب اس وقت ہے برقرار اس کا
ابھی تک دبدبے ہیں ساتھ دہلی کے چار اس کا

کسی کو گالیاں دینا کسی پر پھبتیاں کہنا
کسی کا منہ چڑا دینا ہے کچھ ان سے شعار اس کا

لٹکوا دے نہ سر بازار ہر ممبر کو سولی پر
اگر بلدیۂ لاہور پر ہو اختیار اس کا

ابھی تک جانی والد دیا کرتا تھا کچھ پیسے
[illegible]

تہی دستی پہ بھی خالی نہیں ہے کیسۂ مسلم
عرب اس کا عجم اس کا عراق اس کا تتار اس کا

---

۱۰ دسمبر ۱۹۲۱ء

وطن پرست اور سائنس پرست

سرکار میں ہے مرتبہ جن کا بڑھا ہوا — احرار کی نظر میں ہیں سب گھٹے ہوئے

اغیار کا مقابلہ کیا جب ہمارے دل — ہوں ایک دوسرے کی طرف سے پھٹے ہوئے

آیا ہمارا نام تو سرکار کے غلام — بولے کہ بدمعاش ہیں یہ سب چھٹے ہوئے

ہم نیکبخت نہیں، نہ سہی، بدبخت تو ہیں — میدان جنگ میں ہیں ابھی تک ڈٹے ہوئے

وہ سائنس پرست ہیں ہم ہیں وطن پرست — ان دو پرستشوں کے ہیں حلقے بٹے ہوئے

کیا کم ہے یہ شرف کہ سبق جی حضور کا
کچھ ان سروں کی طرح نہیں ہم رٹے ہوئے

---

۱۷ فروری سنہ ۱۹۲۸ء

انقلاب

انقلاب زمانہ دیکھے گا — کل جو تھے دوست آج ہیں دشمن

قطع رشتے ہوئے اخوت کے — بھائیوں کا بگڑ رہا ہے چلن

جھک گئی تھی جو بار احساں سے — اب اکڑی ہوئی ہے وہی گردن

میرے دامن نے دی پناہ جنہیں — ہاتھ ان کا ہے اور مرا دامن

مجھ پہ چلنے لگی مری ہی سناں — اب وہ ہیں [illegible] اور ہیں [illegible]

ہوتی آئی ہے یوں ہی دنیا میں — رسم ہے روزگار کی یہ کہن

خوب فرما گئے ہیں سعدیؒ — کس نیاموخت علم تیر از من

کہ مرا عاقبت نشانہ نکرد

۱۴ جنوری ۵۴ء

صوبہ آگرہ و اودھ کی اندر سبھا

فاخر کو دلہن چاہئے پیرانہ سری میں — تو تو ہے گرو رنڈ مشاطہ گری کا
زنداں سے ہراساں نہ ہو گلفام ہمارا — وصل اس کو میسر ہے جہاں سبز پری کا

بلرے کوئی جا کے کہے خان بہادر — اے تو کہ خداوند ہے خشکی و تری کا
راجاؤں کو تسخیر کیا ڈال کے ڈورے — شہرہ ہے جہاں میں تری جادو نظری کا
اک تیرے کرشمے سے ہے محمود ایاز آج — انعام ملا باز کو بے بال و پری کا
بس چل نہ سکا کس لئے تیرا املا پر — الزام دیا ان کو جو شوریدہ سری کا

جب تو ہے کہ فاخر کو بھی تسخیر کرے تو
ہم کو بھی یقیں آئے تری باخبری کا

---

۱۲ مئی سنہ ۱۹۳۰ء

فلسفۂ فرنگ

قامتِ شرق پہ بھی راست آئے تو ایک بات ہے
یوں تو ہے جامہ دریدہ زیبِ فلسفۂ فرنگ کا

رشتۂ سوزنِ یقیں درخورِ رفو نہیں
تارِ قلیل اور ہیں بخیے قبائے تنگ کا

مجھ کو کیا جب بایکاٹ صوفیِ نقشبند نے
کھینچ کے نقشہ رکھ دیا مغربیوں کی جنگ کا

گوہرِ شاہوار لو موجِ ہزار رنگ سے
گر ہو نکالنے کا شوق خوف نہ کر نہنگ کا

۰ نومبر ۱۵ء

لاہور میں سر جان سائمن کا استقبال

سوانگ ہے نرالا سائمن کا
جیسا آتے ہی بولا ڈھائی من کا

یہ گولا اسکولا بم نہیں ہے
مگر نیت میں یہ بھی کم نہیں ہے

گائے اور باجے پہ ہی موقوف اسکی صلح و جنگ　　　پوچھنا کیا ہند کی تعتِ دیرینہ رنگ کا

پھیر دیتے جانی کے گھر میں اگر مسجی نے لٹھ　　　مالوی جی نے لگایا ڈھیر خشت و سنگ کا

اس کے غل اور شور میں دب جائے گی بانگ اذاں　　　ہے یہ مقصد کرنے کے ساز بلند آہنگ کا

باٹیوں سے جھٹ نکل آئے سبھی سنت گرنتھیے　　　بین کی جھنکار سے گونجا جو ساحل گنگ کا

پرش جانے یوں کھیت اور انکی استریاں چھت　　　دیس ہوگا جب کہیں ہندو سبھا کے ڈھنگ کا

آریوں کی طرح اپنوں سے بھی کرتی ہو جو ضد　　　ہم نشیں تو بھی چڑھا جا اک پیالہ بھنگ کا

ناچتے ہیں جو مسلماں ہندوؤں کے تال پر　　　دل نوازش و جاں ستاں ہے نغمہ ان کے چنگ کا

لالہ جی یورپ گئے اور لیتے آئے امتحاں　　　افترا ہے صریح و عذر ہائے لنگ کا

نخوتِ کلچر اگر لندن کو ارزانی ہوئی　　　یادِ ستہ کاشی تو بھی ڈھیپا بہ اورنگ کا

ہم بھی تو سکتے تھے میٹھی اور سلونی گالیاں　　　پاس اگر ہم کو نہ ہوتا اپنے نام و ننگ کا

صفحہ صفحہ پر ہیں مانی کی نگار آرائیاں
نقطہ نقطہ میرے خامہ کا ہے نقش ارژنگ کا

۲ نومبر ۱۹۳۳ء

شدھی کی آنکھ اور سنگھٹن کا ہاتھ

ایں شوخیٔ چشمش بہ بیں واں دست بے باکش نگر

صدا کل شب یہ آتی مالوی جی کی حویلی سے
تمہاری آبرو کا بھاؤ پانی سے بھی سستا ہے

وہاں جانے کی دکھتی ہوئی رگ حق پسندی کی
بغل میں سنگھٹن دابے ہوئے شدھی کا بستا ہے

ستائش گر ہیں سیوا جی کے بابائے خلافت بھی
جنہیں سمجھے ہیں آگے یہ وہ پونا کا رستہ ہے

گروکل جنبدا ہے اور نیا ہو رہنے سالی
ادھر غالب پہ بجلی ہے ادھر بادل برستا ہے

پڑا ہے سنگھٹن سے اور شدھی سے ہمیں پالا
ادھر اس کو ہٹانے کو بڑھا اودھر وہ ناگ ڈستا ہے

ہماری آبرو کا خون ہے کاشی کی گردن پر
اور اس کے قتل پر پنڈت مدن موہن کا ہنستا ہے

---

۱۳ مئی سنہ ۲۷ء

دار التکفیر بریلی

اودھ کر حامد رضا خاں آئے بدعت کا لحاف
ذات ان کی ہے مجدد بات اُن کی لام کاف

مانچسٹر کے کفن بزازوں سے لایا ہے ادھار
شرک کی انٹی بریلی کا یہ بڈھا نور باف

بیچ میں کھٹمل بھرا گودڑ ہے پھیلا یا ہوا
گر یہ آتا ہے نظر املائے "رضائی" کا غلاف

پیکر طاغوت ہے باپ ہے "رضائے مصطفیٰ"
باپ تھا "اس" لاش کا سر اور بیٹا اس کی ناف

شغل ان کا ہے تفسیق مسلمانانِ ہند
ہے وہ کافر جس کو ہو اُن سے ذرا بھی اختلاف

جب سے چھوٹی ہے بریلی سے کرن تکفیر کی
دید کے قابل ہے اس کا انکشاف و انعطاف

سید احمد خاں پہ سب دشنام کی بارش کہیں
اور کبھی علامۂ شبلی کو گالی دا شگاف

جو حریف اسلام کا ہو آپ ہیں اس کے حلیف
اس کے دشمن آپ ہیں جو ہو نصاریٰ کے خلاف

کاٹ دی کیوں نجد کے خنجر نے زنجیر حجاز
یہ وہ سنگین جرم ہے جو ہو نہیں سکتا معاف

ہم مٹا دیں گے زمانہ سے نشان اسلام کا
بندہ پرور کہہ نہیں دیتے یہی کیوں صاف صاف

زندگی اُس کی ہے ملت کیلئے پیام موت
کر رہا ہو جو بجائے کعبہ قبروں کا طواف

چو کی لفظی تحقیق

شیخ اور برہمن کی جھڑپ

اشنان کرنے گھر سے چلے لالہ لال چند
اور آ گئے آگے لالہ کے اُن کی بہو گئی

پوچھا جو میں نے لالہ للّان کہاں گئیں
نیچی نظر سے کہنے لگے وہ بھی "چھو" گئی

میں نے دیا جواب انہیں از رہِ مذاق
کیا وہ بھی کوئی چھت تھی کہ بارش سے چو گئی

کہنے لگے کہ آپ بھی ہیں مسخرے عجیب
اب تک بھی آپ سے نہ تمسخر کی خو گئی

"چو" ہوشیارپور میں ندی سے ہے مراد
بی بی تمیز بھی وہیں کرنے وضو گئی

میں نے کہا کہ "چو" سے اگر ہے مراد "جو"
پھر یوں کہو کہ تا بہ لبِ آبِ جو گئی

کیوں اینٹھتے ہیں ماش کے آٹے کی طرح آپ
دھوتی سے آپ کی نہیں ہلدی کی بُو گئی

لطفِ زباں سے کیا ہو سروکار آپ کو
دامن کو آپ کے نہیں تہذیب چھو گئی

ہندی نے آ کے ہم کو چہت سے بدل دیا
"چو" آئی او صبا میں گلشن سے جو گئی

لہجہ ہوا درشت زباں ہو گئی کرخت
لطفِ کلام و شستگیٔ گفتگو گئی

معنی کو بٹہ لگ گیا ہو سب کتاب میں
شاہد سے لفظ کو کہا مری آبرو گئی

افسوس ملک میں نہ رہی فارسی کی قدر
مستی اڑی شراب سے پھولوں سے بو گئی

۲۹ اگست ۱۹۱۷ء

انوار معرفت

شعرائے یمانی کا طلوع

اوڑھنی سالوس کی پردیسانی ہو گئی — یہ مثل مشہور شعری کی زبانی ہو گئی
صوفیوں نے شاعروں کو درس قرآں دے دیا — یاد ان کو بیت بعثم کی کہانی ہو گئی

کوزہ بھی ہے کوزہ گر بھی ہے گل کوزہ بھی ہے
بس اسی پر ختم ان کی لن ترانی ہو گئی

۳ نومبر ۱۹۱۷ء

قصوری مینھی کابل کے سر دے

ازبر تھی تہذیب کنز اور قدوری — اور ان کی شرحیں بین السطوری

ہر شرط ایمان ہوتی تھی پوری — اب بھی ہوں مومن لیکن قبوری

یا شیخ عبدالقادر قصوری

مجھ کو جب اپنا بیمار سمجھا — عیسیٰ مرض کے اسرار سمجھا

تیمار میرا دینار سمجھا — تم سے رہے ہے شربت بزوری

یا شیخ عبدالقادر قصوری

ہے لاٹ صاحب کا یہ اشارا — کٹ جائے رشتہ میرا تمہارا

بس کر چکا میں تم سے کنارا — تم نہروالی میں جی حضوری

یا شیخ عبدالقادر قصوری

میری کمائی ہندو نے کھائی — حق میرے چھیننے لُٹ مچائی

انگریز کی میں دوں گا دہائی — جو خود جج ہے اور خود ہی جیوری

یا شیخ عبدالقادر قصوری

نادر پرستی ہے میرا آئیں، وہ شیر بالیں میں شیر قالیں،
مگر میں نہ گاؤں گن اُن کے رنگیں رہ جائے گی یہ حسرتِ قصوری
یا شیخ عبدالقادر قصوری

محتاط سائیں

کون کہتا ہے کہ غم آئیں ہے سرکار کا — اور دیا ہے اس کو درس احتیاط ابلیس نے
اب ملاقاتیں ہوئیں بھارکی گاندھی سے بند — مشورہ اچھی طرح جب کر لیا دس بیس نے
ڈر یہ تھا شاید کہ کونسل سے نکل کر یک بیک — پھر نہ یہ شوریدہ سر لگ جائیں چکی پیسنے
اصطبل کے اندر آ کر چور گھوڑا لے گیا
بند پھاٹک جب کہیں جا کر کیا سائیس نے

إِذَا زُلْزِلَتِ الْأَرْضُ زِلْزَالَهَا
وَقَالَ الْإِنْسَانُ مَا لَهَا

ہڑتال کیا ہوئی یہ تو بھونچال ہو گیا

ایجنٹ ریلوے سب مجھے دست توڑ کے ملے — کہنے لگے کہ ملک تباہ حال ہو گیا
فعال ما یرید ہیں مفعول من یراد — جب دست ناتواں پہ غلبۂ عمال ہو گیا
محنت سے جس کی سرمایہ تو سرمایہ مزدوراں — محروم قوم کے لئے پیسال ہو گیا
انجن الٹ گیا مری گاڑی کا یک بیک — ہڑتال کیا ہوئی یہ بھونچال ہو گیا
گوروں نے اپنے ہاتھ میں لی آ کے دھونکنی — کالوں کا ورکشاپ میں جب کال ہو گیا
سرمایہ سرخرو ہے کہ محنت نے آج اسے — مارا طمانچہ ایسا کہ منہ لال ہو گیا
کالے ہوئے بغیر کو ملے گورے گورے گال — ڈائر کا یہ بھی نامۂ اعمال ہو گیا
ہڑتالیوں کے روز نکلنے لگے جلوس — پنجاب بھی نمونۂ بنگال ہو گیا
انگریز ہو کے مجھ سے جدا ہو گیا مگر — دو یار سے الگ وہ بھی پامال ہو گیا
رنگت کو میں سفید کروں بھی ہے سفید — رشتہ یہ اور بھی سے لئے جنجال ہو گیا

میں نے دیا جواب کہ روتے ہیں آپ کیوں ہم پر جو فضل ایزد متعال ہو گیا

اہلِ ہند بن گئے دخیل کشور کار آپ اپنی مشکلات کا حلال ہو گیا

ہاں ایک بات کی ہے شکایت ہمیں ضرور ہندوستان آپ کا نقال ہو گیا

اب سبز باغ دیکھنے میں آئیں گے کہاں

افسوس پا بگل خر دجال ہو گیا

---

١١ مئی ١٩٢٠ء

پھلجھڑی

بھری محفل میں یہ مصرع پڑھا میں نے شرارت سے نہیں یہ مولوی خالی ہوا اب تک حرارت سے

ملی ہے ایک چندہ ناسی ان حضرت کو شملہ میں کم از کم فائدہ یہ تو ہے ندوہ کی سفارت سے

نہیں باقی کے اشعار اس لیے لکھے یہاں میں نے

کہ سنسرشپ میں آ جائے گا میری عبارت سے

حدیث المایدہ

سرجان سائمن علیہ الرحمۃ

سرجان سائمن پہ کلیسا کی رحمتیں
بپتسمہ ذوالفقار علی خاں کو دے دیا
جس سلطنت میں ڈوب نہ سکتا ہو آفتاب
اُس میں اجارہ کفر کا ایماں کو دے دیا
لاہور آئے اور بوقت نماز عصر
حق روزہ کھولنے کا مسلماں کو دے دیا

ن والقلم وما یسطرون

قرآں کا ہے یہ حکم کہ فیروز خاں ہوں نون
اور خامہ انقلاب کا ہو شرح والقلم
جب تک نہ سرنگوں ہو نہ دونوں کو آئے چین
ساگر لال خاں کے ہاتھ میں ہو قوم کا قلم

"انڈین" کا چالان

اس جرم میں کہ دشمن ابنائے ہند ہے
رات "انڈین" کا خواب میں چالان ہو گیا

کہنے لگا کہ میری ضمانت تو دیجئے
لیکن میں جان بوجھ کر انجان ہو گیا

موجود پاس ہی تھے محمد شفیع بھی
لیکن یکایک ان کو بھی نسیان ہو گیا

لسّے میں غل "خذوہ فغلوہ" کا ہوا
اور "انڈین" حوالۂ شیطان ہو گیا

۱۰ جون ۱۹۲۰ء

شدھی کی برات

صنم خانہ میں صدیوں سے پڑا تھا قفل غزنی کا
پکار اٹھا بنارس شدھی اس تالے کی ہے کنجی

کرم کے نام پر دھوتی سنبھالی مالوی جی نے
دھرم کے نام پر لپٹے کے دوڑے ڈاکٹر مونجی

برات آئی ہے شدھی کی مگر یہ کیا تماشا ہے
کہ نکٹا ہے سسر لنگڑا ہے دولہا اور دلہن لنجی

مالوی جی کا بھٹہ

جو بلی بن چکی جب سنگٹھن کی — تو پہنچا مالوی جی کو بلاوا
کہ آ کر ہندوؤں کی ٹھونکئے پیٹھ — اور ان کو دیجئے بڑھ کا بڑھاوا
اب اس گھوڑے کی چل پل دیکھئے — دبا کر تھے تقی بی کو آپ کا دا
کوئی تقریر گرما گرم سی کیجئے — پہنچئے سنگ کے منہ میں چڑھاوا
کھڑی ہو وہ گھڑی سر پہ آ کر ساتھ — مسلمانوں پہ بولا جائے دھاوا
ہوئے ڈنڈ پیل کر تیار ہندو — پھری گنگا جمن بیت کے علاوا

کہا یہ مالوی جی نے کہ پہلے — بناؤ ایک اینٹوں کا پزاوا
بہت ہی سخت اسکی کھوپڑی ہے — ہے اینٹ اسلام کے سر کا مداوا

بہت سی جمع کرلو گھر میں اینٹیں
چڑھا رکھا ہے میں نے بھی الاوا

ٹوڈیوں کی کھیپ

انقلاب آ گیا پنجاب میں
ڈاکٹر نارنگ ٹوڈی ہو گئے

ڈنڈ پیلے سائمن کے سامنے
پی کے ایکن بسنک ٹوڈی ہو گئے

جنگ میں پوشیدہ تھا سامانِ صلح
کرتے کرتے جنگ ٹوڈی ہو گئے

ست بچن بن کے چھو نو دو ہوتے
سیاہ کر کے دھندا ٹوڈی ہو گئے

ان کے ساتھی جس قدر تھے دین میں
دیکھ کر یہ رنگ ٹوڈی ہو گئے

بندیاں پنجاب کے ناموس کی
کرتے کرتے آخرش ٹوڈی ہو گئے

---

۱۱ نومبر ۱۹۲۸ء

کانگریس کیلئے ایک نیا عقدہ

مس میو کی روح

اک نیا نکتہ گورنمنٹ کو اب سوجھا ہے — جس کا میں نے کیا حل بڑی دشواری سے

پہلے دیتی تھی یہ الزام وہ اخباروں کو — کہ دکان ان کی چمکتی ہے دل آزاری سے

گالیاں دے کے کماتے ہیں یہ روزی اپنی — رشتہ ان کا ہے پرانا کسی بھٹیاری سے

جس قدر فاصلہ برطانیہ کا ہند سے ہے — دور اتنے ہی یہ مفسد ہیں رواداری سے

جب اس الزام سے حاصل نہ ہوئی دل کی مراد — اک نیا حیلہ تراشا بڑی عیاری سے

سامنے آ گئی سرکار کے مس میو کی روح — نکل آیا یہ گزٹ شملہ کی الماری سے

اشتہارات ہیں سب فحش ان اخباروں کے — خطرہ اخلاق کو ہے ان کی خریداری سے

ایسے اخبار ہیں اس طرح نمائندۂ ملک — جو نہیں بڑھ کے کسی شاہد بازاری سے

مت سمجھئے کہیں رونا یہ کمیشن میں نہ روئیں — ہے توقع تو یہی ان کی وفاداری سے

بیٹھے ہیں ختنہ ہوئے فتنہ کا جلد ہی علاج — یاد ہے عرض یہ بس حضرت انصاری سے

اُلٹا ہوا ٹاٹ

اخبار پڑھ رہے تھے وہ بنگلہ میں پاٹ پر — اور ہو رہے تھے چیں بہ جبیں بائیکاٹ پر
البتہ اس خیال سے تھے مطمئن کہ لیگ — ٹک سی گئی ہے بارہ مسالہ کی چاٹ پر
یہ فکر ساتھ ساتھ تھی لیکن لگی ہوئی — کچھ شور سے ہیں اور ہی مرادی کے گھاٹ پر
اور نقشہ کھینچتے ہیں کسی گول میز کا — لیٹے ہوئے ہیں غلا تکیے اپنی کھاٹ پر

مل کر الٹ نہ دے کہیں سارا وطن اسے
آنکھیں جمی ہوئی ہیں کمیشن کے ٹاٹ پر

۲۴ر دسمبر ۱۹۲۷ء

مالوی جی کی یادیں

دیکھ کے حال ملک کا آ گئے یاد مالوی — روحِ عناد مالوی جانِ فساد مالوی
جن کو لقب دیا گیا پوجیہ پاد مالوی

مطائبات

اگر بالشت بھر داڑھی ہی ایماں کی علامت ہے
تو پھر فرمائیے سکھوں کو مومن کیوں نہ سمجھیں ہم

سوار ان مفتیٔ دہلی پہ ہاتھی ایک نجدی ہے
جناب لارڈ اروِن کو پڑھا جن کیوں نہ سمجھیں ہم

زمیں انگریز کی اور حکم بابا سے نظامت کا
اور حصہ ہے کو آبالارات کو دن کیوں نہ سمجھیں ہم

بحکم شرع جب ہیں سنتوں ڈاڑھی جس بول کے
تو پھر ان مناسب تو محاسن کیوں نہ سمجھیں ہم

گئے بن ڈھیر کے مانے محبت حضرت اعظا
ہے اس بڈھے کو اک معشوق کم سن کیوں نہ سمجھیں ہم

نصاریٰ تھے جنہوں نے رشتہ جوڑا ہے بنیا اُن کو
مسلمانوں کی بربادی کا ضامن کیوں نہ سمجھیں ہم

ہیں جانبدار لیکن غیر جانبدار بنتے ہیں
پھر ایسے سنگدل کو تیرہ باطن کیوں نہ سمجھیں ہم

۱۲ اپریل ۱۹۲۹ء

بابائے خلافت اور کامریڈ شوکت عثمانی

اک طرف جلوہ نما شوکت نصرانی ہے
اک طرف چہرہ نما شوکت عثمانی ہے

اک طرف کیک کی اک قاش ہے اور چائے کا دور
اک طرف خستہ دل اور آنسوؤں کا پانی ہے

اک طرف روح میں خوشنودیٔ تثلیث کا ذوق
اک طرف قید نصاریٰ کی گرانجانی ہے

اشتراکیت اور اسلام کے اس معرکہ میں
دیکھئے کس کے حلیفوں کی فراوانی ہے

بمبئی سے کہیں لے جائے نہ بازی میرٹھ
سائمن کے لئے اتنی ہی پریشانی ہے

---

۲۸ مئی ۱۹۲۹ء

مولانا شوکت علی اور احرارِ پنجاب

اسلام کے احرار بکے ہندوؤں کے ہات
بابائے خلافت کی یہ ہے تازہ خرافات

اس جھوٹ کا بدلہ انہیں مل جائے گا اک دن
دنیا میں ہے جاری اگر آئین مکافات

گڑ کھاتے ہیں اور گلگلوں سے کرتے ہیں پرہیز
ظاہر ہوئیں لاہور میں یہ آپ کی عادات

انگریز کی صورت سے بھی بیزار ہیں لیکن
انگریز کے اقبال سے کرتے ہیں موالات

گاتے ہیں شب و روز شفیع اُن کے مناقب
تھا جن کے مثالب کا کبھی مشغلہ دن رات

اُلجھے گا پسینہ کی کمائی سے وہ ناچند
چندوں پہ بسر ہوتی ہو جس شخص کی اوقات

بدنام ہوئے مفت میں سادات بچارے
بابائے خلافت ہی سے ہیں سارے فسادات

بھولے سے بھی اس خطہ کا رخ اب کریں آپ
بدلے ہوئے ہیں کشورِ پنجاب کے حالات

کام آئیں گے نہ اقبال نہ مہر اور نہ سالک
محفل میں بخاری نے کہیں کی جو مدارات

اور یوں تو تواضع کو ہیں پہلے ہی سے موجود
بابائے خلافت کے لئے میرے [illegible]

۳۰ نومبر ۱۹۲۸ء

لیکن یہ ساتھی بعد از اتحاد ثابت ہوئے

پاپائے خلافت

اقبال کے مہماں ہیں پاپائے خلافت
ہے تابشِ ذی شاں سے الغائے خلافت

توحید کی تثلیث سے ہوتی ہے موالات
پاپا سے خلافت ہوئے پاپائے خلافت

لاہور میں ہوتی ہے حریفوں کی لبسل گرم
یہ بھی ہے شترِ غمزہ لیلائے خلافت

پاپائے خلافت ہوں اگر قافلہ سالار
پیدا نہ کرے راہ میں کالائے خلافت

آئینۂ امروز میں ہم دیکھ رہے ہیں
تصویر زوالِ حالیِ فردائے خلافت

ڈر ہے کہیں اس نام سے ہو جائے نہ بیزار
پنجاب جو اب تک بھی ہے شیدائے خلافت

شوکت سے یہ کہہ دو کہ خلافت سے نکل جائے
ہے ورنہ یہی ڈر کہ نہ مٹ جائے خلافت

۱۴ نومبر ۱۹۲۸ء

گوری بلا

امریکہ کے بت خانہ سے اندور کی خاطر
لائی ہے ترشوا کے ہوس ایک خدا اور

ہے کوئی جو اس بت کے پجاری کو بتا دے
مشرق کی ہوا اور ہے مغرب کی فضا اور

اک کالی بلا سے ابھی پیچھا نہیں چھوٹا
ساتھ اپنے لگا لائے وہ اک گوری بلا اور

ممتاز نے چھنوائی تھی اندور کی گدی
اب دیکھئے سوغات ملا لائی ہے کیا اور

---

۱۹ جنوری ۱۹۲۸ء

روزہ کا صلہ

سائمنی افطار

روزہ داری کے صلے میں ہے نظیر
کیوں نہ قائل اس کے ہوں برنا و پیر

رکھنے والے کا تو جنت تھا ہی حق
توڑنے والے بھی ہو سکتے ہیں نظیر

اسماء الرجال

ڈاکٹر محمد عالم

ادھر ہیں ڈاکٹر منجے ادھر ہیں ڈاکٹر عالم ادھر گوبر ادھر شیرا ادھر گنگا ادھر زمزم

یہاں حق کی علمداری وہاں باطل کی سالاری یہاں طوفان وہاں تنکا یہاں سورج وہاں شبنم

مسلماں سے چچا عم اور خالصہ جی سے تو چھٹ سنگھ پکارے مالوی جی بندرابن سے مرے سو ہم

مسلمانوں نے مارا لے کے جب اک یثربی نعرہ
دھری رہ جائے گی ہندو سبھا کی گوکلی سرگم

لالہ نافرمان

چپت ہوئی مذہب کی کوڑی اور کبھی پٹ ہو گئی الٹی ہوا ایسی چلی داڑھی صفا چٹ ہو گئی

ہو نہیں سکتا کہ راج اس دیس کا چوپٹ نہ ہو راج ہٹ سے جس میں تریا ہٹ کی کھٹ پٹ ہو گئی

مسکرا دیتے ہیں گاندھی دیکھ کر یورپ کا حال — ایشیا میں جس کی ہر تدبیر پلیٹ ہو گئی

ٹاٹ مغرب پر بچھا کیا سرمایہ داروں کا الٹ — کھاٹ مزدوروں کی مشرق میں چھپرکھٹ ہو گئی

توپ کی دوڑ دوڑ پہ بھی چھکے گئے لندن کے چھوٹ — بیٹھے بیٹھے مل پہ پنج چوں پہ جیوٹ ہو گئی

چوستی آئی ہے جو سرجگت کے را دن سے لہو — پھر وہ کالی ناگن کا نتیجہ پلٹ ہو گئی

بسکہ رگڑی سو برس تک ٹوڈیوں نے اپنی ناک — بے نشاں سرکار کے بنگلے کی چوکھٹ ہو گئی

تیز تھی پہلے ہی کیا کم قادیاں کی ناؤ یاں — ایڈ اردن کا بنا نا تھا کہ فرسٹ ہو گئی

تیتر بیاں گر وہ سناتے ہیں تو یہ تہذیب ہے — کانگریس نے بات سیدھی کی تو منہ پھٹ ہو گئی

ڈاکٹر اقبال کی تقریر الہ آباد میں — جینا اور جینا کے بھتیجے کا مرگھٹ ہو گئی

دختر رز جو پہلے بھی غضب کی تھی شریر — پٹ لے بھولا رام کے گھر اور نٹ کھٹ ہو گئی

کس طرح یہ دیر رہ سکتا ہے غیروں کا غلام — ہر زباں پہ جاری آزادی کی جپ رٹ ہو گئی

قید سے جس دن رہا ہوں گے اسیران فرنگ — دیکھ لینا تم کہ صلح اپنوں میں جھٹ پٹ ہو گئی

میری پھلواڑی میں لالہ بھی نافرماں تو ہے
جس کی آرائش چمن سے تا بہ سلہٹ ہو گئی

[illegible] ۱۹۳۰ء

ہیکلِ تفریح کے پرستار

اس درجہ نصاریٰ کی وہ تعظیم کریں گے
خود اپنی شریعت ہی میں ترمیم کریں گے

رکھیں گے روا دین کے ناموس کی توہین
انگریز کے آئین کی تکریم کریں گے

کہہ دیں گے جو اغیار کہ اسلام ہے ناقص
بے چون و چرا اس کو وہ تسلیم کریں گے

دنیا کے کسی مسئلہ پہ ہوگی اگر بحث
قرباں یہ وہاں دین کی تعلیم کریں گے

پاپائیوں سے بھی جو ابھی تک نہ ہوا تھا
وہ کام کہ فرزند براہیم کریں گے

مل جائے گی ان کو بھی تفریح کی خرافات
جب عالم کی میراث کو تقسیم کریں گے

جس قوم کی فطرت ہی سے آگاہ نہیں ہیں
کیا خاک یہ اس قوم کو تعلیم کریں گے

---

۱۹ اکتوبر ۱۹۲۹ء

سلام کا جواب ککڑوں کوں

چوبِ نقارۂ باطل پہ پڑی ڈھیلی ہیں
پردۂ گوش سے ٹکرائی اس کی ڈوں ڈوں

میں نے لکھا تھا "ہمدرد" میں اک "تازہ" سلام
جس سے رہ رہ کے ٹپکتا تھا مرا سوزِ دروں

اس پہ "ہمدرد" کے علامۂ فہامہ مدیر
بادر آتش ہوئے اس درجہ کہ کیا عرض کروں

گالیوں پہ اتر آئے کہ بغیر از شہوات
کبھی آتا نہیں حضرت کی طبیعت میں سکوں

لکھنؤ کی کسی بھٹیاری نے بھی آج تلک
نہ کیا ہوگا شرافت کا اس انداز سے خوں

صبح کے وقت دعا مانگی تھی میں نے اک دن
کہ مری دولتِ ایماں ہو الٰہی افزوں

آپ کو سوجھی ہے اس پہ یہ اچھوتی پھبتی!
کہ میں مرغوں کی طرح بانگ دیا کرتا ہوں

گر صحافت میں ہے تہذیب کا معیار یہی
کہ دعا کو بھی کوئی کہنے لگے "ککڑوں کوں"

تو عجب کیا ہے کہ ان کو بھی زباں والے
آدمی زاد کو کہتے ہیں ڈھینچوں ڈھینچوں

---

۲۸ نومبر ۱۹۲۶ء

علماءِ اُمّت مولانا محمد علی کی نظر میں

الم نشرح حقیقت عالمانِ دیں کی ہے مجھ پر
یہ فتنے خاک کے ہیں راہ و پرویں ہو نہیں سکتے

قدوری اور بخاری چاٹ لینی ہے کیا حاصل
کتابوں کے یہ کیڑے عالمِ دیں ہو نہیں سکتے

ہر استفتا پہ فتوے اپنے ڈھب کے جب یہ دیں اُن
مرے قانون کی مسند اُن کے آئیں ہو نہیں سکتے

ہزیمت بارہا دی ہے انہیں میری ہی ہیبت نے
مری مانند یہ عصفور شاہیں ہو نہیں سکتے

دبانا چاہتا ہوں ان کی دکھتی رگ کو جیسے ہی
یہ منشی مجھ سے ہرگز برسرِ کیں ہو نہیں سکتے

پہنچ سکتے ہیں کب مجھ تک مگر لنگڑی یہ چال اُن کی
پیادے اپنی ان چالوں سے فرزیں ہو نہیں سکتے

پڑے گا ہند میں گھمسان کا رن جب تو دیکھو گے
حریفِ رستمِ دستاں یہ گرگیں ہو نہیں سکتے

میں جب چاہوں گا سچ کے اللہ کا نام دیدوں گا
کہ ہرگز بے اثر میرے فرامیں ہو نہیں سکتے

نہ تھی توحید بھی کیا ... کتاب اللہ و سنت بھی
عروس کو چند چیلاں سے کابیں ہو نہیں سکتے

۸ نومبر ۱۹۲۶ء

ٹوڈی کی آمد آمد

حق کی تلوار کو کھینچے ہوئے اسلام آیا
خیل باطل کے لئے موت کا پیغام آیا

سالک و مہر و حبیب ایک ہیں جن کا مذہب
نت نئی اُن کو سکھاتا ہوا دشنام آیا

مہر صاحب جو مقطع ہیں تو سالک ہیں منسوخ
میل اِن دونوں کا برطانیہ کے کام آیا

صلہ بابائے خلافت کو ملا "سابل" کا
ذکریا کا مرے حصہ میں انعام آیا

افق ہند کے ڈوبے ہوئے تارو! اُٹھو
کہ وہ خورشید جو رخشاں بہ لب بام آیا

بزم احرار میں ہے دھوم کہ آیا ٹوڈی
کاسہ لیسوں کے لئے زہر بھرا جام آیا

---

۱۲ مئی ۱۹۲۹ء

تقدیر کے گھڑیال کی ٹن ٹن

خدا اگر عقل دے ہندو سبھا کے رہنماؤں کو
تو رخ اپنا بدل لیں دیکھ کر چلتی ہواؤں کو

فضا میں دھجیاں اک روز انکی اڑنے والی ہیں
ہمارے خوں سے کر دیکھیں وہ سرخ اپنی قباؤں کو

سلامت بچ نکلنا تھا اگر جاتی کو طوفاں سے
تو کی تھی ناؤ کیوں اس نے سپرد ان ناخداؤں کو

بجز اس کے کہ پھوٹے انکی تقدیر اور ہماری بھی
ہوا حاصل نہ کچھ بھی سنگھٹن کے دیوتاؤں کو

ٹپکتا ہے زباں سے شہد رستا زہر ہے دل سے
سمجھتے خوب ہیں ہم مالوی جی کی اداؤں کو

انہیں ٹھکرا دے گا رائل کمیشن آ کے لندن سے
کہ ٹھکرایا انہوں نے کانگرس کی التجاؤں کو

اگر کر لیں مسلمانوں سے مل کر کوئی سمجھوتا
تو اب بھی ٹال سکتا ہے خدا ساری بلاؤں کو

---

۱۰ نومبر سنہ ۱۹۲۰

سیواجی اور شوکت علی

دل علی دل کی جلن کا ماجرا کہنے لگے | تھیں جو اَن کہنی وہ باتیں برملا کہنے لگے
جس پہ کُھٹی تھی زباں منہ پر وہ بات آج آ گئی | اے خدا اب تجھ کو ہم اپنا خدا کہنے لگے
مصلحت میں بیٹھے پڑتے ہیں جن کی جان کو | رند عالم سوز انہیں منہ پر بُرا کہنے لگے
جی حضوری ہو گئے یا ست بھجنے بن گئے | آپ کیا کہہ کر گئے تھے اور کیا کہنے لگے
کانگرس پہ جب سے غالب آ گئی ہندو سبھا | مالوی جی کو وہ اپنا دیوتا کہنے لگے
اس پہ پیرڈ کو جو لندن نلے کوئی کیا کہے | دیوتا زادوں کو جو "احمق گدھا" کہنے لگے

جب سے سیواجی کو اپنانے لگے شوکت علی
ڈاکٹر منجی انہیں اپنا چچا کہنے لگے

---

۲۷ مئی ۱۹۲۷ء

فکاہات

جواہر لال نہرو کی گرفتاری مبارک ہو
وطن کو جنگ آزادی کی تیاری مبارک ہو

شراب خانہ ساز آئی ہے مشرق کی خمستاں سے
قدح خواروں کو اس صہباکی سرشاری مبارک ہو

نمک غیروں کے گھر کا کھائیں بیشک شوق سے ٹوڈی
ہمیں اب اپنے گھر کی نمک خواری مبارک ہو

کسی کی آنکھ کی رونق ہو سرمہ خاکِ دہلی کا
کسی کو خاکِ لندن کی پرستاری مبارک ہو

چلو لندن میں جا کر سائمن کی ہیر کے ریٹے
تمہیں آدھی مبارک ہو ہمیں ساری مبارک ہو

مبارک باد دو جا کر ان رجعت پسندوں کو
تمہیں ٹھیکڑا مبارک ہو ہمیں لاری مبارک ہو

لڈّو

چناخوانِ تخیل رات نعمت خانِ عالی نے
اور اس پر چن دیئے نزدیک کے اور دور کے لڈو

صلا پھر اس طرح دی سر شفیع اور انکی ٹولی کو
سمجھتے ہو جنہیں تم لوگ موتی چور کے لڈو

تصور میں مزے لیتے رہو چند اور دن ان کے
کمیشن خود بتا دے گا کہ ہیں یہ بور کے لڈو

لئے متھرا کے پیڑے ہم نے لڑ کر مالوی جی سے
نمک خوارانِ لندن کو ملے کافور کے لڈو

---

۱۵ دسمبر ۱۹۲۷ء

جنرل ڈائر کی یادیں

نثر خود گفتہ حالا نظم من بشنو

ولایت میں کھلا جب نامۂ اعمال ڈائر کا
طرازِ نامہ تھا نامِ گرامی اڈوائیر کا

خرِ عیسیٰ

دی مولوی داؤد کو چڈی جو پولس نے — احباب نے پوچھا بہ تعجب کہ یہ کیا ہے؟
کیوں لد کے چلے دوش حکومت پہ حضور آج — حضرت کی سواری کا طریقہ یہ نیا ہے؟
فرمانے لگے ہنس کے کہ ہیں عالم دیں ہوں — اور مرتبہ سرکار میں عالم کا بڑا ہے
اس واسطے مرکب کے عوض فرطِ ادب سے — خود اپنے تئیں پیش حکومت نے کیا ہے

ہے فخر یہ مجھ کو کہ مری ران کے نیچے
خود حضرت عیسیٰ کی سواری کا گدھا ہے

مارننگ پوسٹ لندن

مارننگ پوسٹ نے بھیجی ہے یہ بتی دھمکی — آپ کی گردن اڑا سکتے ہیں تلوار سے ہم
مدعی سلف گورنمنٹ کے ہیں جو احرار — انہیں تعبیر کیا کرتے ہیں اشرار سے ہم

ہند کی شوخیٔ تقریر کا معقول جواب
دیں گے اور دیتے ہیں تلوار کی جھنکار سے ہم

نہیں شوریدہ سروں سے ہمیں کچھ بھی سروکار
کام رکھتے ہیں رعایائے وفادار سے ہم

مارننگ پوسٹ کو پہنچے یہ ہمارا بھی پیام
ڈر نہیں سکتے کسی آپ کی للکار سے ہم

ہم رعایا ہیں خدا کی جو ہے رحمان و رحیم
نہ ڈریں گے کسی سفاک ستم گار سے ہم

ہے پیمبر کی غلامی ہمیں سرمایۂ ناز
پا رہے ہیں، وظیفہ اسی دربار سے ہم

درس عبرت کبھی قیصر نے پڑھایا ہم کو
سن چکے ظلم کا انجام کبھی زار سے ہم

بات جو حق ہے زبانوں سے وہ نکلے گی ضرور
باز آئیں گے حقیقت کے نہ اظہار سے ہم

وعدۂ اللہ اگر سچ ہے اور اس میں نہیں شک
تو نکالیں گے یہ مہرہ دہن مار سے ہم

لا تخف کی ہے قبا زینت دوش مسلم
نہیں اب تک پھرے اس عہد اس اقرار سے ہم

رشتۂ مہر و وفا سا نہ ہی اس کے لیکن
توڑ سکتے نہیں اسلام کی سرکار سے ہم

گر خلافت کی صیانت میں خلل آئے ذرا
نہ ڈرے ہیں نہ ڈریں گے رسن و دار سے ہم

جب ہیں اسلام کی اجڑی ہوئی شوکت کام آئے
کام رکھتے نہیں اس قیصر طلا کار سے ہم

جام ٹوٹا ہے تو کیا جام سفالیں ہی تو ہے
اور لے آئیں گے اسلام کے بازار سے ہم

ہند میں رشتۂ اسلام ہے اس سے محکم
پھر نہ کس واسطے مانوس ہوں زنار سے ہم

آپ تلوار کی دھمکی ہمیں کیوں دیتے ہیں
خوب واقف ہیں گورنمنٹ کے اسرار سے ہم

جبر کا عہد گیا وقت مدارا آیا!
اور سنتے ہیں یہ باتیں در و دیوار سے ہم

جلیانوالہ کا افسانہ ہوا خوابِ و خیال — خوں کے دریا کی نکل آئے ہیں منجدھار سے ہم

نثر میں آپ دکھاتے ہیں چمک خنجر کی — کھولتے ہیں رگِ جاں نشترِ اشعار سے ہم

آپ کیا چیز ہیں اور آپ کی منطق کیا چیز

مہرباں آج سے باز آئے اس اخبار سے ہم

یکم مارچ ۱۹۳۰ء

محافظینِ حقوقِ اسلام

اسلام کے حقوق کی مٹی خراب ہو — گر کفر سے نہ دست و گریباں ہو انقلاب

سب سے بڑا یہ حق ہے کہ یوم النشور تک — فارغ ہو احتساب سے پنجاب میں شراب

فیروز خاں نون حکومت کو ساتھ دیں

جب لاٹ سے وہ ملک کو دے پات کا جواب

معارف

توقع خیر کی رکھو نہ لبرل سے نہ ٹوری سے
کبھی آٹا نکل سکتا نہیں چھپنے کی بوری سے

رسن سازانِ مغرب گرچہ اپنے فن میں یکتا ہیں
نہ سیکھا باندھنا ہم کو مگر احساں کی ڈوری سے

ڈگر بھی ہے وہی لاٹھی بھی اب تک ہے وہی اس کی
حکومت کیا کرے معذور ہے آنکھوں کی کوری سے

گلی میں آگ لگنے کا تجھے لندن میں غم کیا
کہ کتا آگ لگتے ہی نکل جاتا ہے موری سے

یہ چنگاری جو ملتان اور امرتسر میں سلگی ہے
چرا لائے ہیں شاید مالوی جی چوراچوری سے

یہ دولت مانگنے سے آدمی کو مل نہیں سکتی
گر آزادی کی خواہش ہے تو چھینو سینہ زوری سے

بین الاقوامی الجھنیں

روس زخمی ہے تو المانیہ ہے بے پر و بال — سا اٹلی سو ہے بیچارے کی اکھڑی ہوئی سانس

پڑ نہیں سکتی بھتیجے پہ چچا سام کی زد — جس سے اندیشہ ایذا ہو وہ طاقت ہے فرانس

شیر برطانیہ ان سب کو کہیں سنتا ہے — نہ جگر میں ہو جو اٹکی ہوئی اسلام کی پھانس

خیل نمرود کو ڈر ہے تو فقط اتنا ہے — کہ کہیں دجلہ کی دلدل سے نکل آئیں نہ ڈانس

پھرتے ہیں اہلِ فلسطین کمر باندھے ہوئے لٹھ
اور بریلی سے چلے جا رہے ہیں بانس پہ بانس

قادیانی خرافات

قادیانی خرافات

آسماں پر یوسف نجار کا بیٹا کہاں
کیا دھرا اس نیلے نیلے گنبد بے در میں ہے
جا بسا تھا بھاگ کر کنعاں سے وہ کشمیر میں
آخری دم کا ٹھکانہ بھی اسی کشور میں ہے

عیسیٰ مریم کی اس توہین کا سودا لئے
ایک مدت سے سمایا قادیاں کے سر میں ہے
چھپ رہے ہیں جس کے اندر محشرستاں سینکڑوں
اے مسلمانو وہ فتنہ خود تمہارے گھر میں ہے
جس کی زد میں آچکا ہے شرع دین مبیں
وہ صلیب افروز چنگاری اسی مجمر میں ہے
آج انصاف اس ستم کا جو ہوا اسلام پہ
دست رب کعبہ میں یا دست پیغمبرؐ میں ہے
جن بچاس الماریوں پہ تھا غلام احمد کو ناز
حشر ان کا کاتب تقدیر کے دفتر میں ہے
"انقلاب" "الفضل" کی ڈھولک بجائی شوق سے
خیبر کی رونق کا ساماں ہی ہجوم شر میں ہے
ہم کو ان آتش زنوں ہیبت کشوں سے ڈر نہیں
نور ابراہیم جس کا شعلۂ آذر میں ہے

رک نہیں سکتی مرے خامہ کی لاہوتی اڑان
طاقت جبریل جب تک اس کے بال و پر میں ہے

مرزائیت

فی البدیہہ

کل نسیم سحر خبر لائی — ہیں بڑے ہی خبیث مرزائی
"الحکم" کی ہے ذات میراثی — تو ہے "الفضل" قوم کا نائی

ان رذیلوں میں کچھ شریف بھی ہیں
سبزہ کے ساتھ مل گئی کائی

قادیاں

خدا آباد رکھے قادیاں کو بہت غنیمت ہے — کہ مضمون نبیّت کوئی نہ کوئی آہی جاتا ہے
بشیر الدین محمود اس دبستاں کے معلم ہیں — ارسطو جس میں فرط عجز سے گردن جھکاتا ہے

یکم ستمبر ۱۹۱۷ء

قادیانی پروپیگنڈا

اپنی جیبوں سے رہیں سارے مسلماں ہشیار
کچھ جو آتے ہیں ۱۲ جون کو چندے کیلئے

شاہ برطانیہ کی سالگرہ ہے اس دن
یہ اشارہ ہے ہر اللہ کے بندے کیلئے

گردن ملت مرحوم کو پھیرتا کاٹے
نام تو ہے یہ پہ تثلیث کے پھندے کیلئے

قادیاں کو غرض اسلام کی تبلیغ سے کیا
یہ تگ و دو ہے فقط اپنے ہی دھندے کیلئے

اب بھی کیا دیجئے گا چندہ بشیر الدین کو
شیر مال اور کباب اور پسندے کیلئے

الحذر

تم اپنے جبر پہ نازاں ہو وقت ہے بچنا
بلائے صبر کی افتاد ناگہاں سے بچو

بچا لیا تمہیں توپوں نے اور تفنگوں نے
مگر تو بس ہے کہ مظلوم کی فغاں سے بچو

خدا نے تم کو بصیرت اگر عطا کی ہے
تو قادیانیوں کے تیرِ بے کماں سے بچو

دمشقیوں سے خطرناک تر ہیں اندلسی
گر ان کی ایں سے بچو تو ان کی آل سے بچو

جو بات بات میں تم کو حرامزادہ کہیں
ہر ایسے سفلۂ بداصل و بدزباں سے بچو

بچو فرنگ کے چیلوں کی بے پناہی سے
اُسی طریق سے جس طرح قادیاں سے بچو

نہیں پسند غلامی اگر نصاریٰ کی
تو "انقلاب" اور "الفضل" و "الاماں" سے بچو

نہ لاؤ دل میں وہ ظن جس سے شیخ نجد کی
گناہ جس سے ہو پوشیدہ اس گماں سے بچو

اگر عزیز ہے آزادیٔ وطن تم کو
تو سر شفیع کے گمراہ کن گماں سے بچو

پیام دے کوئی احباب کو یہ جا کے مرا
اس میں پڑے نہ اژدہامِ امتحاں سے بچو

نہیں ہے خونِ شہید اس لئے کہ مفت بہے
خدا کے واسطے ایثارِ رائیگاں سے بچو

بچو خدا کے غضب سے تو ایک بات بھی ہے
یہ کیا کہ خطرۂ خشمِ خدائیگاں سے بچو

نبیؐ کی غصہ میں ڈوبی ہوئی نگاہ سے ڈرو
عتابِ حضرتِ آقائے دو جہاں سے بچو

خدا ہیں اور بھی احباب تا کہاں تک میں
بتائے جاؤں یہ تم کو فلاں فلاں سے بچو

۱۰ دسمبر ۱۹۳۱ء

فکاہات

پیغمبرِ قادیاں کا ترانہ

تکمیل عمر جب مرے القاب کی نہ ہو — ان پر اگر اضافہ سی۔ آئی۔ ڈی کی نہ ہو

بغداد کے سقوط کا قصہ ہے ناتمام — جب تک کہ اس میں درج مری ڈائری نہ ہو

ہنستا ہے میرے حال پہ ظالم ابو الوفا — ڈرتا ہوں میں کہیں یہ قضا کی ہنسی نہ ہو

مارا کسی نے شانہ میں میرے جنابِ میر — لاہور کا کہیں یہ محمد علی نہ ہو

میری بلا سے مکہ کو لوٹے بلا سے ترک — چندہ سے ہے غرض مجھے اس میں کمی نہ ہو

یہ کس کتاب میں ہے کہ خیر البشر کے بعد — ہرگز کسی کو دعویٰ پیغمبری نہ ہو

کیا مصطفیٰ کے بعد نہ آیا مسیلمہ — پھر قادیاں میں کس لئے مجھ سا نبی نہ ہو

ان اخرجوا الیہود کا قائل نہیں ہوں میں — پر ڈر یہ ہے کہ جس کی سند مل سکی نہ ہو

پیشِ نظر اگر ہے خلافت کا انتظام — پھر قادیاں ہی کس لئے کشمیر ہی نہ ہو

جب تک کہ شعر سے مرے لٹے ان کے تلخ پھل
اسلام کی وہ شاخ ہمیشہ ہری نہ ہو

لہ قرآن پاک میں

سطوتِ کبریٰ کے حریفوں کا انجام

قادیاں خوش ہو کہ بر آئی تیرے دل کی مراد
آخر آ ہی گئی کشمیر میں فوجِ انگریز

اگر انگریز ہے دولہا تو ہے تو اسکی دلہن
مل گیا تجھ کو ہری سنگھ کی دولت کا جہیز

کیوں نہ اب اڑنے لگے تیری نبوت کا سمند
چھیڑتی ہے جسے یورپ کی صلیبی مہمیز

خوانِ اسلام سے چندہ کا نہ کر لقمہ طلب
جبکہ بچھی ہی ہوئی ہو تیرے لشکر کی میز

چاک کر شوق سے ایماں کا گریباں کہ ہوا
بالکل آزاد ترا دستِ گریباں آویز

دھجیاں نامۂ سالارِ دو عالم کی اڑا
ایسے کہ تجھ کو نہ رہا یاد مآلِ پرویز

ہر وہ قوت جو ہوئی سطوتِ کبریٰ کی حریف
اس کو میدانِ فنا سے نہ ملی راہِ گریز

آج تک خاک میں ملتی چلی آئی ہے
ہر وہ طاقت جو مسلماں سے ہوئی گرمِ ستیز

[illegible] ۱۹۳۱ء

ذٰلِكَ مَبْلَغُهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ

دیا گیا ہمیں پیرایۂ ظرافت ہے — ملا جناب کو سرمایۂ صحافت ہے

ہے آپ کے لیے مسند مجددیت کی — مگر ہمارے لیے کرسیٔ صحافت ہے

مضاف الیہ جو امروہہ ہے تو آپ مضاف — بہ ہیچ ہیچ ہیں قادیاں اضافت ہے

"اگر پیالہ ہے کبریٰ تو ہے سبو صغریٰ" — وہ کہہ رہے ہیں کہ تجدید ہی خلافت ہے

"پیغام صلح" ادھر ہے تو ہے ادھر "تشحیذ"
نبی کی شرع کے حق میں ہر ایک آفت ہے

دورِ جاہلیت کی یاد

زنداں کی تنہائی میں مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری کی پرانی گنہ گاری اس طرح گنگناتی ہوئی سُنی گئی :-

بشیر الدین محمود اس لئے مجھ پر بگڑتے ہیں
کہ دورِ جاہلیت میں مرا دل اُن پہ مائل تھا

زکوٰۃ حسن دینے میں ذرا وہ بخل کرتے تھے
مگر میں بے لئے ٹلتا نہ تھا ایسا ہی سائل تھا

وہ ٹھکراتے رہے اپنے سراپا سے مجھے لیکن
مرا ہاتھ اُن کی نور افروز گردن میں حمائل تھا

نگاہِ رشک سے دیکھا مجھے الفضل نے برسوں
میں اُن کے اَبروئے خمدار کے خنجر کا گھائل تھا

انہیں سے قادیاں میں آج کل دعویٰ خدائی کا
بتوں کی اس خدائی کا میں پہلے ہی سے قائل تھا

۱۳ جولائی سنہ ۱۹۲۰ء

قادیاں کا تھیٹر

قول فیصل

إِن تَسْخَرُوا مِنَّا فَإِنَّا نَسْخَرُ مِنكُمْ كَمَا تَسْخَرُونَ ۝ فَسَوْفَ
تَعْلَمُونَ مَن يَأْتِيهِ عَذَابٌ يُخْزِيهِ وَيَحِلُّ عَلَيْهِ عَذَابٌ مُّقِيمٌ ۝

ترجمہ :۔ اگر تم ہمارا مضحکہ اڑاتے ہو۔ تو ہم تمہاری تضحیک تم پر الٹ دیتے ہیں تمہیں
جلد معلوم ہو جائیگا۔ کہ رسوا کرنے والا ہمیشہ قائم رہنے والا عذاب کس پر نازل ہوتا ہے۔ ہم پر یا تم پر

اے طبع رسا آج ترا رنگ جما دوں — اور شوخیِ تحریر کا اعجاز دکھا دوں
پہلے سبق حق تجھے قرآں سے پڑھا دوں — تنہا تجھے پھر لشکر باطل سے لڑا دوں
جو حیلہ نہ سوجھا ہو کبھی تجھ کو سجھا دوں — جو چال نہ چلنی تجھے آتی ہو سکھا دوں
انساں کی بازی پہ اگر جان لگا دوں — شطرنج میں طاغوت پرستوں کو ہرا دوں
گر موجۂ طیش سے غیرت کو ہوا دوں — اک پھونک میں طامات کی مشعل کو بجھا دوں
گر برق حمیت کو تڑپ کر میں گرا دوں — اک آگ خرافات کے خرمن میں لگا دوں
اسلام کے انعام یہیں سارے گنا دوں — دیں کے لیے کیوں عقدِ ثریا کو ہلا دوں

احادیث قادیاں بروایت بخاری

خدا شرمائے اس ظالم "ثنا اللہ" کو جس نے
نہ چھوڑا قبر میں بھی قادیانیت کے بانی کو

خدا نے عقد خود باندھا تھا جس کا اپنے باوا سے[۱]
اڑا کر لے گئے غیر اس عروس[۲] آسمانی کو

تماشا افروزیاں راوی و بیاس اور اس کے ساحل کی
دوبالا آئے دن کرتی ہیں لطف زندگانی کو

دبستانوں میں درس مشتی فی النوم آج ملتا ہے
شبستانوں میں دہراتے ہیں اس رنگیں کہانی کو

بخاری نے جسے تاکا تھا دور جاہلیت میں
وہ شان کود کی پہنچی ہے اب اپنی جوانی کو

وفاداری بشرط استواری اصل ایماں ہے
مرے گر کعبہ میں لندن میں گاڑو قادیانی کو

مری تخییل کی جولانیاں بھی دیکھتے جانا
اگر دیکھا تو کیا دیکھا سمندر کی روانی کو

---

۱۵ جولائی ۱۹۳۱ء

[۱] انا منک وانت منی بمنزلۃ اولادی
(مرزا غلام احمد قادیانی کا الہام)

[۲] محمدی بیگم

حقیقتِ قادیاں

رواہ بخاری

حقیقت قادیاں کی پوچھیئے ابن جوزی سے
نکوکاری کے پردے میں سیہ کاری کا حیلا ہے

یہ وہ تلبیس ہے ابلیس کو خود ناز ہے جس پہ
مسلمانوں کو اس رندے نے اچھی طرح چھیلا ہے

پلی ہے مغربی تہذیب کے آغوش عشرت میں
نبوت بھی رسیلی ہے پیمبر بھی رسیلا ہے

نصاریٰ کی رضا جوئی ہے مقصد اس نبوت کا
اور ابطال جہاد انجاح مقصد کا وسیلا ہے

بیاں اور اس کی موجیں آئے ان کی تیر غمازی
کہ پوتا قادیاں کے رب اکبر کا رنگیلا ہے

کیا حساد اس پہ ایک گل میرین کی آپ بیتی نے
بخاری کی یہی اب تک روایت تھی کہ ڈھیلا ہے

۵-۱ شام

۱۷ جون ۱۹۲۹ء

قادیانی ایجنٹ کا جواب بوقبیسی تھپیڑ

"الفضل" قادیان مورخہ ۱۷ دسمبر ۱۹۳۱ء میں ایک شاعر نے مجھے یوں مخاطب کیا:-

بُری طرح قادیاں کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں ظفر علی خاں
سمجھ یہ کیوں پڑ گئے ہیں ہتھڑ یہ کیا فتنہ اٹھا رہے ہیں!

جناب محمود کو بُرا کہہ کے کیا ملے گا سوائے ذلّت
یہی نا، جو کچھ رہی تھی عزّت اُسے بھی وہ اب گنوا رہے ہیں

وہ اپنی مسجد الگ چنیں گے ہزار دنیا ہے مخالف
انہیں یہ ضد ہے کہ کیوں مسلماں ایک مرکز پہ آ رہے ہیں

نفاق کی آندھیوں سے اک دن ہلا کے رکھ دیں گے قصرِ مسلم
کسی کو مومن بنا رہے ہیں کسی کو کافر بنا رہے ہیں

وہ کانگرس پہ فدا کیے ہیں رسولِ مقبول کی شریعت
وہ اپنے کاندھوں پہ آج مسلم کا جنازہ اٹھا رہے ہیں

وہ کانگرس جس کا مقصد اولیں مٹانا ہے نام مسلم

اس کی حرمت پہ کٹ رہے ہیں اس کی عزت بڑھا رہے ہیں

بڑے بڑے کانگرس کے ہندو ہیں آج مسلم کے خون کے پیاسے

یہ گیت ہندو کا گا رہے ہیں یہ اپنی گنگا بہا رہے ہیں

اس کا جواب ذیل میں دیا گیا :-

یہ فتنہ پرداز قادیانی نئے نئے گل کھلا رہے ہیں

ادھر رقیبوں سے مل رہے ہیں ادھر حمایت کو آ رہے ہیں

منافقوں کی یہ ہے نشانی زباں پہ دیں ہو تو کفر دل میں

اسی نشانی سے قادیانی تعارف اپنا کرا رہے ہیں

یہ بھیجے سیرۃ النبی کے یہ زمزمے عشق مصطفیٰ کے

جنہیں سمجھتے ہیں دل سے کافر انہیں کو گھر گھر سنا رہے ہیں

[illegible] بولی شرافت کے نام پہ دیں بسیں نہ دھوکا

اسی شریعت کی آڑ لے کر وہ سب کو اُلو بنا رہے ہیں

پڑا ہے چہرے کا سب پہ پردہ [illegible] ان قادیانیوں کے

[illegible] کھلاتے ہیں

بقیہ بر صفحہ ۶۷۳

قادیانی بھٹیاری

لے کہ ہے اپنی رواداری پہ تجھ کو فخر و ناز
قادیاں میں کافروں کی مومن آزاری بھی دیکھ

خواجۂ اجمیر کی درگاہ دیکھ آیا ہے تو
اب بہشتی مقبرہ کی چار دیواری بھی دیکھ

ترمذی کو اور بخاری کو رٹا تو کیا ہوا
قادیاں جا اور غلام احمد کی الماری بھی دیکھ

تو نے اپنی فوج کی دیکھی قواعد مدتوں
اب انصاری کے رضاکاروں کی تیاری بھی دیکھ

کاٹنا مقصود ہے اسلام کا جس سے شجر
قادیاں کے لندنی ہاتھوں میں وہ آری بھی دیکھ

مشیٔ فی النوم اور اس کے فلسفہ پر کر نظر
قادیاں کی نازنینوں کی طرح داری بھی دیکھ

سن لے اپنے کان سے "الفضل" کی گالی گلوچ
لکھنؤ شرما گیا جس سے وہ بھٹیاری بھی دیکھ

آج آتا ہے نظر گر تجھ کو باطل سربلند
اپنی آنکھوں سے کل اس کی ذلت و خواری بھی دیکھ

---

۲۱ ستمبر ۱۹۳۲ء

فتنۂ آخر زماں

اَلقادیان ما القادیان وما ادراک ما القادیان

اے قادیاں اے قادیاں تجھ سے نہیں شکوہ کچھ — پیدا کیا کرتا ہے تو ہر شب نئی اک حور کو

جس نے بھلایا باغ کشمیر اور میسور کو — جس کی روش خوبی کی میسور کو اور اجھور کو

ناموس دمشقی کو رسوا اندلس کی وادیاں

اے فتنۂ آخر زماں اے قادیاں اے قادیاں

پیشہ ترا ایمان ہے گالی تری پہچان ہے — مذہب نفاق و کفر ہے جھوٹی تری دکان ہے

بہتاں خدا پر باندھنا ہے نبی کی شان ہے — الہام جو بھی ہے ترا آوازۂ شیطان ہے

یہ بھی خدا کا ہے کرم اسلام پر احسان ہے — لفاظی کی دشمنی میں گر پوشیدہ تیری جان ہے

اے قادیاں اے قادیاں

اے دشمن اسلامیاں

اے فتنۂ آخر زماں

فکاہات

قسم ہے قادیاں کے گلرخوں کی گل عذاری کی
غلام احمد کی الماری پٹاری ہے مداری کی

پرستاں کو نہ شرمائے بھلا قصرِ خلافت کیوں
کہ فصلِ گل ہے اور آمد ہے ابرِ نوبہاری کی

بشیر الدین اور کشمیر کی ہمدردیاں پیوستہ ؟
نظر نخچیر سے تم پھیرتے ہو اک شکاری کی

جوابِ الفضل کا ترکی بہ ترکی دے تو دیں ہم بھی
اتاریں کیسے لیکن نقل اصوات حماری کی

مرے ہر شعر کی زد ہاں سر پہ پڑتی ہے
نہ لائے گا کبھی محمود تاب اس ضربِ کاری کی

یہ مانا بھول جائے قادیاں میرے تحائف کو
مگر کیا بھول سکتا ہے وہ سوغاتیں بخاری کی

---

۱۵ اکتوبر ۱۹۳۲ء

"زمیندار" بزبان انگریزی

نکل آیا زمیندار آج انگریزی زباں میں بھی : یہ جنس شرقی پہنچی ہے مغرب کی دکاں میں بھی

پڑا ہے اک نئی آفت سے استعمار کو پالا پڑی ہے کھلبلی آنے سے جس کے قادیاں میں بھی

سمجھا ہو تو اب سمجھے گا انگریز اس حقیقت کو کہ زور اسلام کا ٹوٹا نہیں ہندوستاں میں بھی

کیا تھا جس کی گیرائی نے تسخیر ایک عالم کو وہ قدرت ہے وہی اس خامۂ معجز بیاں میں بھی

سنا ہے تم نے میری مشرقی فریاد کو برسوں یہی جادو ہے میری مغربی طرز فغاں میں بھی

نہاں اس تیغ میں ہے حرف میرا جاں نہیں ہوگا وہ فتنہ جو نہیں اغیار کے وہم و گماں میں بھی

ترا فضل و کرم شامل رہا ہر آزمائش میں
الٰہی مجھ کو کر دے کامیاب اس امتحاں میں بھی

۲۵ ستمبر ۱۹۳۲ء

فحاشِ زمان میر قاسم علی قادیانی

یہ چند اشعار فحاشِ زمان و سبّابِ دوراں میر قاسم علی قادیانی کے نامِ نامی و اسمِ گرامی سے معنون کئے جاتے ہیں۔

محمد غوث کی مسجد میں کل شب — اِدھر میں پڑھ رہا تھا سورۃ الناس
اُدھر اپنے شقی متفق سے ہیں — یہ سازش کر رہے تھے چند خناس
کہ جن کو قادیاں سے دشمنی ہو — کرو سب مل کے اس کا ستیاناس
ہمارے ہاتھ سے بچنے نہ پائے — کوئی "نقاش" ہو یا کوئی "عکاس"
مغلظ گالیاں دو دو انہیں دو — کہ بھولیں اپنی نستعلیق بکواس
جب ان سودائیوں کو میں نے دیکھا — لگا کر حکمتِ یثرب کی کمپاس
تو بھیجا اُن کے پاپا کو یہ پیغام — علاج اس غلط کا بھی ہے مرے پاس

کھلاؤں گا تمہیں پہلے میں گلقند
پلاؤں گا تمہیں پھر میں اناناس

۱۰ ستمبر ۱۹۳۲ء

تنگ جب آ گئے شیخ عبداللہ — پیہم چبھتے ہوئے سوالوں سے
تو کہا مجھ کو اختلاف نہیں — میں واعظ کے ہم خیالوں سے
میں بھی پیتا ہوں اُن کی طرح شراب — رات دن شیر لبی پیالوں سے
مذہباً قادیاں سے ہوں بیزار — خوب واقف ہوں اُس کی چالوں سے
ہوں سیاست میں لیکن اُس کا مرید — اور یہ رشتہ ہے چند سالوں سے
میں کلیسا سے لڑ نہیں سکتا — ضد ہے مجھ کو فقط شوالوں سے
"شیر کشمیر" بن گیا ہوں میں — فقط "الفضل" کے مقالوں سے

آہ کیا انقلاب ہے اے شریف — گلے ملنے لگے رذالوں سے
"تماشات ہیں زمانے کے
شیر بنتے ہیں اب شغالوں سے

۱۱ نومبر ۱۹۳۲ء

قادیاں کی نبوّت

بروزی ہے نبوت قادیاں کی — برازی ہے خلافت قادیاں کی

عداوت حق سے باطل سے محبت — ہے اتنی ہی حقیقت قادیاں کی

ہیں احمق جس قدر ہندوستاں میں — ہے آباد ان سے جنت قادیاں کی

نصاریٰ کی پرستش کے سب اسرار — سکھاتی ہے شریعت قادیاں کی

دمشق اور اندلس کے بھاگ جاگے — بٹی جس وقت لعنت قادیاں کی

مسلمانوں کی آزادی ہو نابود — الم نشرح ہے نیت قادیاں کی

لگے رونے بشیر الدین محمود
بنائی میں نے وہ گت قادیاں کی

حضرت پاپائے قادیاں کے حضور میں

مسرت کی تانیں اڑاتے چلا جا
محبت کی پینگیں بڑھاتے چلا جا

غنیمت سمجھ فرصت عاشقی کو
حسینوں سے آنکھیں لڑاتے چلا جا

تری بات پر گر نہ ایمان لاوے
مسلماں کو کافر بناتے چلا جا

سنا جاہلوں کو نبوت کی باتیں
پیمبر کا رتبہ گھٹاتے چلا جا

بھلائے چلا جا خدا کے غضب کو
شریعت کی بنیاد ڈھاتے چلا جا

ترے مقبرے کے بہشتی بھی سن لیں
مرے شعر چپکے سے گاتے چلا جا

بقیہ صفحہ ٦٦٤

خبر ہمیں نے جس کی دی تھی وہ فتنہ اٹھا ہے قادیاں سے
خلیفہ محمود قادیانی اسے قیامت بنا رہے ہیں

ظفر علی خاں کی آبرو پر نہ حرف آیا نہ آ سکے گا
خدا نے دی ہے جب اس کو عزت تو آپ کیوں تلملا رہے ہیں

وہ کانگرس کا ہے گرچہ حامی خدا نہیں لیکن اس کا حامی
یہ وہ خدا ہے کہ قادیانی گن اس کے دن رات گا رہے ہیں

---

٢٠ نومبر ١٩٣١ء

جواہر ریزے

قادیاں کے ایک الہامی قصیدے میں کبھی — بندھ گیا قافیے کی بندشوں میں نام زار
زار کی لفظی رعایت سے سمجھایا تھا یہ قول — "زار بھی ہوگا تو ہوگا اس گھڑی باحال زار"
اس گھڑی کا تھا یہ مطلب خود بقولِ میرزا — اور اس مطلب کی ہے تفسیر ان کا اشتہار
آئے گا اک زلزلہ کانپے گی جس سے کائنات — جس کے ہچکولوں سے گھر گھر میں پڑے گا خلفشار
لیکن اس بھونچال کے آنے کی یہ بھی شرط تھی — سرمہ کش ہو اس سے خود ملہم کی چشم انتظار
ان کے جیتے جی تو یہ بجلی نہ گردوں سے گری — پھونکتی جو آدمی کا خرمنِ صبر و قرار

بعد مدت اتفاقاً چھڑ گئی جنگ فرنگ — رنگ لائی مدتوں میں گردش لیل و نہار

زار سے چھنوا دیا قسمت نے اس کا تخت و تاج — کیونکہ قسمت کا نہیں دنیا میں کچھ بھی اعتبار

ڈھلتی پھرتی چھاؤں ہے دولت کسی کی ہے کب — صبح کو وہ ہیں گدا جو شام تک تھے تاجدار

ہوتی آئی ہے کہ جو راجا تھے پرجا بن گئے — سنتے آئے ہیں کہ آقا ہو گئے خدمت گذار

حال اسی کو غیب کے اسرار کا معلوم ہے — بادشاہی اور گدائی پر ہے جس کا اختیار

لیکن ان باتوں سے مطلب قادیاں والوں کو کیا — جن کی اپنی منطق نے کیا دامان دانش تار تار

موسیو محمود کہتے ہیں کہ زار روس پر — ان کے والد کی تنبیہ کی پڑی ہے آ کے مار

کوئی ان حضرات سے پوچھے کہ اگر ایسا ہی تھا تو کیوں — آپ تسلیم کو نہیں دیتے ہیں کیوں دل سے اتار

فرد [illegible] اس وقت تک ہیں محو دنیا میں [illegible] — آپ [illegible] کا بھی قصر زرنگار

زار کی تو آپ نے پہلے ہی دے دی تھی خبر — بلجیم کا قادیاں نے کیوں نہ بانٹا اشتہار

مانٹی نگرو کی نسبت کیا ہے ارشاد آپ کا — غیب دانی آپ کی اس کی ہوئی کیوں پردہ دار

اب بھی [illegible] ہذیانات [illegible] تسلیم ہو جائیے

ورنہ کھو بیٹھیں گے سب اپنا بنا بنایا [illegible]

---

۲ اکتوبر ۱۹۱۷ء

قادیاں لندن میں

عناد اور بغض کی تصویر بن کر — گئے لندن بشیر الدین محمود
یہ مقصد آپ کا ہے اس سفر سے — کہ سرحد پہ بچھا دی جائے بارود
دکھائی یورپ نے آگ اس کو بنی — جہنم کی لپیٹ جس میں ہو موجود
یہ ساری سرزمیں پھر بھک سے اڑ جائے — اور افغانوں کی جمعیت ہو نابود
کوئی اس دیں کے دشمن کو سمجھائے — کہ ساری کوششیں تیری ہیں بے سود
بھلا برطانیہ کو کیا پڑی ہے — کہ دوزخ میں تیری خاطر پڑے کود

ہے تو بھی کیا کسی کرنیل کی میم
بھگا کر لے گئے ہوں جس کو مسعود

قطعہ تاریخ وفات

شیخ علی احمد جعد از غفران مکان ولد شیخ غلام نبی مرحوم قانون گوی و دو ہیڑہ کار دار عہد مہاراجہ رنجیت سنگھ ساکن گجرات ۔ پنجاب ۔

آج اک بزرگ قوم جہاں سے گذر گیا — چاروں طرف بلند ہے واحسرتا کا غل

اس واقعے سے ہیں متاثر سب اہل شہر — اس غم میں سوگوار ہیں شیخ اور شاب کل

ہر دلعزیز تھا وہ خواص و عوام میں — از بسکہ اس بزرگ کا مسلک تھا صلح کل

محفل کی رونقیں علی احمد کے دم سے تھیں — ساقی جب اٹھ گیا تو نہ مینا رہا نہ مُل

تاریخ ملہمانہ ہے اس کی وفات کی

گجرات کا چراغ ہوا آہ ہائے گُل

۱۳۱ ۳ ۱۹

---

۶ جنوری سنہ ۱۹۳۳ء

نوح

وہ بیکسوں کے واسطے بنتا رہا سپر — اور سرکشوں کے حق میں وہ اک تازیانہ تھا

تھا مقدرت سے بسکہ وہ بڑھ کر کشادہ دل — کچھ جمع اپنے واسطے اُس نے کیا نہ تھا

سمجھے ہوئے تھے اہلِ وطن پیشوا اُسے — سرکار سے خطاب اُسے گو ملا نہ تھا

دہقاں کی ناؤ موج میں تھی ڈگمگا رہی — جب تک کہ اس سفینہ کا وہ ناخدا نہ تھا

کی اُس نے آ کے غیب سے اس قوم کی مدد — جس کا بجز خدا کے کوئی آسرا نہ تھا

اس قوم کے لیے زباں کی بنا آ کے وہ زباں — جس میں سے ایک شخص بھی نطق آشنا نہ تھا

وہ پاک نفس تھا غرض اپنی مثال آپ — ذکر اُس کا آج خلق میں یوں غائبانہ تھا

شد دیباز بایپہ بیدہ ر ۱۵ آسماں رفت
مرغے نہ نشستہ است کہ دیگر تواں گرفت

یکم جنوری سنہ ۱۹۱۰ء

حبیب نور علیہ الرحمتہ

مرے جگر پہ بھاگت سنگھ کا ہے داغ نہاں — نہیں میں بھول سکا ہوں حبیب نور کو بھی

خدائے پاک کی شامل ہوں رحمتیں اُن کو — اور اُس کے ساتھ شہیدانِ کانپور کو بھی

۱۶ مئی سنہ ۱۹۳۱ء

داغ مرحوم

نقش سراب ہستی ناپائیدار ہے
شکل حباب زندگی مستعار ہے

گر عمر نوح بھی ہو میسر تو ہمیں کیا
آخر کو ہم ہیں اور وہی کنج مزار ہے

بلبل عبث ہے باغ میں ہنگامہ گرم کن
عہد خزاں ودیعت فصل بہار ہے

منزل پہ آکے راہ رو جادہ فنا
دامن نشاں ہو قاعدہ روزگار ہے

باتیں یہ سب درست بجا یہ تسلیاں
تسکین دل نہیں پہ کسے اختیار ہے

بچھڑا ہے ہم سے داغ ہمیشہ کیواسطے
دل داغدار ہے مژہ خونابہ بار ہے

یہ داغ وہ نہیں کہ مہ و لالہ جس کا ہو
اس غم میں شمس بازغہ بھی داغدار ہے

ہوتا ہے آج حوصلہ دل کا امتحاں
زور آزما زمین و زماں کا فشار ہے

ہوتی ہے اس کی مرثیہ خواں آج شاعری
ماتم میں اس کے آج غزل سوگوار ہے

جس کا کلام نازک و رنگین و دلفریب
اردو زباں کو مایۂ صد افتخار ہے

اردو میں جس نے شان تغزل وہ دی دکھا
سو جان سے جس پہ طرز نظیری نثار ہے

غالب سے نکتہ سنج جسے داد شعر دیں
اس کے سخنوراں میں مرا کیا شمار ہے

سونا پڑا ہے باغ کہاں ہے کدھر ہے آ — اے عندلیبِ گل تو ترا کہاں ہے

تصویر حسن و عشق کی کھنچوائیں کس سے ہم — پردیس میں مصور جادو نگار ہے

کیونکر کسے گا حسن خود آرائیوں کی مشق — مشاطہ کے کرشمہ پہ جس کا مدار ہے

نازاں ہوا ہے دکن کہ ترے اشتیاق ہیں — دلی سے اُڑ کے آئی وہ مشتِ غبار ہے

دلی کو جس پہ فخر ہے ہندوستاں کو ناز — جس کے تلامذہ میں ترا شہریار ہے

بزمِ سخن کی شمع رہے گا کلامِ داغ
جب تک فلک پہ شمس و قمر کو قرار ہے

۵ مارچ سنہ ۱۹۰۵ء

محمد اکبر خاں مرحوم

المتوفی سنہ ۱۳۲۳ھ

میں آج سنانے کو ہوں مشتاقوں کی زبانی — پہلو میں گدازِ جگر و دل کی کہانی

دشمن کا کبھی دل جس غم پہ نگاہ سے بھر آئے — اس غم کی مجھے آج ہے تصویر دکھانی

سیل آنسوؤں کا آج گذر جائے گا سر سے — گریاں ہی رہے گی مری خونابہ فشانی

کرنا ہے مجھے آج جواں بھائی کا ماتم
بیداد فلک سے مجھے منظور ہلالی

یہ روزِ سیاہ بھی مری قسمت میں لکھا تھا
کرنی پڑی اکبر کی سبب مجھے مرثیہ خوانی

رونق مرے گلزار کی تھی جس سے دوبالا
کیا ہو گئی اس سروِ خراماں کی روانی

وہ شمع کہ جس سے تھی مری بزم کی زینت
صرصر کو نہ لازم تھی سرِ شام بجھانی

کچھ شک نہیں اس میں کہ یہ دنیا ہے دو روزہ
یہ امر مسلم ہے کہ انسان ہے فانی

لیکن جگر خستہ کے اڑ جاتے ہیں پرزے
یاد آتی ہے اکبر مجھے جب تیری جوانی

چھبیس برس کی بھی نہ ہوئی تھی تیری عمر
کیوں تو نے جدائی کی اس وقت میں ٹھانی

کمبخت قضا سے کوئی شکوہ ہی کرے کیا
اس کو تو مساوات ہے پیری و جوانی

چلتے ہوئے توڑ گئے ہو میرا بازو
اچھی مجھے دی تو نے اخوت کی نشانی

ہم جلتے ہیں یہاں سوزندہ غم میں
لازم نہیں جنت میں خوشی تم کو منانی

جی اٹھے ہو کس واسطے تم جانِ برادر
کس دن کے لئے تھی یہ تمہاری ہمہ دانی

کل باندھ کے سہرا ترے سر آج دریغا
چادر تری تربت پہ پڑی مجھ کو چڑھانی

دیکھو تو ذرا اٹھ کے قیامت کا نمونہ
بالیں پہ تمہارے ہے بپا حشر ثانی

اکبر ترے مرنے کا نہ مٹ جائے گا کبھی داغ
اس پھول کو سینچے گا میرے اشک کا پانی

رونے کو نہیں ہم ہی یہیں روتا ہے فقط
کم ہم پہ ہوا ہے ہی زیادہ ہیں آوانی

جب قوم سے اٹھ جائیں جواں تم سے ہنرور
اللہ کو منظور ہے وہ قوم مٹانی

نئی زندگی اور نیا پیغام

زندگی بخشے جب اغیار کی بیداد مجھے
لاجپت رائے کی موت آئے نہ کیوں یاد مجھے

میری اک آہ سے جل جائے گا جالا یہ دام
پھانستا اس میں ہے بے فائدہ صیاد مجھے

دل کی بستی کو جو ویراں ہے بس اُجاڑ اس میں
اے خدا ہند میں کرنا ہے جو آباد مجھے

وطن اور اس کی روایات پہ جب سے حرف آئے
باعث ننگ ہے وہ شیوۂ فریاد مجھے

جو کسی سے نہ دبی ہے نہ دبے گی ابداً
ہو مبارک یہ مری فطرت آزاد مجھے

خود وہ مٹ جائیگا جو مجھ کو مٹانا چاہے
دے رہی ہے یہ شہادت مری اُفتاد مجھے

صبر سے جبر کو میدان میں دوں گا میں شکست
جبر سے یوں نہ ڈرائیں ستم ایجاد مجھے

بیڑیاں میری غلامی کی کٹیں گی کس وقت
خوب معلوم ہے یہ غیب کی میعاد مجھے

اس میں خود جارج ہوں یا ارون و ویجوڈ بن ہوں
دینے والے ہیں مرے عزم کی سب داد مجھے

---

۱۶ نومبر ۱۹۲۹ء

مفتی محبوب علی شہید

ہو گئے خوں سے جس کے دہلی کی زمیں بھی لالہ رنگ
ہند میں اسلام کو بخشی حیاتِ تازہ ہے

کفر کے حق میں ہے طوفانِ نوح کا اس کا لہو
اس کی سرخی ملتِ بیضا کے رخ کا غازہ ہے

کلمہ پڑھتا تھا نبیؐ کا اس لئے مارا گیا
تیری مظلومی کا فرش و عرش میں آوازہ ہے

خنجرِ قاتل کلیدِ قفلِ جنت بن گیا
کھل گیا تیرے لئے فردوس کا دروازہ ہے

اینٹ پتھر تک بھی چلنے لگے ہیں آج کل
سنگ فشانیوں کے جنوں کا جوش بے اندازہ ہے

ہر طرف سے ہے مسلمانوں پہ اعدا کا ہجوم
جانتے ہیں منتشر اس قوم کا شیرازہ ہے

منزلِ مقصود پر آخر پہنچ ہی جائے گا
مصطفےٰ جس کے [illegible] دو بتازہ

١٠ فروری ١٩٢٧ء

گرامیؔ مغفور

تازہ تھا ابھی دل میں غمِ شررؔ کی رحلت کا — اب خبر یہ آئی ہے چل بسے گرامیؔ بھی

نغز گو ہو بیشک تم اے عجم کے فرزندو — تم سے کم نہ تھی لیکن اُس کی خوش کلامی بھی

شستہ تھی زباں اُس کی پختہ تھا کلام اُس کا — تم دکھا نہیں سکتے اس میں ایک خامی بھی

مہر کی تجلی تھی ہر غزل کے مطلع میں — ماہ کی تمامی تھی جس کی ناتمامی بھی

نغمہ گرچہ ہندی تھا لَے مگر تھی شیرازی — سنتے اور سر دُھنتے طالبؔ و امامیؔ بھی

گنجِ شائگاں پاتا اس کے گنجِ معنے کو — خاک گنجہ سے آتا اٹھ کے گر نظامیؔ بھی

جانشیں کوئی اُس کا اب نظر نہیں آتا — کرتے ہیں اسے محسوس میرے جیسے عامی بھی

فارسی کی قدر اٹھی جب سے آئی انگریزی
کیسی سخت آفت ہے ہند کی غلامی بھی

---

۹ جون ۱۹۲۷ء

مرثیۂ آنریبل سید محمود مرحوم و مغفور

اے پارۂ دل آنکھ سے خوں ہو کے نکل جا ‏ ‏ اے دیدۂ تر چشمۂ خوں بن کے ابل جا

اے آہِ شرر بار کلیجے کو جھلس دے ‏ ‏ اے نالۂ جاں سوز سوئے چرخ زحل جا

اے سینۂ دم سرد کا طوفاں بپا کر ‏ ‏ اے مغز تپ سوزش پنہاں سے پگھل جا

اے کوہِ الم ٹوٹ پڑا احباب کے دل پہ ‏ ‏ اے آتشِ حسرت سرِ اعضا پہ چپل جا

اے برق فنا پھونک دے ارمان کی خرمن ‏ ‏ اے کشتۂ مراد و دل حسرت زدہ جل جا

لازم نہیں کرنی تجھے ضد اے جگر اس وقت ‏ ‏ رو رو کے نہ اس طور سے مژگاں پہ مچل جا

برپا ہے جہاں میں ترے بدلے کی قیامت ‏ ‏ اے حشر ہمیشہ کے لیے آج سے ٹل جا

تجھ سے نہیں کچھ زور ہے اے پنجۂ تقدیر ‏ ‏ برگ گل امید کو چٹکی میں مسل جا

باز آئے ہم اس زندگی مرگ نما سے ‏ ‏ اے افعیِ غم تو ہمیں سارا ہی نگل جا

باتوں سے چڑھی ندی اتر جائے کی گویا ‏ ‏ ناصح کا یہ فرمان ہے طبیعت کو سنبھل جا

لیونا نہ بتا شوق جو بھلا آج ہمارا -

محمود ہمیشہ کے لئے ہم سے سدھارا۔

سر سید مرحوم کا وہ نور نظر تھا
اس سے بھی سوا ہند کی نظروں میں مگر تھا

تھا قوم حزیں کے لئے سرمایۂ نازش
از بسکہ وہ گنجینۂ صد فضل و ہنر تھا

چھانے ہوئے تھے اس کے معانی یا دقائق
مخزن تھا فضائل کا معارف کا وہ گھر تھا

قانون کے اسرار و غوامض کو خصوصاً
اس کی ہمہ دانی سے کسے مقابل نہ مفر تھا

دل اور دماغ اس کے تھے مافوق حوالی
اپنوں میں نہ موجود تھا مثل اس کے اگر تھا

بیگانے تھے اپنوں سے سوا اس کے ثنا خواں
اس درجہ قوی اس کے فضائل کا اثر تھا

عظمت کبھی محسوس نہ اپنی ہوئی اس کو
باطن میں فرشتہ تھا وہ ظاہر میں بشر تھا

میراث میں نانا کی تھا اس کو ملی تھی
ہم سنگ خزف اس کے لئے نقرہ و زر تھا

صدمے میں شریک اس کے ہے بستان کہن بھی
پہلے وہ یہیں آ کے کھلا غنچۂ تر تھا

اس باغ کا اک پھول تھا وہ تازہ و خوش رنگ
اس شاخ کا وہ ایک گراں مایہ ثمر تھا

محمود کے مرنے کی ہے دشوار تلافی
ہے صبر کا یہ صدمۂ جاں کاہ منافی

خوں روئے گا یہ دیدۂ گریاں کوئی دن اور
رکھے گی ہمیں یاد پریشاں کوئی دن اور

جنت میں تجھے شوق کے پہلوئے پدر میں
جاں کھوئیں گے ہم سوختہ ساماں کوئی دن اور

کچھ گذری ہے اور ہوگی بسر کچھ ترے غم میں
اس مرحلے کے ہم بھی ہیں مہماں کوئی دن اور

چھپتا ہے [illegible] ہمیشہ
کرلیں ترے ماتم میں فغاں کوئی دن اور

اس سن میں تری موت قیامت سے نہیں کم
رکھتا تجھے روشن تھا یہ زنداں کوئی دن اور

محفل کی ضیا جس سے دوبالا تھی نہ بجھتی
اے کاش کہ وہ شمع فروزاں کوئی دن اور

نوخاستہ بیٹے کو دیا داغ یتیمی
اس سے تو نہ تھا توڑنا پیماں کوئی دن اور

لے دے کے فقط ایک تجھی پر تھا ہمیں ناز
پھر تجھ پہ نہ کیوں ہم سبھی نازاں کوئی دن اور

جو قوم میں اچھے ہیں وہ یوں جاتے ہیں مٹتے
مہماں ہیں دنیا میں مسلماں کوئی دن اور

تو قوم کی خدمت میں رہا باپ کا پیرو
یاد آئیں گے ہم کو ترے احساں کوئی دن اور

مرحوم کو دے خلد میں خالق اکبر
نعم البدل سید محمود عطا کر

جولائی سنہ ۱۹۰۳ء

مستقل نظمیں!

عید الفطر

١٣٤٤ھ

عید آئی لیکن اس کی کیا خوشی پنجاب کو — بچھ رہی ہیں جب کہ ماتم کی صفیں بنگال میں
کیجیے قسمت کے دشمن ہیں ہم مسلمانانِ ہند — مل نہیں سکتا خوشی کا ایک دن بھی سال میں
کب دکھا سکتے ہیں کھا کر گوشت سر عبدالرحیم — جو کرامت مالوی جی نے دکھائی دال میں
نکتہ چینیوں سے کیونکر چھوٹے ہاتھ ابھی بکھیڑوں میں کیا — خیال سے جو ہم کھلیں گے جا کے استقبال میں
طورِ سینا اور تھا کاشی کی وادی اور ہے — آئے موسیٰ یہاں خود سامری کی چال میں

—

ایک ہیں جو لذت بادہ نہیں سکتے ہیں تھم — بے تکلف ناچتے رہتے ہیں شب بھر بال میں
ایک ہم ہیں پاس بھی پبلک کا ہے ملحوظ اگر — حکم ہوتا ہے تو بود و دان کو نینی تال میں

—

مسلم شادو بن کر پڑا آنسو کی طرح — کچھ نہ ذوق آیا مگر کافر کے استقلال میں
کاٹ کر پیپل کی شاخیں شیخ جی خوش ہو لیے — یہ نہیں سوچا کہ ہیں اس کی جڑیں پاتال میں

سب سے بڑھ کر ہے انہیں کو دشمنیِ اسلام سے
آج ہے جن کا شمار اقطاب اور ابدال میں

صورتِ آدم کی مگر سیرت میں رشکِ اہرمن
نام کو انساں مگر ابلیس ہیں اعمال میں

اتقا سے بعد رہتا ہے اور اس پہ یہ دعویٰ کہ ہم
ہیں حضورِ سرورِ کون و مکاں کی آل میں

مطلقاً بے بہرہ ہے دینِ حجازی سے یہ قوم
حصہ جس کا ہے مسلمانوں کے جان و مال میں

میں کہاں اور وہ کہاں لیکن جھلکتا دیکھ لو
رنگ فخر الدین رازی میرے استدلال میں

مبارکباد عید صیام بہ معاونین "زمیندار"

عید جو ہے روزہ داروں کی مسرت کا نچوڑ
ہو مبارک قدر دانانِ "زمیندار" آپ کو

آپ کے گھر عید جن خوشیوں کو لے کر آئی ہے
سال بھر خوشیاں یہی دکھلائے دادار آپ کو

رکھے تا عید تک ساقیِ دوراں کا کرم
کامیابی کی مے گلگوں سے سرشار آپ کو

دوست ہو جو آپ کا ہو سر بلند و ارجمند
اور معاند آپ کا آئے نظر خوار آپ کو

کوکبِ بخت آپ کا ہو نقطۂ وسط السما
طالعِ حاسد نظر آئے نگوں سار آپ کو

عید رمضان

۱۳۴۶ھ

بدلا ہے عجب رنگ مسرت نے جہاں کا
ہر پیر یہ ہوتا ہے گماں آج جواں کا

اک لہر تھی برقی کہ گئی دوڑ رگوں میں
گر جیب نے یا شیشہ جیب شام کو جھانکا

جیتے تھے اس امید پہ مشتاق یہ جیسے
حاجب نہ ہوا دل کوئی چشم نگراں کا

ہر رنج ہے دنیا میں باندازۂ راحت
ہر غم نہاں پردۂ قد سے ہے ساز عیاں کا

انعام طرب لائی ہے شوال کی پہلی
کہ یاد ہے صد آلام رہینہ رمضاں کا

توپوں کی شلک سے گئی اٹھا سینہ دمنہ
کھولا ہے مگر رعد نے قفل اپنے دہاں کا

بچے ہیں نہا دھو کے سویرے ہی وہ تیار
بدلے ہوئے جوڑا اٹھا انداز سے ناز کا

آنکھوں میں ہے سرمہ تو لبوں پر ہے تبسم
قدرت کا یہ جلوہ ہے کرشمہ دہ ہے ماں کا

ہیں سرو چمن گوش بہ گلبانگ عنادل
یا مسجدیں ہیں شور مسلمان اذاں کا

یہ طنطنہ ہے دین کی شوکت کا ترانہ
یہ غلغلہ پیغام ہے عید رمضاں کا

آرائش بزم وجود اسلام ہے اس سے
یہ عید الف لام ہے اللہ میاں کا

میری بھی طبیعت میں ہے آج ایک نیا جوش | پھونکوں گا فسوں نظم میں آج اپنی زباں کا
دریائے معانی پہ ہے فراوانی امواج | شرمندۂ احساں ہے مری طبع رواں کا
دیکھی نہیں تصویر فصاحت کی جنھوں نے | وہ دیکھ لیں انداز مرے حسن بیاں کا
امڈی چلی آتی ہیں مضامیں کی گھٹائیں | برسیں یہ قلم پائے اشارہ جو بناں کا

تھی عید گہ اک آئینہ جس میں نظر آیا | جلوہ مجھے اسلامیوں کی شوکت و شاں کا
ہر شاخ دل ایمان کے پھولوں سے لدی تھی | اس باغ میں دھڑکا نہ تھا بہاراں کو خزاں کا
چرچے تھے اخوت کے زبان اور دہن پر | تھی لب لباب آج مساوات بیاں کا
بیٹھے تھے امیر اور فقیر ایک ہی صف میں | ٹوٹا تھا طلسم آج فلاں ابن فلاں کا
اس بزم دل افروز میں ہوتا نہ گذر کیوں | مجھ بے کس و بے مایہ و گم نام و نشاں کا

جیسے ہی وہ گانے سے فراغت ہوئی مجھ کو | چہرہ نظر آیا مجھے اس جان جہاں کا
بجلی سی کوئی کوند گئی آنکھ کے آگے | غارت ہوا سرمایہ مری تاب و تواں کا
ٹوٹا یہ شکیبا ہوا اور دل سے ہوئی پار | چشم غلط انداز میں تھا زور سناں کا
تھا غمزہ وجفا کیش لب لعل دغا کوش | وہ امن کا دشمن تو یہ ضامن تھا اماں کا
آتا ہے جگر منھ کو نہ بس [illegible] دل سے | دعویٰ تھا کل مجھے ضبط فغاں کا

سوچا یہ مگر ساتھ ہی، کس طرح ہے ممکن — نظارہ حرم میں نگہ نازِ بتاں کا

کیا ہو گئی مسجد بھی کلیسا کے برابر — دیتی ہیں جہاں کام مسیں حورِ جناں کا

کانوں میں ترنم کسی غارتگرِ دیں کا — آنکھوں میں تصور کسی آفت گرِ جاں کا

مسجد میں غرض شرم سے آب آب ہوا میں — اور دامنِ غیرت سے وہیں چہرہ کو ڈھانکا

اس سے یہ کہا میں نے کہ اے خالِ رخِ حسن — دربار ہے یہ بادشہِ کون و مکاں کا

وہ خود ہے جمیل اس لیے آنکھوں سے نہاں ہے — بے پردہ جو تم ہو یہ سلیقہ ہے کہاں کا

اس قید سے آزاد ہوئیں آپ یہ کیوں کر — بی بی کو اشارہ یہ ہوا کب سے میاں کا

مسجد میں جو تم آئی ہو بے برقع و چادر — کیا تم کو یہی حکم ہے اللہ میاں کا

ہے خانہ برانداز حیا یہ نئی تہذیب — اس نے تمہیں رکھا نہ یہاں کا نہ وہاں کا

سن کر مری باتیں یہ، کہا اُس نے بگڑ کر — سب بی بیاں آزاد ہیں اب پردہ کہاں کا

تم کون ہو پردہ کا جو دو مشورہ مجھ کو — کیا تم کو بھی منصب ہے کسی شیخِ زماں کا

معنی بھی تم سمجھے ہو غضِ بصر کے — آنچل سے جمال رخِ پرنور کو ڈھانکا

عارض پہ سجے یار ہو داماں نگہ تک — کیونکر متحمل ہو وہ اس بارِ گراں کا

میں پھرتی ہوں اور پھرتی رہوں گی کھلے بندوں — کچھ اس میں اجارہ نہیں بہمان و فلاں کا

میں جانتی ہوں تجھ کو کہ پہلے ہی سے میرے — دل پہ ہے اثر تیری جراحاتِ لساں کا

جاہل ہے سرافراز تو عالم ہے نگوں سار
واللہ عجب بھاؤ ہے قسمت کی دکاں کا

گالی ہو بھری منہ میں مگر لب پہ دعا ہو
یہ نکتہ سمجھ لو سبق سود و زیاں کا

کڑوی ہو کسیلی ہو چڑھا جا نہ انکار
فرمان یہ تسلیم کر و پیر مغاں کا

جلوت مری ہو جائے خلوت میں مبدل
ہو گی جو ذریعہ مرے نام اور نشاں کا

اک گوشہ میں بیٹھا ہوا دنیا سے الگ میں
سیکھوں گا سبق عافیت و امن و اماں کا

عید اضحیٰ

۱۳۴۹ھ

عید اضحیٰ آئی ہے لے کر اخوت کا پیام
دو جہاں میں لہرائی محبت کی شمیم

تازہ پھر ہوتی ہے سنت آج ابراہیمؑ کی
ہو رہا ہے آج پھر حل عقدۂ ذبح عظیم

رو رہے ہیں آج وہ موتی گدایان حرم
جن کو آیا تھا لٹانے ایک مکہ کا یتیم

ہند میں ایثار و سربازی کا ہے آج امتحاں
اے مسلمانو! تمہارا تو یہ مسلک ہے قدیم

لندن

لیلیٔ شب نے مانگ سواری — آدھی عمر اسی میں گزاری
بجتے ہیں پہلے بارہ ٹن ٹن — پھر بجتا ہے گجر کا ارگن
چاند کی پھیلی پھیلی کرنیں — پیاری چھیل چھبیلی کرنیں
سقف فلک پہ ناچیں چھم چھم — صحن زمیں پہ اتریں جھم جھم
دیتی ہیں تاروں کو جھکولے — نور کے لٹکاتی ہیں ہنڈولے
پھیلی ہوئی چاندی کا سمندر — سب جگہ باہر اور اندر
جس نے ملمع اپنا چڑھایا — اور بدلی اس شہر کی کایا
جو کہ ہے غداری میں بابل — کہتے ہیں سب ملکوں کا جسے دل
یعنی سر دفتر دنیا لندن — شاہد دل کش و زیبا لندن

قلزم و کوہ و دشت و بیاباں — ہامون، دریا، وادی، میداں
سب پہ تری آبادی پھیلی — جو نہیں سکتی جس کی گنتی

تیرے عرصۂ دل کے اوپر — تیرے مجلۂ جاں کے اندر
کیسے کیسے جذبے ہیں پویاں — کیسے کیسے بھرے ہیں ارماں

اے دنیا کے شہروں کے افسر — سب سے افضل سب سے برتر
حشمت والے شوکت والے — نشۂ دولت کے متوالے
صنعت اور تجارت والے — دولت اور حکومت والے
دانش والے حکمت والے — فلسفہ والے ہیئت والے
ہنڈیوں والے نوٹوں والے — فائدوں والے ٹوٹوں والے
برجوں اور مینا روں والے — باغوں اور بہاروں والے
ہالوں والے پارکوں والے — لائینوں والے پارکوں والے
ریلوں والے تاروں والے — برقی موٹر کاروں والے
قصروں اور ایوانوں والے — ہوٹلوں اور میخانوں والے
وسکی والے اکشا والے — لیمنڈ والے سوڈا والے
مرغیوں والے انڈوں والے — ریزنوں اور امنڈوں والے
توپوں اور بندوقوں والے — عاشقوں اور معشوقوں والے
تنکے چننے والوں والے — سر کے دھننے والوں والے

گورے گورے گالوں والے — بھورے بھورے بالوں والے

پیاری پیاری جبینوں والے — ابھرے ابھرے سینوں والے

چوری کرنے والوں والے — جیب کترنے والوں والے

لقوں والوں لچوں والے — شہدوں اور اچکوں والے

کیسے کیسے گنہ اور بدیاں — ہیں ترے دل کے اندر پنہاں

دیکھنا ہو گر تم کو تماشا — اچھی طرح سے کبھی لندن کا

واٹرلو کے پل سے دیکھو — وقت پہ صبح صادق کا ہو

پہلی شعاعیں سورج کی جب — چاک ہوں کر لی دامان شب

وہ دامن کہ ٹکے ہیں یکسر — جس میں کروڑوں کوکب و اختر

گیسو جیکہ نگار سحر کے — شبنم کے قطروں سے ہوں بھیگے

گزر و اگر اس پل پہ دھارا — دیکھ لو لندن کا نظارا

یہ [illegible] اصلی وقت یہی ہے — یہ وہ گھڑی ہے جس میں چھپی ہے

یعنی عہد شباب لندن — ناز و ادا و حجاب لندن

[illegible] وقت حسن افزا ہے — جوبن اس کا پھٹا پڑتا ہے

تن [illegible] نکھرتی — ندی پہ آکر پانی سے ہے بھرتی

جیسے کوئی دلبر خنداں | کرتا نقاب سے ہو اچپلیاں
ویسے ہی لندن نور کے تڑکے | اپنی جبین نور فشاں سے
بادل مست اور جھومنے والے | پیشانی کے چومنے والے
ایک طرف کو ادا سے ہٹا کر | ناز سے شرما کر اٹھلا کر
چہرہ کی تاب دکھا دیتا ہے | سورج جس کو جلا دیتا ہے

ایسے میں دیکھے کوئی لندن | اس کے قصر و بام و برزن
گرجا دیکھے مندر دیکھے | دریا دیکھے بندر دیکھے
دیکھے دریا کی موجوں کو | دیکھے بارکوں میں فوجوں کو
کشتیوں کے مستولوں کو دیکھے | شاخوں پہ پھل اور پھولوں کو دیکھے
رونق دیکھے بازاروں کی | کثرت دیکھے نظاروں کی
پردۂ عبرت پر پھر کھینچے | اپنے تصوّر کے رنگوں سے
اگلوں کے آثار کا نقشہ | پچھلوں کے دربار کا نقشہ
منعم کے اقبال کی صورت | مفلس کے جنجال کی صورت
دل کی فراخی و تنگی دیکھے | بخت کی رنگا رنگی دیکھے
دیکھے غرض یہ سب تصویریں | شان خداوندی کی نظیریں

لندن کا آوازۂ عظمت — سنتی کب سے آئی ہے خلقت
اس نے ایک زمانہ دیکھا — صدیوں کا آنا جانا دیکھا
سیل حیات بہے جاتی ہے — اندھی موج چلی آتی ہے
صبح کو جب سورج ہے نکلتا — نور کا اک چشمہ ہے ابلتا
دیکھو پھر وہی شکل مثالی — اور وہی فانوس خیالی
دل کی لگی سینہ میں دکاں ہے — دکھ کا جس میں ہمہ ساماں ہے
بیم و رجا و حسرت و ارماں — سازِ عیاں و سوزشِ پنہاں

ہے کہیں فقر کہیں ہے تنعم
قسمت کا برپا ہے تلاطم

سنگم

پریاگ میں ملتے ہیں جمنا سے آ کے گنگا — گویا ملا ہوا ہے نیلم سے بہتا ہوا وہ ہیرا
ان کی نیا نیوں نے کھینچا ہے نقش جوڑا — ان کی روانیاں ہیں شانِ خدائے یکتا

شعلہ لیے سینوں پہ موتی ڈھلکتا ہے

سرنگاپٹم

سلطان ٹیپو کے مزار پر دو آنسو

اے سرنگاپٹم! اے گنجِ شہیدانِ کرام
آخری وقت میں اسلام کی غیرت کی نمود

تیری آنکھوں میں ہے اپنوں کا عروج اور زوال
تو نے دیکھا ہے پرایوں کا ہبوط اور صعود

کام میں لا نہ سکی تھی جسے خاکِ دہلی
تیرے ذرّوں نے بچھا دی وہ حجازی بارود

کشورِ ہند کا رنگ اور ہی ہوتا کچھ آج
مکر کا دام بچھاتا نہ اگر چرخِ کبود

سو رہا ہے ترے پہلو میں وہ میسور کا شیر
مایۂ ناز تھا ملت کے لیے جس کا وجود

قوتِ بازوئے اسلام تھی اس کی صولت
اس کی دولت کے دعا گوؤں میں شامل تھے ہنود

کہیں سوتے ہیں نہ کروٹ یہ مجاہد بدلے
اب بھی اس خوف سے ہیں لرزہ براندام حسود

اس کے اٹھتے ہی مسلماں کا گھر بیٹھ گیا
تھا قیامت کا قیام اور قیامت کا قعود

آخری قول یہ اس کا نہ ہمیں بھولے گا
جس سے قائم ہوئیں آئینِ حمیت کی حدود

شیر اچھا ہے جسے مہلت یک روزہ ملی
یا وہ گیدڑ جسے بخشا گیا صد سالہ خلود

دل حسرت زدہ میرا بھی گیا ساتھ جب آج — اس کے مرقد پہ گئے یاس و تمنا کے وفود

پھر گئی آنکھ میں فردوس بریں کی تصویر — ظل ممدود میں تھا عابدہ سدر مخضود

اس کی دہلیز سے لپٹی ہوئی تھی رحمت حق — چومتے تھے جسے جھک جھک کے ملائک کے جنود

آئی گنبد سے ندا اے کہ تری پیشانی — رات دن درگہ دادار پہ ہے وقف سجود

بر سر تربت من چوں گذری ہمت خواہ

کہ زیارت گہ رندان جہاں خواہد بود

تیرے سینے کی جو مخزن کہ اب عظمت آزادی کی روح — تو نے جس سے کہ مٹائی ہیں غلامی کی قیود

بہ زمینے کہ نشان کف پائے تو بود

سالہا سجدہ صاحب نظراں خواہد بود

تطہیرِ یثرب

داخل ہُوا مدینے میں ابنِ سعود آج | پھر جوش پر ہے رحمتِ ربِّ ودود آج
توحید کا عرب میں علم سربلند ہے | قائم ہوئی ہیں شرعِ نبیؐ کی حدود آج
ہیں غازیانِ نجد مدینے کے پاسباں | یثرب میں خیمہ زن ہیں خدا کے جنود آج
آتے ہی مسجدِ نبوی میں پڑھی نماز | کیا لطف دے گیا ہے رکوع و سجود آج
منکر بتائے جاتے تھے جس نام پاک کے | اُس پر یہ لوگ بھیج رہے ہیں درود آج
اس جھوٹ کا کہ گنبدِ خضرا ہُوا شہید | سلطان نے بکھیر دیا تار و پود آج
ہم کو ہے پاسِ عہد کہ ابنِ سعود کو | کس کو ہیں یاد ازل کے عہود و عقود آج
کل جس کے نام سے بھی نہ عالم تھا آشنا | ہم اُس کے پاس لے کے چلے ہیں وفود آج
رگ رگ میں موجِ خون سلف دوڑنے لگی | مٹنے لگا ہے تفرقۂ ہست و بود آج
قبضہ میں ہے جن کے توفیصل عراق میں | نابود ہے حجاز میں ان کا وجود آج
اک رہ گیا علی سوا سے دیکھ دیکھ کر | یاد آرہی ہے مجھ کو حدیثِ ثمود آج
جدہ سے بھاگ لے فلسطین ہی تو ہو | جو بن رہا ہے جائے پناہ یہود آج

یا کہ اس دن منا سکتا ہے جشنِ خرّمی — جس کا اپنا ملک ہے اور اس میں اپنا راج ہے

یا چھپا سکتا ہے عشرت کی بساطِ ابنِ سعود — کر چکا جو اپنے گھر سے غیر کا اخراج ہے

عید اُن کی ہے جنہیں ہے پاسِ ناموسِ وطن — عید اُن کی ہے جنہیں دینِ ہدیٰ کی لاج ہے

تو ہی کر انصاف ہم کیا اور ہماری عید کیا — جن کی آزادی کی دولت ہو چکی تاراج ہے

جن کے اجڑے گھر میں سوئی بھانگ تک ملتی نہیں — جن کی جان اغیار کے بیداد کی آماج ہے

تو چمک کر منہ چڑاتا ہے ہمارا کس لیے
اور نویدِ عید لاتا ہے خدارا کس لیے

"نیرنگِ خیال" لاہور — اپریل

محبّت کی راہ

محبّت کی گلی میں سر کے بل جانا بھی ہوتا ہے — صنم کی آستاں پر سر کا ٹھکرانا بھی ہوتا ہے

مگر یہ بس کا رہرو کے اٹھانا شرط ہے اس کی — تڑپنا بھی یہاں ہوتا ہے تڑپانا بھی ہوتا ہے

مقدر عشق بازی کا ہے ٹھوکر کی یار کی سہنا
اور اس پہ مدعی کے گالیاں کھانا بھی ہوتا ہے

حریفوں سے دو دو باتیں

جن سے مقابلہ ہے وہ ہیں نام کے حریف
میداں میں اب تک نہ اُسکے کام کے حریف

پرتاپ اور ملاپ کو ہم کیا جواب دیں
ہم ہیں حریف بذلہ وہ دشنام کے حریف

دشمن وہ ہیں خدا کے اور اُس کے رسول کے
اور ہم ہیں ہردوار کے اصنام کے حریف

کوٹھوں پہ چڑھ کے پینگ لیں ہنس ہنس تو کیا ہوا
جب سے بھڑا کہ رن میں صمصام کے حریف

وہ اور کوئی ہوں گے جنہیں "بندے ماترم"
بتلا رہا ہے لالہ منشی رام کے حریف

تھا جاؤ ایک ساغرِ مل کا خراج بند
اگلے سے اب کہاں وہ مے و جام کے حریف

ہم کو بھی شکوہ ہے کہ مسلماں کیوں مٹے
شدھی سے کے آفتاب لب بام کے حریف

تاروں کو رکھ کے دیکھ لیں سورج کے سامنے
ہیں بر شرار شمار اگر اسلام کے حریف

---

۶ جون سنہ ۱۹۲۷ء

چند حسرت آمیز حقیقتیں

جب سے ہم میں "آنریبل" اور "مسٹر" پیدا ہوئے
سو سے فتنے ہائے [illegible] پیدا ہو گئے

طاق نسیاں پر اُسے اسلامیوں نے رکھ دیا
جس غرض سے حضرتِ خیر البشر پیدا ہوئے

واعتصمو کا طالب ہو کے رہتے ہیں جو مسلم بپا
کیوں نہ دو [illegible] ہم کے گھر پیدا ہوئے

کیوں نہ سیکھیں عورتیں آنکھوں میں آنکھیں ڈالنا
مرد جن کے [illegible] لیکچر پیدا ہوئے

سرمۂ چشمِ حسیناں بن گئی تہذیبِ غرب
دل لبھانے کو نئے جادو نظر پیدا ہوئے

آنکھ ہو گی لذت اندوز اب بے حجاب
خورد بین [illegible] گھر گھر پیدا ہوئے

پردہ دارِ خانۂ مسلم نہ کیوں ہو عنکبوت
انڈیا کونسل کے اندر پردہ در پیدا ہوئے

شیخ میں بھی تاب اٹھانے سے نہیں ڈرتے ذرا
ہم میں ایسے ایسے گستاخ اور نڈر پیدا ہوئے

وا دریغا فطرتِ مسلم ہوئی جاتی ہے مسخ
بن رہے ہیں لومڑی جو شیر نر پیدا ہوئے

کوڑیوں کے بھاؤ بکتے پھرتے ہیں بازار میں
مسند آرائی کے لائق جو گہر پیدا ہوئے

پاسِ ناموسِ شریعت [illegible]
[illegible] پیدا ہوئے

دیکھتا تھا ہم کو ان آنکھوں سے بھی انقلاب
آدمی سب ہو گئے گم اور [illegible] پیدا ہوئے

دیکھنے اور سننے کی توقع ان سے کیا | پیٹ ہی میں ماں کے جو کور اور کر پیدا ہوئے
انتخاب ہفت کشور خطۂ پنجاب ہے | اس میں کیا کیا نکتہ سنج اور نکتہ ور پیدا ہوئے

حاسدان تیرہ باطن کے جلانے کیلئے
تجھ میں اے پنجاب اقبال و ظفر پیدا ہوئے

---

۱۰ جولائی سنہ ۱۹۱۲ء

ذکاہات

مرے مخدوم مولانا عمادی | مزین جن سے ہے بزم افادات
فضائل کو ہے جن کی ذات پر ناز | معارف کو ہیں جو وجہ مباہات
لگے کہنے یہ مجھ سے شہر میں جب | کئے نثری سے میں نے اقتباسات
کہ شعری سے خطا ایسی ہوئی کیا | نہیں اس پر جو حضرت کی عنایات
چھپ سکتی نہیں ہرگز صحافت | نہ جب تک نظم کے ہوں اس میں لمعات
تنقل سے گئے خوان سخن پر | مناسب ہے کہ چن دیجے ذکاہات
کہا میں نے کہ فرماتے ہیں سچ آپ | ہے بیشک طربی قاضی حاجات

مگر لاؤں سلیقہ وہ کہاں سے — کہ نکلے بے تکلف بات میں بات
نہ مجھ میں بولواسی بذلہ سنجی — کہ دُہرا دن کو وہ دن شب کی حکایات
نہ مجھ میں دوپیازہ کی ظرافت — کہ اکبر خوش ہو اور ہو بیربل مات
بہر حال آپ کو اصرار ہے جب — تو حاضر ذیل میں ہے کچھ خرافات

ب

نہیں اپنوں سے امید مدارات — تو کیا غیروں سی ہو چشم مراعات
محبّت کا نتیجہ ہے عداوت — نرالی ہے عمل کی یہ مکافات
جگر پھٹتا ہے بھرتا ہوں اگر آہ — زباں کٹتی ہے کرتا ہوں اگر بات
زمانے کا ہے یہ برتاؤ مجھ سے — کہ اٹھتے جوتیاں ہیں بیٹھتے لات
مکرر کوب حوادث ہو رہا ہوں — ہیں میرے ہی لئے شاید یہ آفات
سوا جس وقت سے خلوت گزیں ہوں — زمیں ہے سخت اور دور آسماں سات
مرے دل کی ہے بستی جن سے آباد — نہیں ہوتی ہے اُن سے بھی ملاقات
ستاروں سے کیا کرتا ہوں باتیں — گذر جاتی ہے باتوں میں مری رات
کسی کی زلف عنبر بو کی مانند — پریشاں کیوں نہ ہوں میرے خیالات
ہوئے ہیں منکشف مجھ پر یہ اسرار — پڑھی ہیں میں نے جب قرآں کی آیات
کہ کرتا ہو کسی پر گر بھروسا — تو ہے وہ اک فقط اللہ کی ذات

سہانا وقت

وقت آ گیا کہ باغ میں بلبل ہو نغمہ سنج — اور شاخِ گل کو مژدۂ فصلِ بہار دے
وقت آ گیا کہ پھولوں سے لد جائیں ٹہنیاں — اور ہر شجر لباسِ خزاں کا اتار دے
وقت آ گیا کہ آنکھ کو بازار گاں سے سیج — پیمانہ تفاوتِ لیل و نہار دے
وقت آ گیا کہ ساقیِ خمخانۂ بہار — پھر سے کے پیرایۂ مشکبار دے
وقت آ گیا کہ رات کٹے اور پو پھٹے — وقت آ گیا کہ نورِ سحر پھیل تار دے

اے شمع صبح ہوتی ہے روتی ہے کس لئے
تھوڑی سی رہ گئی ہے اسے بھی گزار دے

---

۱۲ فروری ۱۹۳۸ء

چشمِ جاناں

ملا حسن نے غازۂ مشاطہ بن کر
ضیا اور شفق کا عذارِ سحر پر

بناگوشِ سنبل میں شبنم کا قطرہ
لٹکتا ہے یوں جیسے موتی کا آویزہ

بھرا ہے لبالب مئے ارغواں سے
ایاغِ گلِ نازکِ لالۂ تر

سطرِ شام رواں ہو رہا ہے
بنی ہے ہوا مشک میں بس کے کیسر

فسوں سازی و سحر بازی میں ہوں گے
کبھی چشمِ جاناں کے ہمتا و ہمسر

ہے چشمِ صنم مظہرِ شانِ ایزد
نیاز اس کا مرکز ہے نازاں مقدر

۱۰ اگست ۱۹۱۵ء

غزل

میرے سرو کا گلستاں اور ہے
میرے چاند کا آسماں اور ہے

سناتے ہیں قصے محبت کے لوگ
مرے عشق کی داستاں اور ہے

وہ ابرو سے پئے صید دل ہر گھڑی
لیے ہاتھ میں اک کماں اور ہے

ہر اک نوک تیرے پلک کی صنم
پئے صید جاں اک سناں اور ہے

زباں کام دے گی نہ زاہد تری
بیان عشق کا ہے زباں اور ہے

جگر دوز ہے تیر غازی نگہ
خدنگ مژہ کی کماں اور ہے

ہر اک تن میں ہے جان سے زندگی
میں زندہ ہوں پر میری جاں اور ہے

سیرِ کہسار

حسب فرمائش ڈاکٹر گوپی چند نارنگ

گذاری میں نے تابستاں کی فرصت کوہساروں میں
دل افروز آبشاروں میں دل آرا مرغزاروں میں

ہم آغوشِ صبا تھی نکہتِ گل کی سیہ مستی
جنوں پرور تھے نغمے طائروں کے شاخساروں میں

کھنچی تھی سامنے زنجیر سرجبوں پہاڑوں کی
فلک تھا بوسہ افشاں جن کی برفیلی قطاروں میں

نسیم آئی فضائے خلد سے اور بے حجاب آئی
کرن سورج کی ناچی ہو کے عریاں جوئباروں میں

مناظر ارتقا کی کر رہے ہیں ٹہنیوں پہ سے
شباب ڈاروں کے جدا جدا دیوداروں میں

الٰہ العالمین معبود ہے ہم بے نواؤں کا
جناب مالوی ہیں آپ کے پروردگاروں میں

۲۱ جولائی ۱۹۲۷ء

نوائے سروش

آج ہوا ہے اجتماع قدس میں اہلِ راز کا — رنگ دکھاؤں میں تمہیں بزم کے سوز و ساز کا

جھوم رہے ہیں نشہ میں جن و ملائک و بشر — جوش ہے کائنات میں نغمکدۂ حجاز کا

غلغلہ ہے مچا ہوا فرش سے بامِ عرش تک — مسلمِ دلفگار کے نالۂ جاں گداز کا

غیرتِ حق کی بجلیاں کوند رہی ہیں ہر طرف — ترکِ فلک کو حکم ہے اک نئی ترکتاز کا

ہند ہو یا حجاز ہو مصر ہو یا عراق ہو — حیلہ نہ چل سکا کہیں جان بہانہ باز کا

مشرقیوں کے واسطے سایہ ہی عین آفتاب — فلسفہ ہے یہ مغربی نورِ نظر نواز کا

کعبہ میں آ گئے صنم بتکدہ بن گیا حرم — قبلہ ہی وہ نہیں رہا رُخ کدھر ہے نماز کا

زہر بھرا پیالہ ہے لیکن اسے پیو ضرور — ہم کو یہی اشارہ ہے اُن کی نگاہِ ناز کا

تاب نہیں کہ سن سکوں کیجئے اس کو مختصر — قصہ بہت طویل ہے کفر کی حرص و آز کا

مژگاں کی سناں کے عوض اب سجتی ہے محفل
کانٹوں کی کتھا ہے نہ پائی کی نہ بانی

لذت وہ کہاں لعل لب یار میں ہے آج
جو دے رہی ہے پیٹ کے بھوکوں کی کہانی

گلشن میں نوا سنج ہو کیا مرغ خوش الحاں
صیاد کا جب مشغلہ ہے ریشہ دوانی

بدلا ہے زمانہ تو بدل دیئے روش اپنی
جو قوم ہے بیدار یہ ہے اس کی نشانی

گر شعر ہی کہنا ہے تو اس گر زگراں سے
بنیاد ہمیں چاہیئے دنیا کی ہلانی

اے ہم نفسو یاد رہے خوب یہ تم کو
بستی نئی مشرق میں ہمیں کو ہے بسانی

---

۱۲ فروری ۱۹۲۹ء

چوروں کا گیت

افسانہ لندن

ہم ڈاکہ ڈالنے والے ہیں ہم چوری کرنے والے ہیں
ہم چھاپہ مارنے والے ہیں ہم جیب کترنے والے ہیں

ہم پانے کا ریلیٹرے ہیں ہم مشاق اٹھائی گیرے ہیں

ہم دے کر چھیننے والے ہیں ہم لے کے مکرنے والے ہیں

آنکھوں میں پولس کے جھونکتے ہیں ہم شہیا خاک کی بھر بھر کر

اور ایسا ہی موقعہ آن پڑے تو مار کے مرنے والے ہیں

سن پاتے ہیں نام ہمارا جب تو خوف سے کانپ اٹھتے ہیں سبھی

مفلس محتاج روپے والے سب ہم سے ڈرنے والے ہیں

پی کے وسکی سلگا کے چرٹ ہم بیٹھتے ہیں اور گاتے ہیں

اس طرح سے ساری ساری رات بسر ہم کرنے والے ہیں

شہر آشوب

آج جو رسوا ہیں کل ہوگا انہیں کا احترام

(حکیم ناصر خسرو علوی خراسانی کی ایک نظم بلباس اردو)

اے صبا جا کر مدینے کو مرا پہنچا سلام — وہ مدینہ جس میں ہے ارباب حکمت کا مقام

پھر بتا مجھ کو کہ سب احباب ہیں کس رنگ میں — دے چکے جس وقت جا کر اُن کو یہ میرا پیام

عہد و پیماں پر زمانہ کے نہ بھُولو دوستو! — نقض عہد اس کی ہے عادت بے وفائی اس کا نام

اس دیارِ علم ہی کی پائمالی دیکھ لو — آسماں نے جس سے رہ رہ کر لیا ہے انتقام

غرۂ دنیا کی حکومت پر تو کرتے ہو مگر — یاد ہے اسلام کا تم کو جلال و احتشام

کانپتے تھے جس کی ہیبت سے فریقوں کی امیر — جس کی صولت نے بنایا تھا ہزاروں کو غلام

خاک ختلاں روند ڈالی جس کے پیل مست نے — ہند تک پہنچا تھا جس کا توسنِ محشر خرام

تم خوشامد سے کہا کرتے تھے اُس کے سامنے — دے خدائے پاک سلطاں کو حیاتِ مستدام

گر چبانا چاہتا تھا کوئی لوہے کے چنے — شاہ کے اقبال سے مکھن وہ بنتے تھے تمام

غزل

ہے میری کل کائنات اک دلِ امیدوار
اس پہ بھی لیکن نہیں آہ مجھے اختیار

زندۂ جاوید اسے کہتے ہیں اہلِ نظر
سر میں سمایا ہوا جس کے ہو سودائے یار

کیا ہے بجز صبر و شکر چارۂ دردِ فراق
یا بجز اس کے ہے کیا حاصلِ عشقِ نگار

حاصلِ عمرِ عزیز ہے فقط اتنا کہ ہوں
میں نظرِ دوست میں منفعل و شرمسار

کوہِ الم سر پہ ٹوٹ تیرِ ستم دل کو چھید
ہے سر و سینہ مرا وقفِ جفائے نگار

عشق سے کرتے ہو منع بات تو کہتے ہو سچ
حضرتِ ناصح مگر دل پہ کسے اختیار

سینہ میں دل غرقِ خوں آنکھ میں دنیا سیاہ
کیوں نہ ہوں منت کشِ لعلِ لب و زلفِ یار

لازم و ملزوم ہیں راحت و رنجِ جہاں
کیفِ مئے خوشگوار کا ہے نتیجہ خمار

ہیچ مرزی میری کام میرے آ گئی
خاکِ درِ یار ہوں گرچہ ہوں مشتِ غبار

ہے علم افرازِ عشق بے نعرۂ دیدِ حسن
برقِ تجلی گری طور ہوا بے قرار

عمر گنوا دی یونہیں کر کے تمہارا کہا
اے سرِ بیہودہ گرد اے دلِ بیہودہ کار

غزل

وہ کافر آج دل کا لینے کو امتحان ہے
تنتے ہوئے ابرو پہ چڑھی ہوئی کمان ہے

کس کام کی وہ الفت جو جان کو نہ چھوڑے
ہم تو ہیں اس کے قائل ہو جان تو جہان ہے

اس نازنین کے دل پہ نالہ کا کب اثر
بام وصال اونچی اور پست نردبان ہے

ہے جلتے ہوئے دل کی تو پروا کریں بھی
بجلی گری ہے جس پہ میرا ہی آشیان ہے

ہے میرے درد سوا کا ایک یہ کرشمہ
لوگوں نے جس کو سمجھا بھرے ستو آسمان ہے

تجھ کو کس طرح کی اس سے نہیں شکایت
آنکھوں سے وہ نہاں ہو دل میں مگر عیاں ہے

دیکھو تو شوخ چشمی یاد عدو نے آ کر
بیٹھے ہی دل میں ڈھونڈا اس شوخ کا نشان ہے

داغ جگر کے لالے لگیں گے عمر بھر تک
میری بہار وہ ہے جس کی نہیں خزاں ہے

Very Good

عید

لاہور یکم شوال المکرم ۱۹۴۸ء

ماتم کدہ ہند میں اے عید نہ آ تو
ہم سوگ میں ہیں نغمۂ شادی نہ سنا تو

ہم غم زدہ ہیں کیا ترے آنے کی خوشی ہو
افسردہ دلوں کا نہ مذاق آ کے اڑا تو

عیداں کی ہے جو قید نصاریٰ سے ہوں آزاد
کیوں چل کے غلاموں کے گھر آئی ہے بھلا تو

جس ملک میں کھانے کو فقط روزہ ہو یا غم
کیا اس کو چکھائے گی سویّوں کا مزا تو

اس چاند سی صورت پہ کبھی ہم بھی فدا تھے
بستے ہیں جہاں اب ترے عاشق وہیں جا تو

گر عرش سے اتری ہے تو لے راہ عرب کی
یا رونق اناطولیہ کی جا کے بڑھا تو

بام و درِ کابل پہ بکھیر اپنی تجلی
طہران میں پہنچ [illegible] کی عشرت کی صدا تو

دہلی میں نہ آ اور اگر آئی ہے تو اے عید
ہم تیرے سے باتوں کو بھی سننے سے بچا تو

شاہد دو سرا کا ہمیں دے جا کوئی پیغام
بگڑی ہوئی اسلام کی تقدیر بنا تو

غزل

بڑھا ہے آگے کو روزِ روشن ہٹی ہے پیچھے کو رات کالی
بچھڑ گیا آسماں کا میلہ ہوئی ستاروں سے بزم خالی

ہنسا کے غنچوں کو ابر رویا جھکا کے گردن کو چاند سویا
یہ نقش ہستی ہے بے اعتباری کہیں جلالی کہیں جمالی

کسی کی غلطی نہیں یہاں کچھ بنا ہے سب ہیں معرفتا
وہ فخر رازی ہوں یا فلاطون ہو یا ارسطو ہوں یا غزالی

گیا ہے اپنا داغ دل سے نہ غنچہ گل سے ملے ہیں کھلنے
کسی نے بڑھ کر تو آ دبوچا کسی نے پلمن ہی توڑ ڈالی

ہوا ہے مفہوم اپنا اپنا الگ ہے تقدیر اپنی اپنی
دیا ہے اُس شوخ دلستاں نے کسی کو بوسہ کسی کو گالی

عطا کیا ہے یہ نکتہ اس نے مرے قلم کو خمودی میں
زباں [illegible] ساقی اور بخشش نرالی

زخمۂ چنگ رودکی

دیده وراں متفق هستند که هیچکس از سخن سرایانِ عجم به پایهٔ رودکی نه رسیده خنگ نصر بن احمد را اگر آبِ جیحون تا بیاں آورده، همال اثرِ ترانه اش بود، که تاج الشعرا امیر معزی هم از نظیرش عاجز گشت. من هندی نژاد و کج مج زبان کی باشم که جوابِ رودکی نویسم. این چند ابیات که از کلکِ من فروچکیده پاسخ آن بادهٔ ترانه ریز نباشد. اما نعرهٔ الست مستانه که علی سبیل اضطرار از دلِ دردمند بجست.

ساقیا برخیز و مے در جام کن	فصلِ گل در بوستاں آید همی
بادِ نوروزی وزید اندر چمن	نغمه اش عنبر فشاں آید همی
مسلم از خوابِ گراں بیدار شد	انقلاب اندر جہاں آید همی
زود بینی چند ما از لوندره	شاد و کام و کامراں آید همی
باش تا برقے درخشد از حجاز	غیرتِ حق در میاں آید همی
باش تا موصل برآرد شعلۂ	تابشش اندر استخواں آید همی
باش تا از پردۂ مشرق بدر	حجتِ اسلامیاں آید همی
کفر را غوغا بپا بیدار نہاد	مہدی آخر زماں آید همی

باش تا اندر ہندوستاں — محشرستانے عیاں آید ہمی

نعرۂ اللہ اکبر مے زنم — ناتوانا را تواں آید ہمی

آنکہ ہجرت کرد بہر مقدسش — خوب جنت کون و مکاں آید ہمی

ناخدا باشد امان اللہ خاں — کشتی ما بر کراں آید ہمی

جانب کابل تو طار اند قطار — کاروان ہندیاں آید ہمی

رودکی چنگ است و شکر نوحہ اش — یاد یار مہرباں آید ہمی

مسلم از بانگ نمازے کردہ است

"بوے جوے مولیاں آید ہمی"

دسہرہ اور محرم

کہہ رہا تھا یوں ہندو مسلم غیر مقدم کی — نہیں یہ سب کے تقریبیں دسہرے اور محرم کی

ادھر [illegible] قتل [illegible] — ادھر ہے ابن حیدر کی شہادت وجہ ماتم کی

ادھر [illegible] — ادھر پہنچی ہے ناکامی سے نوبت حسرت و غم کی

اُدھر جمعیتِ خاطر سے نقشہ بند مٹھی کا
ادھر دل کی پریشانی سے صورت زلفِ برہم کی
کوئی مسرور ہوتا ہے کوئی رنجور رہتا ہے
کبھی اک حال میں دیکھی نہیں اولادِ آدم کی
دسہرے اور محرم میں ہے قدرِ مشترک اتنا
عدد بت وہ ہی شکل کی تو شیر بنی یہ ہم کی

خوشی ہے ہندوؤں کو اس لئے یہ فرض ہے اُن کا
کہ دنیا کو دکھائیں شان اک دل سوز ہمدم کی
مسلمانوں سے اس غم میں کریں اظہار ہمدردی
بنیں تصویر اس تقریب پر خلقِ مجسم کی
مسلمانوں کے زخمی قلب کو صدمہ نہ پہنچائیں
جو ممکن ہو کریں اس کے لئے تدبیر مرہم کی
مسلمانوں کے غم میں دخل دینے کی ہے کیا حاجت
کہیں پیدا نہ جنت میں ہو کیفیت جہنم کی
مسلماں بھی نہ ان کے عیش و عشرت میں مخل ہوں
یہی اک کارگر تدبیر ہے اخلاص باہم کی

مسلماں اور ہندو پیشتر تھے متفق دونوں
یہ نا چاقی کہاں سے بیچ میں کمبخت آ دھمکی
اسی نے امن کا شیرازہ درہم کر دیا یکسر
اسی نے مجلسِ عیش و طرب یک لخت برہم کی

دسہرہ اور محرم کا فقط ہنگامہ ہو اک دن
یہی غایت تو ہے دیکھیں اس تقریبِ اعظم کی
ان کی حقیقت پہ
یہ رسمیں ایک مدت سے چلی آتی ہیں کیوں چمکی

فسانہ رام چندر جی کا سب کو یاد ہے ازبر — انہوں نے کس طرح بنیاد حق و صدق محکم کی

شدائد اور مصائب میں ہوئے وہ مبتلا برسوں — کبھی تکلیف کی اس راہ میں پروا بہت کم کی

شہید کربلا نے جان دی حق کی حمایت میں — نہیں باطل کے آگے اپنی گردن عجز سے خم کی

رہ حق میں رہیں ثابت قدم ہندو ہوں یا مسلم

یہی تعلیم ہے بس دسہرے اور محرّم کی

۲۵ اکتوبر ۱۹۱۰ء

معصوموں کی بھولی صورت میں — کیا تم نے نہ دیکھا مرا مکھڑا
بچوں کی بھولی آوازوں میں — کیا تم نے مرا نہ راگ سنا
اب دیکھو مجھے میں جاگی ہوں — کہلاتی ہوں نندا کا میں تڑکا
اب دیکھو مجھے میں آئی ہوں — لائی تمہارے دکھ کی دوا
کرتے نہیں کیوں ڈھونڈتے مجھے — کیا تم نے مجھے نہیں پہچانا
وہ وعدہ میں تم سے کر گئی تھی — کیا بیٹھے ہو تم اُس کو بھلا
میں سینے کے ملک سے آئی ہوں — سب درد تمہارے دوں گی مٹا

کیا اب بھی تم اس کے منکر ہو؟
کہلاتی ہے سانپ کی جو ماتا

خیالستان

اک جہان رنگ و بو خود مرا خیال تھا — گوشۂ قفس مجھے عالم مثال تھا
رات شاہبازِ فکر لے گیا کہاں کہاں — خود تو میں شکستہ پر اور گسستہ بال تھا

چھپ چکا تھا آفتاب ضو فشاں تھا ماہتاب
کائنات کا مزاج رو بہ اعتدال تھا

کوہ و دشت بام و در غرقِ موجِ نور تھے
بسکہ ماہِ نیم ماہ بن چکا ہلال تھا

چاک تھی قبائے گل بے نقاب تھے نجوم
بے حجاب ہر طرف حسنِ لا یزال تھا

دیکھتا تھا میں جدھر سربسجدہ تھے شجر
ڈال ڈال پات پات ذکرِ ذوالجلال تھا

عرش و فرش مست تھے اپنے اپنے رنگ میں
کیا کہوں مگر کہ کیا میرے دل کا حال تھا

وہ زمانہ پھر گیا یک بیک نگاہ میں،
جب ہر ایک حق پرست بوذر و بلال تھا

جب نبیؐ کے نام پر جسم و روح تھے نثار
جب خدا کی راہ میں وقف جان و مال تھا

جام جم سے بے نیاز تھی شراب خانہ ساز
بے کسوں کا چارہ ساز ساغرِ سفال تھا

باغ میں وہی بہار پھر کبھی آئے گی کبھی؟
حاملانِ عرش سے یہ مرا سوال تھا

ہم زباں نہ تھے مگر میں سمجھ گیا مراد
میری بات کا جواب مصطفیٰؐ کمال تھا

کُتّے سے پڑھو سبق وفا کا

اپنے ریوڑ کو ایک چرواہا — دامنِ کوہ میں چراتا تھا
کہ ہُوا ناگہاں بلند اک غل — اُس نے کچھ دور ایک شور سُنا
لومڑی سے جیسے چھنتی ہو کوئی — بھونکتا یا ہو جس طرح کُتّا
رک کے کہسار میں گڈریے نے — آنکھ اٹھا کر اِدھر اُدھر دیکھا
اور گھنی جھاڑیوں کے پتّوں میں — ایک کُتّا اُسے نظر آیا
اس علاقے کے سارے کُتّوں سے — نسل اس کی جدا تھی ذات جُدا
ہر قدم پر ذرا سے کھٹکے سے — چونکتا تھا وہ اور جھجکتا تھا
اس کی آواز سے بھی وضع سے بھی — درد اور اضطراب تھا پیدا
پیش و پس راس و چپ فراز و زیر — متنفس نہ تھا کوئی اس جا
نہ سنے کوئی گونج سیٹی کی — نہ کسی کے پکارنے کی صدا
ہوئی چوپاں کو تب تو حیرانی — کہ یہ کتّا یہاں ہے کرتا کیا
غار تھا اک یہاں وسیع و فراخ — جس میں یخ موسم دسمبر کا

جمع رہتا تھا جون تک پیہم
گرمی آئی نہ تھی یہاں گویا

اس کے نیچے تھی جھیل اک گہری
اس کے اوپر تھا اک پہاڑ اونچا

جھیل ہیلون کے بیچوں بیچ
یہ خطرناک غار واقع تھا

نہ یہاں پر تھی کوئی آبادی
نہ کہیں آدمی کا نقش پا

مچھلیاں جھیل پر یہاں لیکن
بھرتی تھیں گاہ گاہ سنسنایا

کوّے کرتے تھے کائیں کائیں کبھی
اور اسے ٹیلا تھا دہراتا

کبھی قوس و قزح یہاں آئی
کبھی ابر سیاہ جہاں چھایا

آ کے تانا یہاں کہرے نے بھی
تیرہ اور تار سا سائبان اپنا

کبھی خورشید کی شعاعوں نے
آ کے اپنا یہاں علم گاڑا

لوٹ آتی تھی گونج کر آواز
ایسا صعب المرور تھا یہ درہ

دیکھی حالت عجب گڈریے نے
اس کے دل میں سما ہوا کھٹکا

جلدی جلدی قدم بڑھاتے ہوئے
ٹیلوں اور ٹیکروں کو طے کرتا

اس گڑھے سے پہنچ گیا وہ وہاں
جھونکتا تھا کھڑا ہوا لٹتا

نہ گیا تھا ابھی زیادہ دور
لیٹا اس نے راہ میں پایا

لاشہ اک آدمی کا بوسیدہ
رہ گیا تھا فقط ڈھانچہ جس کا

دیکھ کر واقعہ یہ ہیبت ناک
خوف دل پر شباں کے چھایا

نیچے اوپر نگاہ دوڑا کر — اُس نے اپنا قیاس دوڑایا

کہ یہ کس آدمی کا لاشہ ہے — اور مرا کس طرح یہ بیچارا

سامنے پُرخطر چٹان تھی جو — اس سے یہ شخص تھا پھسل کے گرا

اب حقیقت کھلی گذرنے پر — اب وہ سارا یہ ماجرا سمجھا

یک بیک یاد آگیا اُس کو — اک مسافر کا نام اور پتا

جو کہ اس راہ سے فلانے روز — ایک کُتّے کے ساتھ تھا گذرا

طرفہ ایک ماجرا ہے سو لیکن — میں نے جس کے لئے یہ قصہ لکھا

لوحِ جاں پر گر آبِ زر سے اسے — کھینچئے نقش تو نہ ہو بے جا

ابھی تک بے قرار ہو ہو کر — تھا وہ کُتّا کھڑا ہی بھونک رہا

ہوگئے تھے اُسی مہینے تین — رہتے رہتے یہاں صباح و مسا

یہی کہسار اس کا مسکن تھا — یہی ویرانہ اس کا تھا ملجا

اس میں کچھ شک نہ تھا کہ جس دن سے — گر کے یہ بدنصیب شخص مرا

سگِ اصحابِ کہف کے مانند — اس جگہ سے یہ باوفا کُتّا

نہ ہلا ایک دم بھی اور کہیں — اس کے لاشہ کو چھوڑ کر نہ گیا

پہرہ دیتا رہا وہیں شب و روز — اپنے آقا کو جان کر سوتا

گر یہ پوچھو کہ اتنی مدت تک — اس بیاباں میں اس نے کیا کھایا

کیفیت اس کی مجھ کو کیا معلوم | جانے اس کی سرگزشت کو وہ خدا
جس نے الفت دلوں میں پیدا کی | جس نے کتے کو کی وفا وہ عطا
کہ نہیں ممکن آدمی سے کبھی
ہو سکے اس کے حق میں عہدہ برآ

محزونؔ
لاہور

۵ اگست سنہ ۱۹۰۰ء

حالی کے چند ابیات کی تخمیس

قرآں ہمارے قفلِ تمنا کی ہے کلید | نصرت کی جس نے دی ہے ہزیمت میں بھی نوید
لاتقنطوا کے بادہ کی جس سے ہوئی کشید | جہاں میں ہاتھ سے نہ دیا رشتۂ امید
اب تک تو ہم جہاں میں بہت شادماں رہے

مشرق میں ٹھیکا ایک نے تجویز کر لیا | مغرب میں دوسرے نے مراکش کو کھا لیا
جو ہم نے ترک کیا تھا وہ یورپ نے پا لیا | یارانِ تیز گام نے محمل کو جا لیا
ہم محوِ نالۂ جرسِ کارواں رہے

دیتے ہیں چلتے پھرتے [illegible] | آپ ہیں سلطاں کے خیرخواہ

در پردہ آپ رکھتے ہیں پاپاسے رسم و راہ / کل کی خبر غلط ہو تو جھوٹے کا رو سیاہ

تم مدعی کے گھر گئے اور میہماں رہے

ان کو اطالیہ میں ہوس رانیوں سے کام / ہم کو طرابلس میں پریشانیوں سے کام

دونوں کو اپنی اپنی خود افشانیوں سے کام / دریا کو اپنی موج کی طغیانیوں سے کام

کشتی کسی کی پار ہو یا درمیاں رہے

---

۱۵ فروری ۱۹۱۲ء

غریب الوطن شاعر کا خطاب اپنی بی بی سے جو وطن میں ہے

بزم دل میں جب کے روشن شمع یادِ یار ہو / ہے اسے سب ایک ویرانہ ہو یا گلزار ہو!

کس لقب سے یاد تجھ کو اے مری بی بی کروں / مونس و ہمدم کہوں دلبر کہوں جاناں کہوں

تیری عصمت کی قسم تیری محبت کی قسم / لوحِ دل پہ ہے ترے احساں کا نقشہ مرتسم

غم کدہ میرا ترے ہونے سے عشرت خانہ ہو / تیری پیاری پیاری صورت زینت کاشانہ ہو

تو چراغِ منزلِ امید ہے میرے لئے / تو خدائے پاک کی تائید ہے میرے لئے

دیکھ کر دل میں تری تصویر روح آسا کو میں / بھول جاتا ہوں غم دنیا و مافیہا کو میں

متفرق نظمیں!

لاہور میں مہارانا نصر اللہ خاں نومسلم کا ورود مسعود

اِذَا جَاءَ نَصْرُ اللّٰہِ وَالْفَتْحُ وَرَاَیْتَ النَّاسَ یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰہِ اَفْوَاجًا

کاشیا اڑی نسیم آئی گل ونسریں بدوش
رات کو خواب کے صحن چمن کے سامنے

سجدہ میں سر ہے مسلمانوں کا اس احسان پر
درگہ پروردگار ذو المنن کے سامنے

بج رہے ہیں شادیانے جلد نصر اللہ کے
صبح سے اسلامیوں کی انجمن کے سامنے

ہاتھ سے جاتا رہا جو ان نابر ستمگر سا
جائے کیا منہ لے کے شدھی سنگٹھن کے سامنے

ساری جاتی آ گئے نصر اللہ خاں کو دیکھنے
آ نا ہے آیا ہے پر دین دلہن کے سامنے

پانچ لاکھ اسلام کے شیدائیوں کی آ گئیں
جھک گئیں اسلام کی سمدھن کے سامنے

آج کے دن راجپوتوں نے کیا ہے سرخرو
تھک کے بیٹھا کوبر کالا چرن کے سامنے

وقت آ پہنچا کہ کٹ کر خوف قید و بند سے
جا گریں یزداں لیے پرستار اہرمن کے سامنے

وقت آ پہنچا کہ ہوں تکبیر کے نعرے بلند
بتکدوں کی راہ پر دار و رسن کے سامنے

وقت آ پہنچا کہ ہر دل ہو مرعوب اسلام کا
خس بدنداں کفر ہو دین حسن کے سامنے

دیکھنا اس روز جاتی کی پریشانی کا حال
بال جب کھولے گی شدھی سنگٹھن کے سامنے

کیا تماشا ہے کہ نکلے گو کلی با سنتیے | یثربی دنگل کے گرد پیلتن کے سامنے
چیز ہی کیا ہیں بتانِ ہردوار و سومنات | غازیوں کے بازوئے خیبر شکن کے سامنے
دیدۂ خفاش باطل کا ٹھہرنا ہے محال | آفتابِ حق کی چمکیلی کرن کے سامنے
اینٹھتے تھے مالوی جی ماش کے آٹے کی طرح | سب اکڑ فوں گم ہوئی پہنچے جو رن کے سامنے
+ گائے کی دم تھام کر تالاب پار اترے تو کیا | لطف جب ہے ہفت قلزم ہوں بدن کے سامنے
+ اوم کا جھنڈا حرم تک گاڑنا آساں نہیں | شہسوارِ نجد جیسے تیغ زن کے سامنے
لالہ لہکا تھا مگر جمنا کہاں تک اس کا رنگ | سرخیِ خونِ شہادت کی پھبن کے سامنے
برہمن کی ہوشیاری کی لنگوٹی کھل گئی | شیخ کے بے تہمدے دیوانہ پن کے سامنے

آ ملے ہم سے اگر دو چار نا ہر سنگھ اور
زمزم اُبلے گا اسی گنگ و جمن کے سامنے

---

۱۵ اپریل سنہ ۱۹۲۷ء

شعلۂ نافسردہ

اب بھی ہے اسلامیوں کے سر میں سودائے جہاد
اس انگیٹھی میں دہکتے ہیں کچھ انگارے ابھی

کہہ دو فیصل سے کہ گرمایا اگر ابن سعود
بل نکل جائیں گے بگلے کی طرح سارے ابھی

سبز جھنڈا ہاتھ میں لے کر رسولؐ اللہ کا
ہونے والے ہیں مسلماں عرش کے تارے ابھی

دیکھا لو ایک نشۂ شہادت کا سب انتظار
اور بھی پھوٹیں گے اس میں خون کے فوارے ابھی

سن تغیغ تیری خوشیاں ساری قبل از وقت ہیں
زندہ ہیں آہید دیش کے ہوا لے ابھی

---

۱۳ مارچ ۱۹۲۸ء

برار

رندوں کو میری آنکھ کا ساقی اشارہ ہو — پھر کیوں نہ محتسب کی ادا پارہ پارہ ہو

نکلا ہے ڈوب کر جو افق پر بصد فروغ — شاید یہ اے دکن نہ تیرا ہی ستارہ ہو

آثار تو یہی ہیں کہ نکلیں اجارہ دار — اور ایک قطعہ برار کا منسوخ اجارہ ہو

چھینا ہوا جو حق ہے وہ حقدار کو ملے — کتنا ہی خواہ اس میں کسی کا خسارہ ہو

ہاتھ آئے پھر یہ گم شدہ لولوئے شہوار — تاج نظام اس سے مکلل دوبارہ ہو

اپنا ہی باغباں جو گلشن کو ہو نصیب
کس درجہ دل فریب پھر اس کا نظارہ ہو

اردوئے معلیٰ

سنگٹھنیے کہ وہ ہیں دشمنِ جانِ اُردو — مٹنا چاہتے ہیں نام و نشانِ اُردو

فارسی سے انہیں نفرت ہے جو ہے روحِ ادب — عربی سے انہیں ضد ہے جو ہے جانِ اُردو

ان کے سب چیلے مگر اپنے ہی اوپر الٹے — ان کے سینوں میں ہے پیوستہ سنانِ اُردو

لاجپت رائے گھٹے جاتے ہیں اس غم میں کہ ہائے — لازمی ہو گئی پنجاب میں زبانِ اُردو !

تیج کے والد ماجد کو یہ حسرت ہی رہی — ناگری کو نہ میسر ہوئی شانِ اُردو

ٹاٹ ہندی کا بنارس میں الٹ کر چمکی — آریہ ورت کی بستی میں دکانِ اُردو

ہم نے بھاشا میں سنی ہندی سمیلن کی کتھا — مگر اس میں وہ کہاں زورِ بیانِ اُردو

گرچہ گن گاتے ہیں ہندی کے ملاپتی پرتاپ — جس سے چاندی ہوئی ان کی وہ ہے دکانِ اُردو

گالیاں کھا کے بھی ان کی انہیں مندی بخشی — دیکھتے جائیے پہنائیِ خوانِ اُردو

مالوی جی نے بہت زور لگایا لیکن
نہ تھما پر نہ تھما سیلِ روانِ اُردو

قبولی

کل مجھ کو راستے میں ملے رائے مول چند
پہلو میں آپ کے ہے دل اور وہ بھی دردمند

کہنے لگا کہ گوش نصیحت نیوش سے
سن لیجئے خاکسار کے بھی آج چند پند

میں بھی کسی زمانہ میں تھا آگ سر بسر
اور جذبہ شباب تھا اس آگ کا سپند

اب تو مگر ہے سست بڑھاپے میں جوڑ جوڑ
ڈھیلا ہوا ہے آ کے ضعیفی میں بند بند

لاؤں کہاں سے ولولہ ہائے شباب کو
ممکن نہیں کہ شیر بنے جو ہے گوسفند

ہو پیر شصت سالہ میں کیسے نشاطِ عمر
کس طرح تیس سال کی الٹی بھروں زقند

چکھا ہے میں نے تلخیِ دوراں کا ذائقہ
کھایا ہے زہر میں نے یہ برسوں سمجھ کے قند

ہے میرے تجربے کا بس اک نکتہ پر مدار
میری طرح جناب بھی ہوں اس پہ کاربند

دل کا شکار کیجئے لیکن یہ شرط ہے
فتراک انکسار ہو اخلاق پر کمند

(۲)

اتنی ہی آرزو ہے مرے دل میں اے خدا
اسلام کو زمانہ میں دیکھوں میں سربلند

دنیا میں سرنگوں علمِ مصطفےٰ نہ ہو
ہم خواہ خود ذلیل ہوں اور خواہ ارجمند

میدان بوقبیس سے یارب روانہ ہو — پھر قطع کائنات کو توحید کا سمند

(۳)

مسلم خود اپنے درد کی تجویز کر ذرا — تا وہ طبیب کا نہ کبھی ہو نیاز مند
ضامن ترا ہے نسخۂ تعویذ مصطفےٰ — پہنچا سکے پھر زمانہ تجھے کس طرح گزند

خواہی کہ خاکِ پائے رسولِ خدا شوی
دل را بہ یاد خوانیِ طاغوت در مبند

(۴)

خواجہ سے ایک رند تصوف نے یہ کہا — طامات تا کجا و خرافات تا بچند
کیوں زاہدی کو دیں طریقت دیا لیا — اس سے تو کچھ موافقِ شریعت ہی سود مند
گفت این کرشمہ نقش مشکبار است — پیران پارسا کہ دم از عشق می زنند

آئی فلک کے کان میں احسنت کی صدا
نیکو ادا شناسِ تو شتاں لوح بھی پسند

جگر پارے

وفود بھیج کر اُن سے پیام کر لیں گے
ہم آج فیصلۂ روم و شام کر لیں گے

ہمارے خوں کے آنسو ہیں اور دامنِ قوم
لہو لگا کے شہیدوں میں نام کر لیں گے

یہ سچ ہے اس پہ خدا کا چلا نہیں قابو
مگر ہم اس بُتِ کافر کو رام کر لیں گے

جلا کے کعبۂ خدا آج کل ہے پیرس میں
وہیں پہنچ کے ہم اس سے کلام کر لیں گے

مٹائیں گے بدویت کے تفرقے جا کر
اور اس کے واسطے کچھ قرض وام کر لیں گے

ہمارے منہ میں زباں ہے اور ہے اس میں تاثیر
اسی کو وجہ حصولِ مرام کر لیں گے

ہمارے ہاتھ میں ہے اشہبِ قلم کی عناں
اس سمند کو محشر خرام کر لیں گے

رہی مساعدتِ بخت تار سلو یہ کام
جنابِ حضرتِ خیر الانام کر لیں گے

خلیفہ چاند بنے سورج اور ہم تارے
مرتب آپ ہم اپنا نظام کر لیں گے

وہ کام جو نہ ہوا وہم اور دس سے
محمدِ عربی کے غلام کر لیں گے

نسیم دامنِ بطحا جو چل سکے نہ یہاں آئے
تو ہم بھی اس سے معطر مشام کر لیں گے

وہ مہر جو جبینِ سحر پہ ہی ٹوٹ جائے تو رند
شکستِ توبہ کا آپ انتظام کر لیں گے

ہزار آپ کے فتوے سہی مگر مسلم — حلال چیز کو کیونکر حرام کرلیں گے

عرب کی خاک اُڑی اور عجم ہوا برباد — ہم اب زمیں کے نیچے مقام کرلیں گے

وہ خاک جس میں ٹھکانہ ہے غوث اعظم کا — سنا ہے اس میں اجانب قیام کرلیں گے

خدا کرے کہ وہ اس خاک پاک میں نہ ہیں — دگرنہ کام ہم اپنا تمام کرلیں گے

جو ڈھل کے آگیا خورشید خاوری لب بام — تو ہم ستم زدہ بھی سیر بام کرلیں گے

ہمارے دل میں اگر جلوہ گر ہے نور خدا — تو سومنات کو بیت الحرام کرلیں گے

جو مولوی نہ ملے گا تو مادوی ہی سہی — خدا خدا نہ سہی رام رام کرلیں گے

دکن میں جا نہ سکیں گے تو شہریار دکن — یہیں سے تجھ کو بحسرت سلام کرلیں گے

علی امام نے واپس دلا دیا جو برار — تو پھر انہیں کو ہم اپنا امام کرلیں گے

کریں جو دیں کو رسوا وہ آپ ہوں رسوا
ہم اب دعا میں یہی التزام کرلیں گے

---

۱۰ مارچ ۱۹۲۰ء

دُرِّ منثور

نام کا رند نہ بن سکتے میں بدنام نہ ہو
ظرف ہی جب نہیں عالی تو مئے آشام نہ ہو

نہیں سودائے شہادت تو نہ کہلا مسلم!
منہ میں موجب رسوائیِ اسلام نہ ہو

اس سے کافر میرے نزدیک ہے سو بار اچھا
جس مسلماں کے پیشِ نظر انجام نہ ہو

آپ کہتے ہیں پرایوں نے کیا ہم کو تباہ
بندہ پرور کہیں اپنوں ہی کا یہ کام نہ ہو

مرغِ دانا سنبھل اور دانہ کے لالچ میں نہ آ
اس کے نیچے کہیں ہم رنگِ زمیں دام نہ ہو

یوں تو ہے شرم پیمبر کی انہیں بھی لیکن
جی میں ڈرتے ہیں کہ ناراض کہیں حکام نہ ہو

نکتہ چیں خوانِ صحافت کی ہیں ساری بے لطف
اگر اس مائدہ میں لذتِ دشنام نہ ہو

جب خود اللہ ہی لوگوں کی زباں سے نہ بچا
ہم ہیں پھر کون کہ ہم پہ کوئی الزام نہ ہو

نام کالوں کا زمانہ سے مٹا دیں گورے
رحمت اللہ کی دنیا میں اگر عام نہ ہو

نشأۃ الثانیہ کہتے ہیں جسے کابل کی
کہیں سقے کے لئے موت کا پیغام نہ ہو

کبھی ہم کو بھی وہ دن میسر ہوگا کہ نہیں
صبح کی فکر نہ ہو دغدغۂ شام نہ ہو

علم بخشا ہے تو دے ذوقِ عمل بھی یارب
عزم ہی کیا وہ جس کے لئے اقدام نہ ہو

ان مصارف ہی سے کر آ کے جہادِ اکبر　　شرع کو تجھ سے تقاضائے زر و مال نہیں

کب جنوں مصلحت اندیش ہوا کرتا ہے　　آج کیوں یاد تجھے اپنے ہی اقوال نہیں

تنت کے وقت میں اپنوں سے نہ منہ پھیر کہ تو

دولت اسلام کی ہے کفر کا اقبال نہیں

غزل مرقص

عجب کیا رب کی اس قدرت پہ گر مسلم کو حال آئے　　خلافت پر زوال آئے تو ساتھ اسکی کمال[1] آئے

ستاروں سے نحوست بدرِ کامل ہو اُدھر نحوست　　ادھر پھر اوجِ گردوں پر نظر بن کر ہلال آئے

حکومت کا نشہ اسلامیوں سے جا نہیں سکتا　　جو ٹوٹے ساغرِ جم بزم میں جامِ سفال آئے

عروسِ دولتِ کابل کو ہو مشاطہ کی حاجت　　کہ استنبول سے افشاں کے چننے کو جمال[2] آئے

خدا جانے ہو کیا اس وقت حالت دین کے اعدا کی　　امان اللہ[3] خاں کو بیٹھے بیٹھے گر جلال آئے

خلافت کی کرامت ہے اگر ہندوستاں جاگے　　اگر صدیوں کی اس باسی کڑھی میں بھی اُبال آئے

---

[1] غازی مصطفےٰ کمال پاشا　[2] غازی جمال پاشا　[3] ایدہ اللہ بنصرہ مزید

ہندوؤں کی تہذیب

سری رام چندر سے خطاب

نہ تو ناقوس سے ہے اور نہ اصنام سے ہے
ہند کی گرمیٔ ہنگامہ ترے نام سے ہے

میں ترے شیوۂ تسلیم پہ سر دھنتا ہوں!
کہ یہ اک دور کی نسبت تجھے اسلام سے ہے

ہو وہ چھوٹوں کی اطاعت کہ بڑوں کی شفقت
زندہ دونوں کی حقیقت ترے پیغام سے ہے

تیری تعلیم ہوئی نذرِ خرافاتِ فرنگ
برہمن کو یہ گلا گردشِ ایام سے ہے

نقشِ تہذیبِ ہنود اب بھی نمایاں ہے اگر
تو وہ سیتا سے ہے، لچھمن سے ہے اور رام سے ہے

عندلیبوں کا بسیرا تھا کبھی جس شاخ پر — اس کے سوکھے ٹھنٹھ پر بیٹھے زغن اور زاغ دیکھ
مکھیاں چھتہ کی تو جیتی نگل جانے کو ہے — لیکن آجائے کہیں تجھ کو نہ استغنائے زاغ دیکھ
جو کی روٹی بھی جنہیں قبرس میں مل سکتی نہیں — بمبئی میں چکھنے آئے لذتِ قیماغ دیکھ
آلِ ہاشم پاسباں تھا جس کی عزت کا حجاز — اس کی رسوائی بشکلِ طاہر و باغ دیکھ

اک گھٹا پھر اٹھ رہی ہے نجد کے کہسار سو — جو اجڑ کر رہ گیا تھا پھر ہرا وہ باغ دیکھ
پھر ہوئی کشتِ عرب سیراب ابرِ نوبہار — پھر چمن میں جلوۂ کبک و تذرو و سلغ دیکھ

قامتِ گیتی ہے اور رنگین قبا اسلام کی
غوطہ دیتا ہے اسے کس رنگ میں صباغ دیکھ

---

۱۶ جولائی ۱۹۲۵ء

مقتلِ ننکانہ

خونِ امرت سر کی سرخی رونقِ ننکانہ ہے — کس قدر رنگیں ہماری بزم کا افسانہ ہے
جنسِ آزادی کی ارزانی مسلم ہے مگر — خونِ ابنائے وطن اس جنس کا بیعانہ ہے
سر کے بل چل کر اکالی آئے مقتل کی طرف — دل میں ہے شوقِ شہادت اور بے تابانہ ہے

جن کے قتلِ عام کا گھر گھر میں ہے ماتم بپا — زندۂ جاوید ان کی ہمتِ مردانہ ہے

بے بصر سمجھے ہیں اک انبارِ خاکستر جسے — اس کے ہر ذرے میں پنہاں شوکتِ شاہانہ ہے

بت گری اس عہد میں ہے عقل و دانش کی دلیل — بت شکن اس دور میں مجنون ہے دیوانہ ہے

گردواروں پہ پنتھوں کا تسلط ہو گیا — خانۂ نانک نرائن داس کا بت خانہ ہے

اس کو محفل میں ہے اپنی جلوہ آرائی سے کام — شمع کیا جانے کہ جلتا کس لئے پروانہ ہے

کیا ہوا گر ہاتھ پر تم نے لیا ریشم لپیٹ — اس کے نیچے تو وہی فولاد کا دستانہ ہے

اک نہ اک دن صورتِ حرفِ غلط مٹ جائیگی — جو حکومت مذہبی قانون سے بیگانہ ہے

اس طرف گاندھی کی ہے شوکت علی سے رسم و راہ — اس طرف شیطان سے سرکار کا یارانہ ہے

مرغِ دانا اب نہ ان گھاتوں سے پھانسا جائیگا — رازدارِ حیلۂ دام و فریبِ دانہ ہے

معرفت کا خم سبوئے حق سے کبھی خالی نہیں — لطفِ ساقی اب بھی صرفِ گردشِ پیمانہ ہے

کیا ہوا بستی ہماری گر اجڑ کر رہ گئی

کل بھی آباد ہو گا آج جو ویرانہ ہے

منصور

مجھ سے ملنے کیلئے زنداں میں منصور آگیا ڈھونڈتی تھیں جس کو آنکھیں چشم بد دور آگیا
جس مکاں میں تھا اندھیرا اُس میں پھیلی روشنی چیر کر ظلمت کے پردے آنکھ میں نور آگیا
جانِ بابا اس سیہ خانے میں تم کیوں آ گئے میں تو ہو کر اپنی اس عادت سے مجبور آگیا
اس کا رونا اس کا ہنسنا اس کی شوخی اس کی ضد
مجھ کو یاد اختر ترے بچپن کا دستور آگیا

نئی نئی ضرورتیں

مجھ کو ہے تعاون نہ تغافل کی ضرورت میں آپ ہوں دریا مجھے کیا پُل کی ضرورت
اے سایۂ برطانیہ! اٹھ جا مرے سر سے اس سر کو ہے اکلیلِ توکّل کی ضرورت
زولیدگیٔ گیسوئے مشکیں کو نہیں ہے تکلیف گرہ گیری سنبل کی ضرورت

جب اس چمنستاں کی فضا ہی نہیں باقی
مینا کی ضرورت ہے نہ بسمل کی ضرورت

کرتی ہے عمل خود تو تشدد پہ حکومت
اور ہم کو جتاتی ہے تحمل کی ضرورت

کیا خوب! مرے قتل پہ حیرت بھی ہے ان کو
عارف کو بھی پیش آئی تجاہل کی ضرورت

میں سوختہ ساماں ہوں مجھے برق کا کیا خوف
بلبل ہی کو پیش آئی تامل کی ضرورت

کیا وہ بھی بنتا ہے جو ہو صلح میں تاخیر
دہلی سے مقدم ہوئی کابل کی ضرورت

اس میں نہیں کچھ شک کہ عمل خوب ہے لیکن
ہم کو ہے ابھی اور بھی کچھ قول کی ضرورت

تشنگی و سیرابی

مزرع ادب کو ہے آرزوئے سیرابی
نقش آب کا لیکن ہے تو وہ بھی سیمابی

علم ہے منزل بہت دور پیچ دار راستہ
کام چل نہیں سکتا گر نہ ہو وہ فارابی

جام بانٹ کر سوچ لیجئے اتنا
ظرف بھی ہے، ہے بادہ ہے عنابی

خالصہ کا پیغام

خالصہ کا قول ہے دم میں تو نہال ہو
گر تری زبان پر ست سری اکال ہو

کرنے دے انہیں جفا تو مگر نہ ہاتھ اٹھا
خواہ کیسی ہی قوی وجہ اشتعال ہو

اک جہاں کے واسطے صدق کی نظیر بن
اک زمانہ کے لئے صبر کی مثال ہو

بد نصیبوں کے وار کو روکنا اگر پڑے
کینہ سے دھلا ہوا سینہ تیری ڈھال ہو

حق کی جلوہ گاہ میں شانِ کردگار بن
حق کی شاہراہ پر جا کے پائمال ہو

مسلم برشتہ جاں دیکھ تو کہ یہ کہیں
تیری ہی روش نہ ہو تیری ہی نہ چال ہو

ہم تو سر کے بل گئے قتل گاہِ عشق میں
تیز ہو چکی چھری تو بھی چل حلال ہو

فسانۂ اسلام کی ایک عبرت اندوز فصل

یاد ہیں ہم کو وہ دن بھی کہ رئیس الاحرار
پا بزنجیر نظر آتے تھے زندانوں میں

اُن کو آنکھوں پہ بٹھاتا تھا جہانِ توحید
جانتا تھا کہ ہیں اسلام کے دیوانوں میں

بس کہ تھی ان کو نصاریٰ کی موالات سے نفرت
دھوم تھی اُن کی شجاعت کی مسلمانوں میں

آج یہ دن ہے کہ ہم دیکھتے ہیں ان کو
نائب السلطنت ہند کے ایوانوں میں

بختِ برگشتۂ ملت انہیں لے ہی پہنچا
لارڈ اِرون کی حکومت کے ثنا خوانوں میں

یہی بلبل ہے کسی اور جگہ نغمہ سنج
جو چہکتا تھا ہمارے چمنستانوں میں

چاء کی ایک پیالی پہ وہ بیچیں ہم کو
یہ بھی اک فصل ہے اسلام کے افسانوں میں

آل انڈیا مسلم لیگ سے سر محمد شفیع کی بغاوت

سر محمد شفیع لاہوری — اپنی ٹوپی الگ بنانے لگے
لیگ کے اقتدار کی بنیاد — اپنے ہاتھوں سے آپ ڈھانے لگے
آپ اپنے ستون قوت کو — مرکز ثقل سے ہٹانے لگے
ڈال کر افتراق ملت میں — زور اسلام کا گھٹانے لگے
آبرو جو رہی سہی تھی اسے — شملہ کی خاک میں ملانے لگے
ناچ تگنی کا خود تو ناچے تھے — ہم کو بھی ساتھ ہی نچانے لگے

ایسے دیوانہ کا علاج ہی کیا
خرمن اپنا جو خود جلانے لگے

---

۲۸ دسمبر ۱۹۲۷ء

ستارۂ صبح

بنا ہی دائرہ ہم نے لیا معارف کا — محال ہے کہ ہمارا کوئی آوارہ نہ ہو

کہاں سے لاؤں مضامین غیب کی سرخی — علی الصباح اگر چاہ کا غرارہ نہ ہو

کھل نہ سکے گی زبان عندلیب شیدا کی — بہار کا اس سے جس وقت تک اشارہ نہ ہو

بلند ہے تری ہمت تو باز بن کے دکھا — مگر کبھی بھی کلاغ طفیل خوارہ نہ ہو

نگاہ دُر پہ مگر خندہ بصنم کر جاؤ — یہ کار خیر ہے اس میں تو استخارہ نہ ہو

جمال ماہ بھی ہے اور جلال مہر بھی ہے — ستارہ ہی نہیں جو صبح کا ستارہ نہ ہو

خدا ہو ساتھ تو طوفان زدہ دل کو کیا ڈر ہے
نظر کے سامنے دریا کا گر کنارہ نہ ہو

یکم جنوری ۱۹۱۷ء

قندھار

یک بیک اسلام کی تقدیر پلٹا کھا گئی
رنگ لے آئی نرالا گردشِ لیل و نہار

ایک سقہ مسندِ کابل کی زینت بن گیا
دیدنی ہے روزگارِ سفلہ پرور کا مدار

پھر تعصب اور جہالت کا ہوا بازار گرم
پنجۂ باطل سے ہے حق کا گریباں تار تار

ملتِ بیضا کی رسوائی کے ساماں ہو گئے
بڑھ گیا پھر حلقۂ مشرق میں پیروں کا وقار

دنیوی باتوں میں ہونے لگ گئے مُلّا دخیل
اور سپرد ان کے ہوا سب سلطنت کا کاروبار

ہر طرف رجعت پسندی کی گھٹائیں چھا گئیں
ہو گیا قائم مشائخ کا پرانا اقتدار

ان کے ہاتھوں مغربی پھندوں میں پھنس کر رہ گئی
تھی جس آزادی کی ہر جانب سے مشرق میں پکار

ٹل ہی جائیں گی یہ گوناگوں بلائیں ایک دن
آ ہی جائے گا وہ دن جس کا ہمیں ہے انتظار

وقت آتا ہے کہ پھر ہو گا امان اللہ خاں
کامیاب و کام بخش و کامران و کامگار

پل رہی ہیں غیب کے آغوش میں وہ طاقتیں
جن کی عالمگیریوں کا نکتہ داں ہے قندھار

۲۱ جنوری ۱۹۲۹ء

تباہی ہے دراندازیِ اطالیہ کی طرابلس پہ
کہ آج کشور کشائی ہے جیسے قزاقی رہزنی ہے

ڈرا رہے ہیں صلیباں کشیدہ پہ وہ کہ وار کرنے کو ہیں مسلماں
دعا یہ ہے اسلامیوں کا نیزہ اشارہ ہی نیزہ کی آنی ہے

غنیمت گی تیغ کی جو دیکھی تو مومنوں کو یہ نکتہ سوجھا
کہ ہاتھ رہتا ہے اُن کے میدان شجاعت کا فرق ہی ہے

انا الیقین بس ہوئی مسلماں ملا اُسے حق سے نور ایماں
چراغ پا ہیں جناب پاپا عجب تماشا دیدنی ہے

ہماری کشتی کو ڈوبنے سے بچا لیا ہے تیری ہی ہاتھ نے
تیری توجہ سے یا محمدؐ ہماری بگڑی ہوئی بنی ہے

۱۹۱۱ء

صدر جمہوریہ امریکہ

صدر جمہوریۂ امریکہ ولسن ہو گیا
ہم جسے رہبر سمجھتے تھے وہ رہزن ہو گیا

کوئی پوچھے آپ کی چودہ شرائط کیا ہوئیں
سینۂ تہذیب کیا ان سب کا مدفن ہو گیا

تھیں نوا زن جس چمن میں قمریاں اسلام کی ۔۔۔ اک ہوا ایسی چلی جنگل، وہ گلشن ہو گیا

مدعی کے ہاتھ میں ہے رشتۂ زلفِ دراز ۔۔۔ اے جنوں تو خوش ہو گریباں آج دامن ہو گیا

برق بن کر آہِ مسلم عرش تک جانے لگی ۔۔۔ مصطفٰے کی شمع کا فانوس روشن ہو گیا

تحفۂ مسلم جب ہوا نیلام پولی کے لیے ۔۔۔ کوئی چرچل بن گیا اور کوئی کرزن ہو گیا

ان کو کیا بغداد کی حاجت جب ہے ہندوستاں ۔۔۔ وقف ان کے واسطے تیرا ابھابن ہو گیا

کھینچتی ہے یوں دلِ مسلم کو خلافت کی کشش ۔۔۔ جذبِ مقناطیس سے جس طرح آہن ہو گیا

ہم یہ کہتے ہیں کہ ہم کو دال بھی ملتی نہیں ۔۔۔ وہ یہ کہتے ہیں کہ مہنگا تو مکھن ہو گیا

منتشر اس سے اقتصادِ مغرب اور یوسفیہ

اس جل انگیز وادی کا بسا دل ہو گیا

---

۱۱ فروری سنہ ۱۹۲۰ء

ہاجی ظفر علی خاں ہندوزئی نہروانی

لقب "ہاجی" بھی ہے "ہندوزئی" بھی "نہروانی" بھی
مرے ایماں کو آخر چاہئے تھی اک نشانی بھی

مرقع میں مری تصویر سالک نے وہ کھینچی ہے
کہ وہ ننگ ارژنگ ہے اور پیکر حیرت نمائی بھی

صلہ میری وفاؤں کا دیا پیہم جفاؤں سے
اور اس پر مستزاد اس شوخ کی ہے بدزبانی بھی

خدا آباد رکھے مہر و سالک کی صحافت کو
کہ اس کے صدقہ میں ہوتی ہے میری قدردانی بھی

ہے اس کی نثر و نظم آئینہ جوہر ہائے ذاتی کا
مگر اس میں جھلکتی ہے شرافت خاندانی بھی

---

۹ نومبر ۱۹۲۸ء

گیانی کا ترانہ

کل شام کے وقت ایک بچارا گیانی
گلیوں میں بجاتا ہوا پھرتا تھا دو تارا

ہر نغمہ سے لگتی تھی نئی چوٹ جگر پہ
ہر نغمے سے کرتا تھا اشارا دل مجروح

ہر گت سے بابا نانک تھا خالصہ میں وہ ملا کو — اور چھیڑا جاتا تھا یہ آہنگ دل آرا

کچھ تم کو خبر بھی ہے کہ برطانیہ نے کیوں — گدی سے مہاراجہ نابھہ کو اتارا

کیوں خالصہ کی ناؤ پڑی آ کے بھنور میں — کیوں ڈوب گیا پنتھ کی قسمت کا ستارا

اس کی یہ خطا تھی کہ ہے ملت سے اسے عشق — اس کا یہ گناہ تھا کہ ہے مذہب اسے پیارا

اس جرم کی تعزیر میں ہم قید تھے کل تک — اور آج گرفتار ہے سردار ہمارا

ہے کوئی حق آگاہ جو باطل سے نہ جھجکے — ہے کوئی ہوا خواہ جو پوچھے یہ خدارا

کیوں فلسفہ اپنا ہی کیا تم نے فراموش — کیوں اپنی ہی ملت کا سبق تم نے بسارا

کیوں تم سے ہے مخفی یہ حقیقت کہ ہمیشہ — بہتا نہیں اک سمت میں تقدیر کا دھارا

ڈھلتی ہوئی پھرتی ہوئی آتی ہوئی دولت — تم کون ہو جس سے نہ کرے گی یہ کنارا

دنیا میں نہ یونان رہا روم رہا نہ ایران — باقی نہ سکندر رہا نہ پورس رہا نہ دارا

ہم بھی کبھی اس ملک میں تھے صاحب دیہیم — مشہور تھے ہم تا بہ سمرقند و بخارا

لیکن کبھی احسان کی روش ہم نے نہ بدلی — جو قول دیا ہم نے وہ مر کر بھی نہ ہارا

اک ہم تھے کہ ہم نے تو دیا آپ سے چھوڑا — اک تم ہو کہ تم نے جسے تاکا اسے مارا

کب تک یہ تشدد یہ مظالم یہ جفائیں — کس شان سے لیتے ہو یہ ستم و جور تمہارا

تم نہ کرسکو گے کبھی اس جذبہ کو پامال — کرتی رہی قوموں کو سدا جس نے ابھارا

وہ لال تو رکھو جسے بہایا ہے کسی نے اپنا — بن جائے گا پنجاب کی تعمیر کا گارا

چین آ نہیں سکتا ہمیں جب تک نہ بٹھالیں
مسند پہ مہاراجہ نابھہ کو دوبارا

صورت و سیرت

تمہیں صورت پہ غرہ ہے مجھے سیرت پہ نازش ہے
تمہیں پروا ہے دنیا کی مجھے ہے فکر عقبیٰ کی

کسی کے کام آنے کی اگر توفیق ہے مجھ کو
ہے تخصیص اس سعادت میں نہ ابا کی نہ آقا کی

یہ دین اسلام کی ہے کیا اجارہ آپ کا اس میں
یہ برکت ہے رسول اللہ کے دینِ حق کی

دلوں کو بندہ پرور دیکھئے کالے ہیں یا گورے
کہیں تو آپ بھی خاکی ہیں اور بندہ بھی ہے خاکی

---

۴ جنوری سنہ ۱۹۱۷ء

رازہائے سربستہ

پوچھ لیتا ہے فرنگی بھائی سے بھائی کا راز
ایشیا میں ہے یہ اُس کی کارفرمائی کا راز

سلطنت قرباں کی گوسالہ و ناقوس پہ
آشکارا ہو گیا ہندو کی رسوائی کا راز

کھول دے گی سالِ نو کی فردِ اعزاز ایک دن
آستانِ شملہ پر اُن کی جبیں سائی کا راز

دجلہ میں ہندوستاں کے لٹتے ہیں یارانِ نجف
دیکھ لو اسلام کے بیڑہ کی گیرائی کا راز

فتنۂ تہذیب میں سرشار ہے ابنِ سعود
ہے خطا ناآشنائی اُس کی شانِ دارائی کا راز

آپ سب کچھ لے لیا کچھ بھی نہ یورپ کو دیا
جدہ کا میثاق ہے سلطان کی دانائی کا راز

بمبئی میں منتقل ہو کر مرکزیت کعبہ کی
مجھ سے چھپ سکتا نہیں کعبہ کی شیدائی کا راز

ہے سخن میرا نشاط افروز بھی جانسوز بھی
ہے خود افشاں ان نواؤں کی دل آرائی کا راز

۱۴، نومبر ۱۹۲۷ء

زمیندار اسٹیم پریس

خود اپنے ہی مطبع میں زمیندار چھپا آج
ہوتا ہے غلامی سے یہ اخبار رہا آج

مطبع کے نہ ہونے سے جو تھی روح کو سوہان
یہ چھپ کے اُن افکار سے آزاد ہوا آج

اپنی ہی کلیں اپنے ہی انجن سے چلی ہیں
دل اور زباں کیوں نہ کریں شکرِ خدا آج

جس درد کی مدت سے تھی خود ہم کو شکایت
اُس درد کی پیدا ہوئی صد شکر دوا آج

آتے ہیں وہ دن اب اس کے پنپنے کے عزیزو
بیمار کو دی شافیِ مطلق نے شفا آج

پابندیِ اوقات کی صورت نکل آئی
تاخیر کا احباب کو شکوہ نہ رہا آج

اغیار کے ناز اس نے اٹھائے ہیں بہت یوں
ہے باعثِ نازش اسے خود اپنی ادا آج

صد جلوۂ پنہاں کے تجلی کی ہے تمہید
ہوتا ہے جس انداز سے یہ چھپ کے نما آج

آرائشِ ہم چشم سے شاطر ہے تاریخ
نازاں نہ ہو پھر شانہ پہ کیوں لطفِ رسا آج

احباب نے اس وقت تک امداد جو کی ہے
کچھ اس سے اعانت کی ضرورت ہے سوا آج

۲۲ اکتوبر ۱۹۱۳ء

علی برادران اور ابو الکلام آزاد

برا ہو انقلابِ علی کا [illegible] کلام
کہیں ہیں شرب کے رسیا ابوالکلام آزاد

پلا پلا کے شرابیں انہیں [illegible]
کہا ہے ہیں ہم یاں کے ہاتھ سے برباد

نہیں خیال انہیں رہتا یہ جو سرمستی ہیں
کہ دیں ہو نہیں سکتا کفر کا منقاد

جنابِ حضرتِ نقاش نے سنا جو [illegible]
یہ طعنہ جس سے ٹپکتا تھا زہرِ بغض و عناد

تو ہنس کے کہنے لگے یہ بھی شانِ باری ہے
ابوالکلام پہ یوں برسے چندہ کی اولاد

اگر وہ بھول گئے ہو تو ہم نہیں بھولے
جنابِ سیٹھ چھوٹانی کی تھیلیوں کی یاد

وہ کان کھول کر سن لے یہ قول حافظ کا
فقیہ مدرسہ دی مست بود و فتوی داد

کہ مے حرام ولے بہ ز مال اوقاف است

---

۱۲ جنوری ۱۹۲۹ء

[illegible] علی [illegible] ابوالکلام [illegible] (تقریبات [illegible]) "آزاد" کو ملے ہیں۔

آزادئ ضمیر

بت خانۂ فرنگ کی پولٹ کی خاک سے — آلودہ جیب سر ہے محمد شفیع کا

کوشش یہ ہو رہی ہے کہ جلوہ نظر نہ آئے — آزادئ ضمیر کی بام رفیع کا

تکبیر سے ہے لاگ تو تصفیق سے لگاؤ — تہذیب نام ہے اسی فعل شنیع کا

قدوسیان شملہ سے پوچھو کہ کیا ہے راز — اس تیز پا سمند کی سیر سریع کا

لیکن نہ مل سکے گا اُسے حشر تک سراغ — سر منزل حرم کے مقام منیع کا

قول اور فعل میں نہیں جن کے مطابقت
کیا رنگ اڑائیں گے مری طرز بدیع کا

---

۱۰ جنوری سنہ ۱۹۲۸ء

خدا اور بُت

اک روز میں نے عرض یہ سرکار سے کیا
اے وہ کہ مجھ کو تجھ سے مجالِ سخن نہیں

اے وہ کہ جو زمیں تیری ہیبت سے ہے سجود
اور آسماں کو حوصلۂ دم زدن نہیں

اے وہ کہ تیرے غمزۂ خنجر گزار کو
پروائے جانِ شیخ و دلِ برہمن نہیں

اے وہ کہ تیرے دور میں قانون کا ادب
شرمندۂ روایتِ عہدِ کہن نہیں

سنتا ہوں میں کہ تیری مساوات کے بدل
منت پذیر فرقِ الہ و وطن نہیں

پھر کیوں خدا کے گھر ہی کو ڈھایا حضور نے
بت پہ حضور کس لیے یہ جتن نہیں

لارنس کا مجسمہ کیوں منہدم نہ ہو
کیا اس کے واسطے کوئی مشین گن نہیں

ملزم یہ بت بھی ہے جو خدا ہے قصوروار
اس کا بھی اعتراف سے خالی دہن نہیں

نالاں مرے سوال کو اس قدر لگتے
سرکار سے جواب کچھ آیا جو بن نہیں

انگریز وحشیانہ تعصب سے پاک ہیں
محمود غزنوی کی طرح بت شکن نہیں

سائمن کمیشن کا خیر مقدم

جب آئیں سائمن اس طرح استقبال ہو جائے
کہ پہنچیں جس جگہ نازل وہیں ہڑتال ہو جائے

زوال اسلامیوں کا اس سے بڑھ کر اور کیا ہوگا
کہ جو اُن کا نمائندہ اگر سرکار "اقبال" ہو جائے

ہمارے مسلم آزاد ہونے کی بجائے ہیں
ہر اک ہندو اگر پنڈت جواہر لال ہو جائے

خدا کی شان ہے جو سورۂ زلزال پڑھتے ہیں
وہ ہوں خاک اور کاشی کا صنم پامال ہو جائے

سنبھالیں حوصلے بڑھ کر بہشدار اور اُن کی ہمنوا طائر
ذرا گر عندلیب اسلام کی ہم خیال ہو جائے

خلافت، کانگرس، اور لیگ کا اک یہ کہنا ہے
کہ الٹی آسمان پیر کی ہر چال ہو جائے

اگر ہندوستاں کو نعمت آزادی کی حاصل ہو
تو ممکن توسن کا برطانیہ بے کال ہو جائے

---

۲۳ جنوری ۱۹۲۸ء

شورِ بازاری شریعت کے پرستاروں کا اسلام

ایک ڈاکو کو دیا مردِ مجاہد کا خطاب — شورِ بازاری رذالو کیا یہی اسلام ہے

جھوٹی قسمیں کھلنے والے کو بنایا بادشاہ — شرع پر مر مٹنے والو کیا یہی اسلام ہے

اپنے محسن کو ڈسا جس افعیِ خوش رنگ نے — آستیں میں اس کو پالو کیا یہی اسلام ہے

جس نے روندا پاؤں میں ارشادِ اوفوا بالعقود — اس کو آنکھوں پہ بٹھالو کیا یہی اسلام ہے

دس برس تک جو تمہاری آنکھ کا تارا رہا — آج آنکھ اس سے چرالو کیا یہی اسلام ہے

جس کے ایماں کی قسم جبریل کھاتا ہو اُسے — کفر کے سانچے میں ڈھالو کیا یہی اسلام ہے

جس نے افغانوں کی عزت میں لگائے چار چاند — اس کو یوں گھر سے نکالو کیا یہی اسلام ہے

پھیر لیں آنکھیں امان اللہ خان غازی سے کیوں
گوری رنگت والے کالو کیا یہی اسلام ہے

کسی صاحبزادہ کی یاد میں

بسکہ بیتر ہیں سراپا پیکر خیال آمادہ ہے
کہکشاں کی جلوہ افشانی فروغ جادہ ہے

میرے مضموں ہیں اچھوتے میری نقش ہیں طبیعت
گوشۂ معنی پردہ ہائے غیب کا دلدادہ ہے

مے بھی مستغنی ہوں اور معشوق بھی ہوں بے نیاز
طبع موزوں سادہ ہے اور فکر رنگیں بادہ ہے

خاک اُترنے میں ہے خونِ شہادت کا یہ رنگ
ذرہ ذرہ لعل ہے یاقوت ہے بیجادہ ہے

پھول پھل لانے کو ہی اگتے ہیں آزادی کے بیج
کل وہی ایستادہ ہوگا آج جو افتادہ ہے

ہم بھی صاحب تھے کبھی اے سفلہ پرور آسماں
اب تو صاحب ہیں وہی جن کی روش آزادہ ہے

کیا تماشا ہے کہ صاحبزادہ کہلاتے ہیں ہم
سو سمجھے یہ معنی ہوئے بندی بھی لیڈر زادہ ہے

ہو کے مسلم بے کے پیسہ بن گیا تو دین فروش
آج میں سمجھا کہ تو واقعہ میں صاحبزادہ ہے

درد کیا کام آئے گا یا حی یا قیوم کا
جب شراب عشق سے رنگیں نہ سجادہ ہے

اگر سوچو تو الطافات بے پایاں کے مورد ہو — بجا لانا تمہیں لازم ہے شکر حضرت باری

گورنمنٹ ایسی تم پہ حکمراں ہے اس زمانے میں — کہ مسلک جس کا ہمدردی ہے اور شیوہ ہے غمخواری

ہوئی اس عہد میں تم کو میسر وہ یکجہتی حاصل — کہ پایا کب سے کسی نے نہیں یہی نہال یاری

نکالی جا بجا ہیں آبپاشی کے لئے نہریں — زمیں کے سینچنے کے واسطے ہیں نالیاں جاری

گئے ان بہتی گنگاؤں کے صدقے میں وہ دن یکبار — تمہاری کشتوں کو تشنہ رکھتا تھا ابر آذاری

جہاں پہلے بیاباں تھے وہاں آبادیاں ہیں اب — زمیں شورہ میں کی لالہ و سنبل نے گلکاری

مگر ان آسانیوں پہ بھی نہ سیکھو گر ترقی کے
تو بہتر ہے کہ دنیا سے کرو چلنے کی تیاری

از طہران

انجام کار چڑھ گیا میں اس پہاڑ پر — پہلو پہ جس کے چھا رہا اک برف زار تھا

نکلا نہ تھا قمر ابھی اس برج سے جہاں — آغوش آسماں میں سر کوہسار تھا

پھیلا ہوا پہاڑ کے دامن میں دور تک
میدان و شہر و کوکبۂ شہریار تھا

جشنِ صلح نوزان

جس وقت جشنِ صلح کے گھر گھر جلے چراغ
سمجھا ہیں کہ ہے یہ چراغاں مرے لیئے

اُتریں گی آسماں سے فرشتوں کی ٹولیاں
کھولیں گی حلقۂ درِ زنداں مرے لیئے

ممکن کسی طرح یہ نہیں ہے کہ آج بھی
صبحِ وطن ہو، شامِ غریباں مرے لیئے

برسوں مرے چمن میں خزاں کا عمل رہا
پھر کیوں نہ ہو بہارِ گل افشاں مرے لیئے

اس پہ یہ ایک حامیِ سرکار نے کہا
ترے لیئے نہیں یہ بیاباں مرے لیئے

تیرا نصیب [illegible] مقدر مرا الگ
غمیاں ہیں تیرے واسطے خوشیاں مرے لیئے

تھی تیرے دم سے رونقِ ہنگامہ شام تک
[illegible] حلقۂ زنداں مرے لیئے

تو خوگرِ جفا ہے نہیں [illegible] وفا
آنسو ترے لیئے ہیں چراغاں مرے لیئے

تو عافیت شناس ہے [illegible] عافیت [illegible]
زنداں ترے لیئے ہے گلستاں مرے لیئے

[illegible]
موزوں ترے لیئے [illegible] پریشانیاں مرے لیئے

ترے لیئے [illegible]
[illegible] مرے لیئے

[illegible]
[illegible] ہیں [illegible] مرے لیئے

رزمگاہ صحافت

محاذ لاہور

ستارۂ صبح اور اس کے حریف و حلیف

جھگڑا ہوا اخبار کی بیٹھک میں اس طرح
ٹکڑا پڑا اُدھر سے اِدھر سے چلی لگد

دو شخص گرم بحث تھے پوچھا یہ ایک نے
پہچانتے بھی ہو کہ کیسی ہے رد و کد!

درخشندہ ہے ستارۂ صبح آب و تاب سے
لیکن اسے پسند نہیں کرتے ذی خرد

کہتے ہیں اب نہیں ہیں وہ پہلے ظفر علی
دل سے خیالِ قوم انہوں نے کیا ہے رد

سمجھوتہ کر کے شملے سے آزاد ہو گئے
مانگی بجائے قوم گورنمنٹ سے مدد

حکام سے جڑے ہیں طلبگارِ عفو جرم
ظاہر کیا وہ عجز نہیں کوئی جس کی حد

راوی سے پار آ نہیں سکتے تھے پیشتر
لیکن ہوئے اب اپنی عداوت کے معتمد

ہندوستان بھر میں نہیں ان کی روک ٹوک
باقی رہی نہ کوئی بھی رستے میں ان کی سد

اخبار بھی نکال لیا دھوم دھام سے
دیکھو تو پھیل جائے نہ دریا کا جزر و مد

جو کچھ بھی ہے یہ قوم فروشی کا ہے صلہ
اس نسل سے ہوئی بہت اسلامیوں کی بد

کچھ ان سے واسطہ نہیں اسلام کو رہا　　وہ ہوم رول کے بھی مخالف ہیں اب اشد

ان کی مخالفت میں ہے سب ملک متفق　　ہندو بہ جد و جہد تو مسلم بہ شد و مد

شملہ سے کھنچ کے آئی ہے جو اب نئی شبیہ　　حضرت کے خوب اس میں نمایاں ہیں خال و خد

سنتے ہی دوسرے نے چمک کر دیا جواب　　ہیں بندہ پرور آپ حقیقت سے نابلد

لاہور سے نکلتے ہیں اخبار جس قدر　　ان کو ظفر علی سے ہے محض اس لئے حسد

جاری کیا ستارۂ صبح آ کے کیوں یہاں　　پڑتی ہے اس کی قدر سے ان پر بلا کی زد

اب پوچھتا نہیں کوئی پیسے کو ان کی بات　　کر دی ہے آ کے بند اس اخبار نے رسد

وَالعَصر کا سبق انہیں از بر ہے آج کل　　ٹوٹے میں آ کے بھول گئے اَللہُ الصَّمَد

اُن کے ظفر علی پہ ہیں جو کچھ بھی اعتراض　　ان کی دلیل کچھ بھی نہیں سب ہیں بے سند

اللہ اپنے نور کا خود ہو گیا متم　　مہ نور می فشاند و سگ بانگ می زند

اتنے میں خود ستارۂ صبح آ کے ڈٹ گیا　　اور آتے ہی طبیعت کو دی اس طرح مدد

میں سر بر آستان پیمبر نہادہ ام　　زاں پایۂ من بہ عرش بریں نقش می زند

یادر مذاق فتنہ گرفت است مغتنم　　شور نشود از اثر خامہ ام چکد

جبریل سودہ سرمۂ افکار من بہ عرش　　در چشم انتقاد بہ میل ادب کشد

برکندنش محال بہ نیروے آشتی است　　خار حسد بہ سینۂ حاسد چو می خلد

اور ہم کریں کسی کو بھی شدھی اگر تو آپ
بھیجیں یہ حکم اپنے مدار المہام کو

قارورہ دے کا نہ پیئے کوئی حق پرست
اللہ کا شریک نہ ٹھہرائے رام کو

ہونے نہ پائے کوئی مسلمان آریہ
چھوڑے تو دین تیغ بھی چھوڑے نیام کو

ان سب خرابیوں کا یہی توڑ ہے کہ ہم
پہلے کریں درست خود اپنے عوام کو

ہو جائے سنگٹھن جو ہمارا تو اس طرح
آقا کبھی نہ چھوڑ سکے گا غلام کو

تھا نامشی جواب اس الزام کا مگر
کب مانتا ہے خامہ مری روک تھام کو

کیوں باغباں کرے نہ حفاظت طیور کی
صیاد لے کے باغ اگر جائے دام کو

جو ہیں خدا پرست ہوں کیوں سامری پرست
کیوں چھوڑ دیں شریعت خیر الانام کو

گوبر ملے دہی کو مسلمان کھائیں کیوں
کیونکر حلال ہیں وہ بنا دیں حرام کو

کیا حق ہے آریوں کو کہ قارورہ کرکے پیش
اسلامیوں سے چھین لیں کوثر کے جام کو

کیا حق ہے کفر کا کہ خلیع العذار ہو
روکے نہ کوئی اس فرس بد لگام کو

یہ ہرزہ خواں گروہ عجب بدتمیز ہے
پہچانتا نہیں ہے ادب کے مقام کو

یہ لوگ آج بادشہوں پہ ہیں حرف گیر
کل تک نہ پوچھتے تھے جنہیں ہم چھدام کو

بے سود ہیں یہ سنگٹھنی سبکیاں تمام
اس سے کوئی ڈرا نہیں سکتا نظام کو

ہرگز کبھی پہنچ نہیں سکتا کوئی گزند
غوغائے سگ سے جلوۂ ماہ تمام کو

ابدی زندگانی کا راز

ایک مجتہد سے میں نے کیا اس طرح خطاب — نکتے نکالے آپ نے ہیں بات بات میں
واقف ہیں آپ فلسفۂ موجبات سے — ساتھ اس کے دخل آپ کو ہے سالبات میں
مجھ کو بھی اپنے علم سے کچھ حصّہ دیجئے — جنچتا ہوں میں اگر نظرِ التفات میں
موت اور زندگی کے نہیں جانتا میں رمز — درخور نہیں ہے کچھ بھی مجھے ان نکات میں
یہ مسئلہ پیرِ دستِ حل کر سکے وہی — ڈالا ہو جس نے صوفِ تفلّف دوات میں
کہتا ہے کیا اصولِ طبیعی کا فلسفہ — ارشاد کیا ہے بابِ حیات و ممات میں

کہنے لگے کہ نام ہیں دو ایک چیز کے — ہیں مختلف صفات عیاں ایک ذات میں
اشکال ہیں یہ دو حرکت کی جدا جدا — مرکز ہے ایک دائرۂ کائنات میں
فرقِ نظر ہے ورنہ جگاتا ہے ایک نور — سورج کو دن کے وقت کواکب کو رات میں
جولانیوں کی ریگِ رواں میں بھی ہے نمود — طغیانیاں ہیں گر نظر آرا فرات میں